بعونہ تعالیٰ

یہ مبارک رسالہ ہدایت قبالہ (جس میں بہشتی زیور کے اُن مسائل کی
تردید و تصحیح کی گئی ہے جو غلط اور خلاف تصریحات فقہای کرام
یا اپنے اطلاق کے باعث حکم شرع کو متغیر کرنے والے تھے)

مسمےٰ بہ

اصلاح بہشتی زیور

حصہ اول حصہ دوم و سوم و چہارم

جناب مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب سُنی حنفی قادری
بریلوی نے بغرض رفاہ عام و فائدہ اہل اسلام

الفقیہ پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام حکیم معراج الدین احمد
پرنٹر چھپا اور مولوی حشمت علی محلہ گڑھیا پبلشر نے
شہر بریلی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ

منقولہ از فتاوی رضویہ جلد تاسع کتاب الحظر والاباحۃ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہشتی زیور کیسی کتاب ہے اسے پڑھنا جائز ہے یا نہیں اس میں لکھا ہے کہ [illegible] اللہ و رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا شرک ہے آیا شرک ہے یا نہیں [illegible] میں۔ ہر کہ اللہ نے کچھ مخلوقات نور سے پیدا کر کے ہماری نظروں سے چھپا دیا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب

بہشتی زیور جس کتاب کا نام ہے سخت غلط مسائل اور بہت سی گمراہیوں پر مشتمل ہے اسے دیکھنا حرام ہے اور اس کے مصنف اشرف علی تھانوی کی نسبت حرمین شریفین کے اکابر علماء و مفتیان و شیخ الاسلام کا فتوی چھپ چکا ہے۔ یہ فتوی حسام الحرمین مطبوعہ بریلی [illegible] پریس [illegible] میں ہے ملائکہ نور سے مخلوق اور عوام کی نظروں سے نہاں ہیں یوں کہنا کہ اللہ پھر اللہ کے رسول نے چاہا اور یوں کہنا بھی کہ اللہ و رسول چاہیں گے حرج نہیں جبکہ اللہ و رسول کو برابر نہ جانے اور وہ کونسا مسلمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو معاذ اللہ اللہ عزوجل کا شریک جانے گا۔ اس مسئلہ کی تحقیق اور اس قبیل کے بہت سے مسائل کی تفصیل ہمارے رسالہ الامن والعلی میں ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔ (الامن والعلی رضوی کتب خانہ بریلی سے مل سکتا ہے)

لہذا یہ فقیر انہیں گمراہیوں اور غلط مسئلوں کو کتاب مذکورہ سے نکال کر بطور نمونہ از خروارے مسلمانوں کے روبرو پیش کرتا ہے تاکہ وہ آگاہ ہو کر گمراہی کی باتوں سے بچیں غلط و خلاف مذہب مسائل پر عمل نہ کریں جو باتیں معلوم نہ ہوں وہ کسی سنی عالم سے پوچھیں یا معتبر کتابیں دیکھیں۔ ایسی کتابیں کہ جن کے دیکھنے سے عقائد خراب ہوں ایمان میں خلل واقع ہو ہرگز ہرگز نہ دیکھیں اور نہ اپنے اہل و عیال کو دکھائیں پڑھائیں اللہ تعالی مجھے انہیں سب کو ہدایت فرمائے سیدھی راہ اہلسنت و جماعت پر چلائے بے دینوں گمراہوں کی گمراہی سے بچائے۔

فاقول وباللہ التوفیق ۔ مولانا تھانوی صاحب کا عورتوں کو الف بے پڑھانا القاب و آداب بتانا خط و کتابت کا ڈھنگ و طریقہ سکھانا لکھنے کی راہ دکھانا ہی محض بیجا و سراسر خطا و شرعاً ناروا ہے کہ احادیث میں عورتوں کو لکھنا سکھانے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے اور اجازت میں کوئی حدیث صریح نہیں آئی ہے اسی پر سلف و خلف اجلہ ائمہ و اکابر امت کا عمل رہا اور زمانہ موجودہ کے علماء نے بھی کتابت کو عورتوں کے واسطے ممنوع و ناجائز ہی رکھا ۔ چنانچہ ابن حبان و بیہقی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تسکنوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ وعلموھن المغزل وسورۃ النور ۔
عورتوں کو کوٹھوں پر نہ رکھو اور انہیں لکھنا نہ سکھاؤ انہیں چرخہ کاتنا بتاؤ سورہ نور سکھاؤ ۔ دوسری حدیث میں ہے لا تسکنوا نساءکم الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ رواہ امام الترمذی محمد ابن علی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی عورتوں کو بالاخانوں پر نہ رکھو اور انہیں لکھنا نہ سکھاؤ تیسری حدیث میں ہے لا تعلموا نساءکم الکتابۃ ولا تسکنوھن العلالی رواہ ابن عدی وابن حبان عن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ انہیں کوٹھوں پر نہ ٹھہراؤ حدیث اول کی حاکم نے تصحیح فرمائی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اور ثالث کو اپنے رسالہ اجر الجزل میں ذکر کیا اور دوسری حدیث کو امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ حدیثیہ میں استناداً ذکر کیا اور فتاویٰ رضویہ میں انہیں اس مسئلہ کے جواب میں نقل فرما کر انکی تصحیح و تائید و تقویت میں اقوال علماء نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع و سنت نصاریٰ و فتح باب ہزاراں فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے جس کے مفاسد شدیدہ پر تجارب عدیدہ شاہد عدل ہیں متعدد حدیثیں اس کی ممانعت میں وارد ہیں جن میں بعض کی سند عند التحقیق خود قوی ہے اور اصل متن حدیث کے معروف و محفوظ ہونیکا امام بیہقی نے افادہ فرمایا اور پھر تعدد طرق دوسری قوت اور عمل امت و قبول علماء تیسری قوت اور محل احتیاط و سد فتنہ چوتھی قوت تو حدیث لا اقل حسن ہے اور ممانعت میں اس کا صریح ہونا خود روشن ہے بخلاف حدیث شفا بنت عبد اللہ کے اجازت میں،

اصلاً کوئی حدیث صریح نہیں جس سے ظاہر کہ اگلے زمانے کی دو چار بیبیوں کے حال و فعل سے استناد
کا یہاں کوئی محل نہیں پہلے تو عموماً عورات کو حکم تھا کہ پنجوقتہ مسجدوں میں حاضر ہوں پردہ نشین
اگرچہ حالت حیض میں ہوں کہ نماز پڑھ بھی نہیں سکتیں محض شرکت و برکت کے لیے عیدگاہوں
کو ضرور جائیں اب یہ احکام تو نہ رہے حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو ام المومنین
ہیں آج حضرت فقیہہ فاطمہ سمرقندیہ بنت امام علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مثل کونسی بی بی ہے بلکہ بعد
تلاش و تفحص صرف چند عورتوں کی کتابت کا پتہ چلنا ہی بتا دیتا ہے کہ سلفاً و خلفاً علماء و عامہ مومنین
کا عمل اس کے ترک پر ہی رہا ہے ہر دور زمانہ میں لاکھوں کاتب ہوئے اور عورتیں تیرہ سو (۱۳۰۰) برس
میں معدود بر ظاہر کہ کتابت ایک عظیم نافع چیز ہے اگر عورتوں کی کتابت میں حرج نہ ہوتا تو جمہور
سلف سے آج تک اس کے ترک پر کیوں اتفاق کرتے بالجملہ سبیل سلامت اسی میں ہے لہٰذا اجلہ
علمائے کرام جیسے امام حافظ الحدیث ابو موسیٰ اور امام علامہ توربشتی اور امام اثیر جزری و علامہ
طیبی و علامہ جلال الدین سیوطی و علامہ طاہر فتنی اور شیخ محقق مولٰنا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہم نے اسی طرف میل فرمایا وہ ہر طرح ہم سے اعلم تھے اب جو اجازت کی طرف جائے
یا حال زمانہ سے غافل ہے یا امت مرحومہ کی خیر خواہی سے عاطل و من لم یعرف اہل زمانہ
فہو جاہل و نسئل اللہ العفو و العافیہ

بلکہ تھانوی صاحب ہی کے گروہ کے ایک دیوبندی صاحب نے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ
علیہ کے رسالہ اجر الجزل کا اردو میں ترجمہ کر کے مطبع قاسمی دیوبند میں چھپوایا ہے۔ اس میں
تیسری حدیث مذکورہ کے تحت میں ایک فائدہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب
کے سر گروہ میاں گنگوہی صاحب بھی اسی کے قائل تھے کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا ممنوع و مکروہ
تحریمی ہے وہو ہذا۔

فائدہ اس حدیث میں مردوں اور عورتوں کے لیے چند بیش بہا تعلیمات ہیں۔ اول یہ کہ عورتوں کو
لکھنا مت سکھاؤ اور اس معنی کی ایک صحیح الاسناد روایت آگے بھی آنے والی ہے اور اسی لیے
حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام حکم فرما دیا کہ عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ اور بالا
خانوں پر نہ رکھو (روض الاخیار للشیخ محمد قاسم ابن یعقوب) البتہ صحاح کی بعض روایات میں وارد ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان کے پاس حضرت شفا بنت عبد اللہ العدویہ بیٹھی ہوئی تھیں آپ نے حفصہ سے فرمایا الا تعلمین هذه رقية النملة كما علمتيها الكتابة (رواہ ابو داؤد) تم ان کو یعنی شفا کو نملہ کی جھاڑ پھونک کیوں نہیں سکھا دیتیں جیسے تم نے انہیں لکھنا سکھایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکھنا جانتی تھیں اور جس سے عورتوں کے لیے لکھنا سیکھنے کی اجازت نکلتی ہے کیونکہ آپ نے اس کو برا نہیں سمجھا اس لیے علمائے محدثین و فقہا نے دونوں روایتوں کی تطبیق کے لیے فرمایا ہے کہ اگر کسی فتنہ کا خوف نہ ہو جیسے ام سلمہ کے لیے نہیں تھا تو اجازت ہے ورنہ نہیں اور پہلی روایت کو خوف فتنہ پر محمول کیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں کو لکھنا سکھانے میں فتنہ کا خوف ہے یا نہیں اس زمانہ اور بلکہ اس سے پہلے زمانہ کے علما کی بھی یہ رائے ہے کہ اب عورتوں کو لکھنا سکھانا فتنہ سے خالی نہیں ہے چنانچہ حکیم ترمذی نوادر الاصول میں اور ابن ملک شرح مصابیح میں اور طیبی شرح مشکوٰۃ میں اور شیخ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں اپنے زمانے کے متعلق بھی یہی فیصلہ دیتے ہیں کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا ہرگز مناسب نہیں اور مولانا مولوی سید نعمان آلوسی زادہ مفتی بغداد رحمۃ اللہ علیہ نے جو میرے استاذ الاستاذ بھی ہیں اس بحث میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں یہی فتویٰ دیا کہ آج کل عورتوں کو لکھنا سیکھنا مکروہ تحریمی ہے اور مرشدنا و مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے اس بارے میں یہ الفاظ ہیں کہ اس زمانہ تعلیم کتابت عورتوں کو مکروہ ہے تحریماً انتہی۔

اب ہمیں اس مقام پر زیادہ لکھنے اور اقوال علما نقل کرنے کی ضرورت نہیں کہ اسی قدر سے حکم مسئلہ ظاہر اور تھانوی صاحب کی خطا و غلطی روشن ہوگئی ہاں یہ بتا دینا ضروری

۲ے اقول علاوہ بریں حدیث شفا میں احتمال تحریف و تخصیص و نسخ کا بھی ہے کما صرح بہ غیر واحد من العلماء اور ہو سکتا ہے کہ وہاں کلام علی سبیل الانکار ہو و اذا وقع الاحتمال خلا عجوزہ بہ الاستدلال بخلاف حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فانہ صریح فی الممانعۃ فلا یصرف عن ظاہرہ ویبقی علی عمومہ کما فعل سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی عہدہ واسی خیر ... عہدہ ۱۲ منہ..

ہے کہ جب گنگوہی صاحب ہی کے قول کے بموجب عورتوں کو لکھنا سکھانا انہیں خط و
کتابت کا ڈھنگ و طریقہ بتانا مکروہ تحریمی ہوا تو اس کے مرتکب کا کیا حکم ہے فاقول مکروہ
تحریمی حرام یا قریب بحرام ہے اور ہر دو تقدیر پر اسکا مرتکب گنہگار مستحق عذاب نار ہوتا ہے
درمختار وغیرہ میں ہے المکروہ تحریما نسبتہ الی الحرام کنسبتہ الواجب الی الفرض
فیثبت بما یثبت بہ الواجب یعنی بظنی الثبوت و یاثم بارتکابہ کما یاثم بترک
الواجب یعنی مکروہ تحریمی کی نسبت حرام کی طرف ایسی ہے جیسے واجب کی نسبت فرض کیطرف
پس مکروہ تحریمی اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے جس سے واجب ثابت ہوتا ہے اور جسطرح
واجب کا تارک گنہگار ہوتا ہے اسی طرح مکروہ تحریمی کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے پھر یہ کونسی
شرع میں جائز ہے کہ کسی مسلمان کو برا کام سکھاؤ گناہ کرنا بتاؤ جو کام شرعاً ممنوع و گناہ ہو
اس کے کرنے کا ڈھنگ و طریقہ سکھاؤ قرآن عظیم تو صاف ارشاد فرما رہا ہے۔
تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور تھانوی صاحب
گناہ میں ان کی اعانت و مدد کریں انہیں لکھنا سکھائیں خط و کتابت کا ڈھنگ و طریقہ بتائیں
کتابیں تصنیف کر کر دیں گنہگار کریں اور خود الگ رہیں۔ نہیں نہیں خود بھی الگ نہیں رہ سکتے
بلکہ جتنی عورتوں نے اب تک اس کتاب سے لکھنا سیکھا ہوگا اس سے خط و کتابت کا
ڈھنگ و طریقہ یاد کیا ہوگا ان سب کی مثل تھانوی صاحب گنہگار اعانت علی المعصیۃ کے
وبال اور لوگوں کو برے کام کی طرف بلانے کے نکال میں گرفتار ہونگے حدیث میں ہے
من سن سنۃ سیئۃ فعمل بہا کان علیہ وزرہا و وزر من عمل بہا لا ینقص
من اوزارہم شیئا جو شخص کوئی بری بات برا طریقہ نکال کر عمل کرے گا اس پر اسکا اور جتنے
اس طریقہ پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی
دوسری حدیث میں ہے ایما داع الی ضلالۃ فاتبع فان لہ مثل اوزار من اتبعہ
ولا ینقص من اوزارہم شیئا رواہما ابن ماجۃ عن سند ابن جریر و
انس ابن مالک رضی اللہ تعالی عنہما یعنی جو لوگوں کو برائی و گمراہی کی طرف بلائیگا
اور لوگ اس طرف اس کے بلانے سے جائیں گے ان سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا۔

اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی العیاذ باللہ العزیز الغفار

بہشتی زیور۔ اللہ و رسول نے دین کی سب باتیں قرآن و حدیث میں بندوں کو بتا دیں اب کوئی نئی بات دین میں نکالنا درست نہیں ایسی نئی بات کو بدعت کہتے ہیں بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔

اصلاح ہر نئی بات کو جو دین میں نکالی گئی ہو بدعت کہنا درست مگر گناہ کبیرہ بتانا محض غلط و خلاف تصریحات علمائے سلف و خلف ہے بلکہ اس معنی کر تو صحابہ کرام سے لیکر آج تک بہت سے ائمہ کرام و علمائے عظام معاذ اللہ بدعتی گنہگار رہینگے بلکہ خود تھانوی صاحب کو بھی اس سے مفر نہ ہوگا کہ بہت سی دینی باتیں ایسی ہیں جن کا نہ قرآن میں وجود نہ احادیث میں پتہ صرف بزرگان دین بلکہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے انہیں نکالا اور ان سے دین کو ترقی و تقویت اور بندگان خدا کو آسانی و راحت ہوئی اور ہو رہی ہے اور ہوگی جیسے تعلیم و تعلم علم صرف و نحو جس کے بغیر قرآن و حدیث کا سمجھنا اور صحیح پڑھنا اسکی تراکیب اور حکم و نکات و لطائف و اشارات پر واقف ہونا سخت دشوار تھا اور قرآن عظیم میں اعراب لگانا جابجا وقف و وصل بنانا کہ بغیر ان کے عوام کو کلام الٰہی کا صحیح پڑھنا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا اور قرآن عظیم میں اسمائے سور لکھنا شمار آیات کرنا سونے و چاندی وغیرہ کے پانی سے منقش و مزین کرنا اور تصنیف کتب حدیث و فقہ وغیرہ و تدوین مسائل کہ اگر فقہا و محدثین کتابیں تصنیف نہ فرماتے تو یہ علوم آج دنیا میں کہاں سے آتے اور تدوین علم کلام و مباحثہ و مناظرہ کہ اگر اہل حق تدوین علوم مذکورہ نہ فرماتے بد مذہبوں کو جواب نہ دیتے اسلام پر دفع اعتراضات نہ کرتے علمائے دین آریوں پادریوں رافضیوں خارجیوں وہابیوں نیچریوں قادیانیوں وغیرہ بد مذہبوں کے رد میں کتابیں تصنیف نہ کرتے اُن کے مکائد و عقائد کا رد نہ کرتے تو لاکھوں بندگان خدا ان کے پھندے میں پھنس کر انھیں جیسے گمراہ بیدین کفار و مشرکین ہو جاتے اور جیسے سرائیں مسافر خانہ پل مدارس خانقاہیں طلبہ و مسافرین کے لیے بنانا راستوں میں سبیلیں لگانا جلسہ وعظ مقرر کرنا لوگوں کو اس کے واسطے جمع کرنا اس کے لیے دن تاریخ وقت مقرر کرنا اذان ثانی جمعہ کہنا اہتمام جماعت

تراویح کرنا مساجد کو مزین کرنا ان میں نقش و نگار کرنا وغیرہ باتیں کہ جن کا کہیں قرآن و حدیث میں پتہ و نشان نہیں بقول تھانوی صاحب بدعت و گناہ اور انکے موجد بدعتی گنہگار تو تھانوی صاحب کی تصنیف و تالیف و تعلیم و تعلّم و وعظ کے واسطے دن تاریخ وقت کا تعین وغیرہ باتیں بدعت و ضلالت اور خود بدعتی گمراہ گنہگار مستحق عذاب نار ہے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں حتی کہ خود بھی صید ہوا آشیانہ میں

تو معلوم ہوا کہ ہر نئی بات جو دین میں نکالی گئی ہو بدعت و گناہ نہیں بلکہ وہ نئی بات دین میں نکالی ہوئی بدعت و گناہ ہے جو مخالف و معارض شرع ہو کسی قاعدہ شرعی کے تحت میں داخل نہ ہو شرع نے جسے برا کہا ہو لوگ اسے اچھا جانیں یا شرع نے جسے اچھا بتایا ہو لوگ اُسے برا جانیں ایسی بات کا ایجاد یقیناً بدعت و ضلالت ہے اور اسی کو حدیث میں بدعت و ضلالت و گناہ فرمایا گیا ہے اور اسی کا موجد بدعتی گمراہ گنہگار مستحق عذاب نار ہوگا۔ بلکہ جو لوگ اس کے اس نئی نکالی ہوئی بات و طریقے پر عمل کریں گے وہ سب گنہگار ہوں گے۔ اور ان سب کی برابر وہ گنہگار ہوگا اور اس کی اس نئی نکالی ہوئی بات و طریقے کو بدعت سیئہ کہا جائے گا حدیث میں ہے من سن سنة سيئة فعمل بها كان عليه وزرها و وزر من عمل بها لا ينقص من اوزارهم شيئا رواه ابن ماجة جس نے دین میں کوئی بری بات برا طریقہ نکالا اور اس پر عمل کیا اس کا گناہ اس پر ہوگا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ اس پر ہوگا اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اور جو نئی نکالی ہوئی بات و طریقہ مخالف و معارض شرع نہ ہو شرع کے کسی نہ کسی قاعدے کے تحت میں داخل ہو مصالحہ و بنیہ پر مشتمل ہو وہ ہرگز ہرگز بدعت و گمراہی ناجائز و گناہ نہیں اور نہ اس کا نکالنے والا بدعتی و گنہگار ہوتا ہے۔ بلکہ وہ بات بدعت حسنہ و طریقہ احسنہ کہلاتی ہے اس کا نکالنے والا ایجاد کرنیوالا مستحق ثواب ہوتا ہے بلکہ جتنے لوگ اس کی اس نکالی ہوئی بات و طریقہ پر عمل کرتے ہیں وہ سب ماجور ہوتے ہیں اور ان سب کی برابر اسکے موجد کو اجر ملتا ہے جیسے کہ مذکورہ بالا باتیں حدیث میں ہے من سن سنة حسنة فعمل بها كان له اجرها و اجر من عمل بها لا ينقص من اجورهم شيئا رواه ابن ماجة عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی جس نے دین میں نیک بات اچھا طریقہ

نکالا اور اس پر عمل کیا اسے اس کا ثواب اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان سب کا ثواب اسے ملے گا اور ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی امام عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں ان کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی بدعۃ حسنۃ وان کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی بدعۃ قبیحۃ اگر بدعت مستحسن فی الشرع کے تحت میں داخل ہو تو بدعت حسنہ ہے اور اگر مستقبح فی الشرع کے تحت میں ہو تو بدعت قبیحہ ہے اور یہی بدعت اقسام پنجگانہ واجب مستحب مباح مکروہ حرام کی طرف منقسم ہوتی ہے امام عزالدین ابن عبدالسلام سیرت شامی میں تحریر فرماتے ہیں تعرض البدعۃ علی القواعد الشرعیۃ فاذا دخل فی الایجاب فھی واجبۃ او فی قواعد التحریم فھی محرمۃ او المندوب فمندوبۃ او المکروہ فمکروھۃ او المباح فمباحۃ بدعت قواعد شرعیہ پر پیش کیجائیگی پس اگر وہ واجب شرعی کے تحت میں ہوگی بدعت واجبہ ہوگی اور اگر قواعد حرام کے تحت ہوگی، حرام ہوگی۔ اور جو مندوب کے تحت ہوگی، مندوب ہوگی۔ اور جو مکروہ کے تحت میں ہو، مکروہ ہوگی۔ اور اگر مباح کے تحت میں ہوگی مباح ہوگی شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ مشکوۃ میں فرماتے ہیں بدانکہ ہر چیز پیدا شود بعد پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدعت است وانچہ موافق اصول وقواعد سنت است وقیاس کردہ شدہ است بر آں آنرا بدعت حسنہ گویند وانچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالہ خوانند کلیہ کل بدعۃ ضلالۃ محمول بر این است وبعض بدعتہا ست کہ واجب ست چنانکہ تعلیم وتعلم صرف ونحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث کردد وحفظ غرائب کتاب وسنت ودیگر چیزہا کہ حفظ دین وملت بداں موقوف بود وبعض مستحسن ومستحب مثل بنا رباطہا ومدرسہا

وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض وبعض مباح
مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ ولباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال
باشند وباعث طغیانی وتکبر ومفاخرت نشوند ومباحات دیگر کہ در زمان
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبود چنانکہ بیری وغیرہ بال مانند
آں وبعض حرام چنانکہ مذاہب اہل بدع وہوا برخلاف اہلسنت وجماعت
وانچہ خلفائے راشدین کردہ باشند اگرچہ بآں معنے کہ در زمان آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبود بدعت ست لیکن از قسم بدعت حسنہ خواہد
بود بلکہ درحقیقت سنت است زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند
برشما لازم گیرید سنت مرا وسنت خلفائے راشدین را رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین انتہے یہ تعریف بدعت قابل یادداشت ہے کہ وہابیہ ہر جگہ یہ بات کو حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کے تحت میں داخل کرکے بدعت وناجائز کہہ دیتے ہیں اور عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔

بہشتی زیور کفر وشرک کی باتوں کا بیان اصلاح تھانوی صاحب نے جو اس باب میں کسی کی نذر ونیاز دینے کسی سے مدد مراد روزی اولاد مانگنے کسی کے نام پہ جانور ذبح کرنے کسی کو پکارنے کسی کو نافع وضار وقاضی الحاجات سمجھنے کسی جگہ کا ادب وتعظیم کرنے عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے وغیرہ وغیرہ باتوں کو باتباع اسمٰعیل دہلوی شرک وکفر ٹھہرایا ہے بلکہ درحقیقت اسی کے اقوال کو مختصر کرکے لکھا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو بیشک کچھ گمان
گناہ ہیں اس خطاب کو ایمان والے ہی سنیں گے اور تعمیل حکم کریں گے بدگمانوں
کو اس سے کیا غرض مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایاکم
والظن فان الظن اکذب الحدیث رواہ البخاری ومسلم وغیرہ
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھکر
جھوٹی بات ہے سچ فرمایا عارف باللہ سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے انما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث بدگمانی خبیث
ہی دل سے پیدا ہوتی ہے نقلہ سیدی عبد الغنی نابلسی فی الشرح الطریقۃ
المحمدیۃ فتاوی رضویہ کی کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے آدمی حقیقۃً کسی بات
سے مشرک نہیں ہوتا جب تک کہ غیر خدا کو معبود یا مستقل بالذات
و واجب الوجود نہ جانے بعض نصوص میں بعض افعال پر اطلاق شرک تغلیظاً
یا تشبیہاً یا بارادہ مقارنیت باعتقاد منافی توحید احتمال ذلک من التاویلات
المعروفۃ بین العلماء وارد ہوا ہے جیسے کفر نہیں مگر ضروریات دین اگرچہ ایسی ہی
تاویلات سے بعض اعمال پر اطلاق کفر آیا ہے یہاں ہرگز علی الاطلاق
شرک وکفر مصطلح عقائد کہ آدمی کو اسلام سے خارج کریں
اور بے توبہ قطعاً مغفور نہ ہوں زنہار مراد نہیں کہ یہ عقیدہ اجماعیہ اہلسنت

(۱) صفحہ ۳۳ [illegible] حضور [illegible] اللہ [illegible] حاجت [illegible]

اس طرح [illegible] نزدیک [illegible] ثابت ہو جاتا [illegible]

کے خلاف ہے کہ شرک کفر ہے اور کفر مزیل اسلام اور اہل سنت کا اجماع ہے کہ مومن کسی کبیرہ کے سبب اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے ایسی جگہ نصوص کو علی الاطلاق کفر و شرک مصطلحہ پر حمل کرنا اشقیاء خوارج کا مذہب مطرود ہے اور شرک اصغر ٹھہرا کر پھر قطعاً مثل شرک حقیقی غیر مغفور ماننا وہابیہ نجدیہ کا خبط مردود و اللہ المستعان علی کل عنود شرح عقائد میں ہے الاشراک ھو اثبات الشریک فی الالوھیۃ بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدۃ الاوثان یعنی شرک کے معنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں غیر کو شریک جاننا یا غیر کو معبود و مستحق عبادت سمجھنا ہیں جیسا کہ بت پرستوں اور مجوس کا عقیدہ ہے متون عقائد میں ہے الکبیرۃ لا تخرج المومن من الایمان ولا تدخلہ فی الکفر گناہ کبیرہ مومن کو ایمان سے خارج اور کفر میں داخل نہیں کرتا ہے

مسئلہ کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی (۲۳) کو ہر وقت خبر رہتی ہے (کفر و شرک ہے) **اصلاح** ہاں ہاں بزرگان دین و اولیائے امت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا بجا ہے اسے شرک و کفر کہنا سراسر جہل و خطا ہے جس کا رد بارہا علمائے اہلسنت و جماعت نے کیا ہے علمائے کرام اپنی تصانیف میں تصریحیں فرمارہے ہیں کہ بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب و مقرب بندوں کو یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ جب وہ علائق بدنیہ سے جدا ہو کر اللہ عزوجل کے قریب ہو جاتے ہیں تو ان کے لیے کوئی پردہ حجاب نہیں رہتا ہے تمام عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اسے پاس کی چیز کی طرح دیکھتے ہیں اور تمام دنیا و مافیہا کا حال آسمانوں پر بیان کرتے ہیں تمام مشارق و مغارب میں جہاں چاہتے ہیں پھرتے ہیں ملا علی قاری مرقات میں اور علامہ مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں النفوس القدسیۃ اذا تجردت عن علائق

البدنیۃ اتصلت بالملاء الاعلی ولم یبق لہا حجاب فتری وتسمع الکل کالمشاہد پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہو جاتی ہیں تو ملائکہ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لیے کوئی پردہ حجاب باقی نہیں رہتا ہے وہ سب کچھ ایسا دیکھتے سنتے ہیں جیسے آنکھوں کے سامنے کی شئے ابریز شریف میں ہے العارف یجذب الی خیر الحق فیصیر عند اللہ فیتجلی لہ کل شئی عارف بندے حیز حق کی طرف کھنچکر اللہ عزوجل کے قریب ہو جاتے ہیں پس ان پر تمام اشیائے عالم روشن ہو جاتی ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی تذکرۃ الموتی ارواح اولیائے کرام قدست اسرارہم کی نسبت تحریر فرماتے ہیں ارواح ایشاں از زمین و آسمان و

بہشت ہر جا کہ خواہند میروند ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود ارواح

مومنین ہر جا کہ خواہند سیر کنند مراد از مومنین کاملین اند کہ محبوبان خدا و اولیاء اللہ کی شان تو ارفع و اعلی ہے اللہ تبارک وتعالی نے یہ قوت عام مومنین کی ارواح کو دے رکھی ہے کہ وہ دنیا بھر کے حال کی خبر رکھتی ہیں فرشتوں کا حال جانتی ہیں آسمانوں پر دنیا کا حال بیان کرتی ہیں جہاں چاہتی ہیں وہاں جاتی ہیں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ شرح الصدور میں فرماتے ہیں قال الحکیم الترمذی الارواح تجول فی البرزخ فتبصر احوال الدنیا واحوال الملئکۃ تتحدث فی السماء عن احوال الآدمیین ارواحیں عالم برزخ میں پھرتی ہیں اور دنیا بھر کے حالات دیکھتی اور فرشتوں کا حال مشاہدہ کرتی ہیں آسمانوں پر آدمیوں کا حال بیان کرتی ہیں امام قسطلانی مواہب اور علامہ زرقانی شرح میں اور امام ابن الحاج مدخل میں تقریرا فرماتے ہیں من انتقل الی عالم البرزخ من المومنین یعلم احوال الاحیاء غالبا وقد وقع کثیر من ذلک کما ھو مسطور فی مظنۃ ذلک

ارواح مومنین کاملین [illegible] زمین و آسمان [illegible] جہاں چاہیں [illegible] اور اولیاء اللہ [illegible]

من الکتب یعنی جو مسلمان عالم برزخ میں ہیں وہ اکثر زندوں کا حال جانتے ہیں اور بہت بار ایسا واقع ہوا ہے جیسا کہ اپنی جگہ کتابوں میں لکھا ہے شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں بالجملہ کتاب و سنت مملوو مشحون اند باخبار و آثار کہ دلالت میکنند بر وجود علم موتی بدنیا و اہل آن پس منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبار و منکر دین جب ہمارے علمائے کرام یہ تصریحیں فرما رہے ہیں تو ہمیں بزرگان دین و اولیائے رب العالمین کی نسبت یہ عقیدہ رکھنا کہ انھیں ہمارے حال کی خبر رہتی ہے کیسے صحیح نہ ہوگا۔ اس سے انکار نہ کرے گا مگر جاہل اسے شرک و کفر نہ کہے گا مگر منکر بددین کما قال الشیخ یہ تو بعد وصال اولیائے کرام کے علم کا حال تھا انہیں تو زندگی ہی میں ہمارے حال بلکہ دنیا بھر کے حال کی خبر رہتی ہے اور جو کچھ اس میں ہوتا ہے انھیں معلوم رہتا ہے امام اجل سیدی نور الدین ابو الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہجۃ الاسرار شریف میں بسند خود روایت فرماتے ہیں کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ما تطلع الشمس حتی تسلم علی و تجی السنۃ الی و تسلم علی و تخبرنی بما یجری فیہا و یجی الشھر و یسلم علی و یخبرنی بما یجری فیہ و یجی الاسبوع و یسلم علی و یخبرنی بما یجری فیہ و یجی الیوم و یسلم علی و یخبرنی بما یجری فیہ و عزۃ ربی ان السعداء و الاشقیاء لیعرضون علی عینی فی اللوح المحفوظ انا غائص فی بحار علم اللہ و مشاھدتہ آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک مجھے سلام نہ کرے اور نیا سال جب شروع ہوتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے اور نیا مہینہ جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے اور نیا ہفتہ جب آتا مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے اور نیا دن جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم کہ تمام نیک و بد میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں میری

آنکھیں لوحِ محفوظ پر لگی ہیں یعنی لوحِ محفوظ میرے پیشِ نظر ہے میں اللہ عزوجل کے
علم و مشاہدہ کے دریاؤں میں غوطہ زن ہوں اور لوحِ محفوظ میں تمام دنیا
وما فیہا کا حال لکھے ہونے پر چھوٹی بڑی چیز تحریر ہونے پر قرآنِ عظیم ناطق
تو پھر جس کے روبرو لوحِ محفوظ ہو جو اللہ تعالیٰ کے علم و مشاہدہ کے دریاؤں میں
غوطہ زن ہو جس کو ہر سال ہر مہینہ ہر ہفتہ ہر دن آکر خبر دے جو کچھ کہ اس میں
ہونے والا ہے تو پھر بھلے سب حال کی اسے ہر وقت خبر رہنے میں کیا
شک و شبہہ ہے وہابیہ کا اس سے انکار کرنا محض ہٹ دھرمی اور اولیائے
کرام سے کھلا عناد و دشمنی ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مسئلہ کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی (شرک و کفر ہے)

اصلاح اس قدر اجمال کی کیا ضرورت تھی صاف صاف کیوں نہ لکھ دیا کہ اولیاء
کرام کو پکارنا یا علی یا شیخ عبد القادر کہنا یا رسول اللہ کہہ کر حضور کو ندا کرنا
کفر و شرک ہے جیسا کہ اور وہابیہ نے کھلے لفظوں میں لکھا ہے اور علمائے اہلسنت
وجماعت نے ان کا رد کیا کہ اولیائے کرام کو پکارنا یا رسول اللہ یا علی یا شیخ
یا عبد القادر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم) کہنا شرک و کفر تو در کنار حرام و گناہ بھی
نہیں بے شبہہ و شک جائز ہے احادیث و اقوالِ علمائے کرام سے اس کا جواز
ثابت ہے۔ حضورِ اقدس سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں
اذا اضل احدکم شیئا واراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل
یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عبادا لا یراھم
رواہ الطبرانی عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب
تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور ارادہ مدد چاہنے کا کرے اور ایسی جگہ ہو جہاں
کوئی ہمدرد و مددگار نہ ہو تو یوں پکارے یوں ندا کرے اے اللہ کے بندو میری
مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو کہ اللہ
کے کچھ بندے ہیں جنھیں وہ نہیں دیکھتا ہے وہ اس کی مدد کریں گے

یا عباد اللہ اعینونی

دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب کسی کا کوئی جانور جنگل میں چھٹ جائے تو یوں پکارے یوں ندا کرے یا عباد اللہ حبسوا اے اللہ کے بندو روک دو اللہ کے بندے اسے روک دیں گے رواہ ابن السنی عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھو خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو پکارنا تعلیم فرماتے ہیں اور اسے خبر ہونا بتاتے ہیں مگر وہابیہ کے نزدیک وہ کفر و شرک ہے سید جمال مکی قدس سرہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں سئلت عن من یقول فی الشدائد یا رسول اللہ او یا علی او یا شیخ عبد القادر مثلا هل ہو جائز شرعا ام لا فاجبت نعم الاستعانت بالاولیاء وندائهم والتوسل بهم امر مشروع وشئ مرغوب لاینکرہ الا مکابر او معاند وقد حرم برکۃ الاولیاء الکرام الخ مجھ سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو سختیوں کے وقت یا رسول اللہ یا علی یا شیخ عبد القادر مثلاً کہتا ہے کیا یوں کہنا اور انہیں اس طرح پکارنا شرعا جائز ہے یا نہیں میں نے جواب دیا ہاں اولیاء سے مدد مانگنا انھیں پکارنا ان کا توسل کرنا شرعاً جائز اور پسندیدہ چیز ہے اس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا ناانصاف دشمن اور بیشک وہ برکت اولیائے کرام سے محروم - امام شیخ شہاب رملی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے میں ہے سئل عما یقع من العامۃ من قولهم عند الشدائد یا شیخ فلان ونحو ذلک من الاستغاثۃ بالانبیاء والمرسلین والصالحین وهل للمشائخ اغاثۃ بعد موتهم ام لا فاجاب ان الاستغاثۃ بالانبیاء والمرسلین والاولیاء والعلماء الصالحین جائزۃ وللانبیاء والمرسلین والاولیاء والصالحین اغاثۃ بعد موتهم الخ یعنی شیخ مذکور سے اس بارے میں سوال ہوا کہ عوام جو سختیوں کے وقت یا شیخ فلاں کہتے اور بزرگوں کو پکارتے اور انبیاء و مرسلین و عباد اللہ الصالحین سے فریاد کرتے ہیں شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اولیائے کرام بعد

وفات بھی مدد کرتے ہیں یا نہیں فرمایا بیشک انبیاء ومرسلین اور اولیاء وعلمائے صالحین
سے ان کے وصال کے بعد بھی مدد چاہنا فریاد کرنا جائز ہے اور وہ بعد انتقال
بھی مدد کرتے ہیں علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی خیریہ میں فرماتے
ہیں قولہم یا شیخ عبد القادر نداء فما الموجب لحرمتہ لوگوں کا یا شیخ
عبد القادر کہنا ایک ندا ہے پھر اس کی حرمت کا سبب کیا ہے الانتباہ فی سلاسل
اولیاء اللہ سے ظاہر کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے اساتذہ ومشایخ طریقت
ہمیشہ اپنے مریدوں ومستفیدوں کو جواہر خمسہ اور دعائے سیفی کی اجازتیں دیتے
جس میں ناد علی مذکور اور اس کی ترکیب اس طرح مسطور ناد علی ہفت بار یا
سہ بار یا یک بار بخواند وآں اینست نادِ علیاً مظہر العجائب ؞ تجدہ عوناً لک
فی النوائب ؞ کل ہم وغم سینجلی ؞ بولایتک یا علی یا علی یا علی ؞ مولا علی
کرم اللہ وجہہ کو پکار کہ وہ مظہر العجائب ہیں تو انھیں مصیبتوں میں اپنا مددگار پائیگا حضور
کی ولایت سے سب پریشانی وغم دور ہو جائے گا۔ یا علی یا علی یا علی تھانوی صاحب وغیرہ
وہابیہ کے نزدیک تو کسی کو دور سے پکارنا شرک وکفر جلی ہے۔ مگر ان شاہ صاحب
نے ان کی بیخکنی کی ہے ناد علی کی پکار سے اس پہ بجلی گرتی ہے۔ حضور سیدنا غوث
اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں من نادبا سمی فی شدۃ فرجت عنہ
جو کسی سختی کے وقت مجھے پکارے گا یا شیخ عبد القادر کہکر مجھے ندا کرے گا
وہ سختی دور ہوگی میں سختی دور کروں گا کما فی بہجۃ الاسرار سیدی محمد غمری
کے ایک مرید کا بازار جاتے میں پاؤں پھسلا تو انھوں نے یا سیدی محمد یا غمری
کہہ کر اپنے شیخ کو پکارا ادھر ابن عمرؒ کو بحکم حاکم قید خانہ لیے جاتے تھے
انھوں نے یہ صدا سنکر پوچھا سیدی محمد کون ہیں۔ کہا میرے شیخ ہیں پس
ابن عمرؒ نے بھی یا سیدی محمد یا غمری لاحظنی کہا یہ کہنا تھا کہ سیدی
محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ابن عمرؒ کی مدد فرمائی بادشاہ
اور اس کے لشکر کی جان پر بنی مجبوراً خلعت دے کر چھوڑنا پڑا۔

سیدی موسیٰ ابو عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں ہے کان اذا ناداہ مریدہ اجابہ من مسیرۃ سنۃ واکثر جب ان کا کوئی مرید انھیں پکارتا تو وہ اُسے جواب دیتے اُس کی مدد کرتے اگرچہ سال بھر یا اس سے زیادہ کی راہ پر ہوتا کما فی بہجۃ الاسرار۔ سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں اپنے مریدوں کی پریشانیاں دور کرنے والا ہوں جب زمانہ ان پر تعدی کرے اور اگر تو تنگی و تکلیف و وحشت میں ہو تو نادیہ یا زروق آت بسرعۃ یا زروق کہکر مجھے پکاریں فوراً آموجود ہونگا کما فی بستان المحدثین علامہ شامی منحیہ رد المحتار میں لکھتے ہیں کہ جس کی چیز گم ہو جائے وہ بلندی پر جاکر سیدی احمد ابن علوان کے لیے فاتحہ پڑھے پھر انہیں ندا کرے یا سیدی احمد یا ابن علوان ایک صاحب کے قتل کا جب ایک چور نے ارادہ کیا انھوں نے سیدی شمس الدین محمد حنفی کو پکارا یا سیدی محمد یا حنفی کہکر ندا کی فوراً چور کے سینہ پر ایک کھڑاون آکر لگی جس سے وہ غش کھاکر گرا اور ان صاحب کو نجات ملی۔ انھیں سیدی محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بی بی بیماری سے قریب المرگ ہوئیں تو یا سیدی احمد بدوی خاطرک معی کہا کرتیں خواب میں سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے آکر فرمایا کہ تو ایک بڑے ولی اپنے شوہر کی حمایت میں ہے اور جو کسی بڑے ولی اللہ کی درگاہ میں ہوتا ہے ہم اسے جواب نہیں دیتے ہیں تو سیدی محمد حنفی اپنے شوہر کو پکار وہ تجھے عافیت بخشیں گے بی بی صاحبہ نے انہیں پکارا اور یا سیدی محمد یا حنفی کہکر ندا کی صبح اچھی خاصی تندرست اٹھیں جنگل میں سیدی مدین ابن احمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایک مرید کی لڑکی کو ایک بدوضع نے گھیرا لڑکی کو اپنے باپ کے مرشد کا نام یاد نہ تھا لہذا یوں کہکر ندا کی یا شیخ ابی لاحظنی یہ کہتے ہی غیب سے ایک کھڑاون اس بدوضع کے آکر لگی اور لڑکی کو اس سے نجات ملی کما فی بہجۃ الاسرار غرضکہ اولیائے کرام اقدست اسرارہم کی ندائیں اور پکار ہر زمانہ و ہر عصر میں شائع و ذائع رہیں اور قیامت تک رہیں گی و ہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ فی الدنیا والآخرۃ کے مٹائے نہ مٹیں گی

خواہ وہ اُسے حرام بتائیں یا شرک و کفر بنائیں۔ پھر یہ تو محبوبانِ خدا غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم کا حال ہے حضور کی شان تو تمام خاصانِ خدا سے ارفع و اعلیٰ بلند و بالا ہے جب ان کی ندا و پکار جائز ہوئی تو حضور کی ندا و پکار بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہمیں اپنی ندا اور پکار تعلیم فرمائی اور وہی صحابہ کرام نے ہمیں سکھائی امام ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و حاکم وغیرہ اکابر محدثین حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز یوں کہے اللھم اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتَقْضِیَ لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ الٰہی میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی الرحمۃ کے یا رسول اللہ میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف اپنی فلاں حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما طبرانی کی روایت میں یوں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لیے حضرت عثمٰن غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا وہ اس کی طرف توجہ نہ کرتے نہ اس کی حاجت روا فرماتے اس نے عثمٰن ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی انھوں نے دعائے مذکور اسے بتا کر کہا کہ اسے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر پڑھ اور اپنی حاجت ذکر کر ان صاحب نے یوہیں کیا اور آستانۂ خلافت پر حاضر ہوئے دربان آیا۔ اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا انھوں نے اپنے پاس مسند پر بٹھا لیا مطلب پوچھا عرض کیا فوراً روا فرمایا پھر ارشاد فرمایا تم نے اتنے دنوں میں ہم سے اپنا مطلب نہ کہا اب جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہم سے آکر کہا کرو امام بخاری ادب میں اور امام ابن السنی عمل الیوم واللیلہ میں راوی کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں سو گیا تو ان سے کہا گیا آپ کے نزدیک جو محبوب تر ہو اسے یاد

فرمایئے پس انہوں نے حضور کو یاد فرمایا یا محمداہ کا نعرہ لگایا پاؤں اچھا ہوگیا امام نووی نے کتاب الاذکار میں یوں ہی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ان کا پاؤں سوگیا تو انھوں نے یا محمداہ کہا اچھا ہوگیا اسی طرح اور حضرات سے بھی مروی ہوا اہل مدینہ نے قدیم سے حضور کو ندا کرنے یا محمداہ کہنے کی عادت کر رکھی ہے علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں ھذا مما تعاھدہ اھل المدینہ **تنبیہ** مسلمانو احادیث مذکورہ میں اولاً تو خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی ندا و پکار تعلیم فرمانا پھر عثمٰن ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی کا وہی دعا وہی حضور کی ندا ایک حاجت مند کو بتانا کہ وہ بھی کوئی صحابی یا کم از کم کوئی بڑے تابعی تو ضرور ہوں گے پھر حضرت عبداللہ ابن عباس جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو جانے کے وقت [illegible] حضور کو ندا کرنا اہل مدینہ کا یا محمداہ یا رسول اللہ کہنے کی عادت [illegible] بڑے بڑے صحابہ کرام و تابعین عظام و تبع تابعین وعلمائے دین و عامہ مومنین [illegible] [illegible] شرک اور رد [illegible] میں جائز اور [illegible] چاہیئے کہ تشہد میں سے بھی یا ایہا النبی نکال ڈالیں نحوذ باللہ شرک نہ بنا کریں کہ وہ بھی [illegible] ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی

مسئلہ کسی کو نفع نقصان کا [illegible] سمجھنا کسی سے مرادیں مانگنا رزق اولاد مانگنا شرک و کفر ہے) **اصلاح** حقیقۃً تو نفع نقصان پہنچانے والا مرادیں دینے والا حاجتیں روا فرمانے والا روزی اولاد دینے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے اور یہی ہر مسلمان جاہل سے جاہل کا عقیدہ ہے مگر اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے محبوب و مقرب بندوں اولیائے کرام و انبیائے عظام خصوصاً سید انام علیہ و علیہم الصلاۃ والسلام کو نفع نقصان پہنچانے مخلوق کی حاجتیں روا فرمانے مرادیں برلانے مشکلیں آسان کرنے مصیبتوں میں لوگوں کی مدد و اعانت کرنے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے انہیں نفع نقصان کا مالک و مختار بنا رکھا ہے اسی لئے تو

زندگی میں بھی اور بعد وصال بھی لوگوں کو نفع پہنچتا ہے دینی و دنیوی امور میں تصرفات سرزد ہوتے ہیں اور لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے حاجتیں طلب کرتے ہیں مشکلوں اور مصیبتوں میں انھیں پکارتے یاد کرتے ہیں ان سے مدد و اعانت چاہتے اور فریاد کرتے ہیں ان کا توسل ڈھونڈھتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ و ذریعہ قضائے حاجات بناتے ہیں کما قال تعالیٰ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ کما فی ایۃ جاؤک مگر یہ کہ انھیں ان امور میں متصرف حقیقی سمجھکر ایسا کرتے ہیں اور یہ ہرگز ہرگز شرک نہیں شرک تو درکنار حرام و گناہ بھی نہیں بے شبہہ و شک جائز و روا ہے جیسے علمائے اہلسنت نے اپنی تصانیف میں احادیث کریمہ و اقوال ائمہ سے بخوبی ثابت کر دیا ہے، انہیں میں سے یہاں کچھ اخذ کر کے لکھا گیا ہے والتفصیل ہناک شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں

نیست شعری چہ میخواہند ایشاں باستمداد و امداد کہ ایں فرقہ منکر اند آنرا آنچہ ما می فہمیم ازاں اینست کہ داعی دعا کند خدا و توسل کند بروحانیت ایں بندہ مقرب یا ندا کند ایں بندہ مقرب را کہ بندہ خدا و ولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدا کہ بدہد مطلوب و مسئول مرا. اگر ایں معنی شرک باشد چنانکہ منکرین زعم می کنند باید کہ منع کردہ شود توسل و طلب دعا از دوستان خدا در حالت حیات نیز و ایں ممنوع نیست بلکہ مستحب و مستحسن ست باتفاق و شائع ست فی الدین امام

ابن الحاج مکی رحمۃ اللہ علیہ مدخل میں فرماتے ہیں ان کان المیت المزار ممن ترجی برکتہ فیتوسل الی اللہ تعالیٰ بہ و یبدا اولا بالتوسل الی اللہ تعالیٰ بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ ھو العمدۃ فی التوسل والاصل فی ھذا کلہ والمشرع لہ ثم یتوسل باھل تلک المقابر اعنی بالصالحین منھم فی قضاء حوائجہ و مغفرۃ ذنوبہ و یکثر التوسل بھم الی اللہ لانہ سبحنہ تعالیٰ اجتباھم و شرفھم و کرمھم فکما نفع بھم

فی الدنیا ففی الآخرۃ اکثر مما فمن اراد حاجتہ فلیذھب الیھم و
یتوسل بھم فانھم الواسطۃ بین اللہ تعالیٰ وخلقہ الخ یعنی اگر صاحب مزار
ان میں سے ہو جن سے برکت کی امید کی جاتی ہے تو پہلے نبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ بنائے کہ وہ عمدہ اور اصل ہیں۔
توسل میں اور اس کے مشروع وجائز کرنے والے ہیں پھر اس صاحب مزار اور
اس مقبرے کے نیک بندوں اور اولیاء اللہ کو اپنی حاجت روائی و بخشش گناہ
میں وسیلہ بنائے اور بکثرت انہیں اللہ کی جناب میں وسیلہ بنائے کہ اللہ تعالیٰ
نے انھیں چن لیا ہے اور انھیں شرف و بزرگی عطا فرمائی ہے تو جس طرح
ان سے دنیا میں نفع پہنچایا ہے آخرت میں اس سے زیادہ پہنچائے گا۔ پس
جس کو کوئی حاجت پیش آئے ان کی جناب میں حاضر ہو انھیں وسیلہ بنائے کہ
وہ اللہ اور خلق کے درمیان واسطہ ہیں سید محمد عبدری رحمۃ اللہ علیہ مدخل
میں فرماتے ہیں۔ جب کوئی مزاراتِ خاصانِ خدا پر حاضر ہو تو نہایت عاجزی
و بیچارگی اور ذلت و انکساری اور خشوع و خضوع سے ان کے حضور میں ٹھہرے
ویستغیث بھم ویطلب حوائجہ منھم ویجزم بالاجابۃ ببرکتھم
فانھم باب اللہ المفتوح وجرت سنۃ سبحانہ تعالیٰ فی قضاء
الحوائج علی ایدیھم وبسببھم اور ان سے فریاد کرے مدد مانگے
حاجتیں چاہے اور یقین کرے کہ ان کی برکت سے اجابت ہوگی مراد و حاجت بر آئیگی
کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کھلے دروازہ ہیں اور سنت الٰہی جاری ہے کہ ان کے ہاتھ
سے ان کے سبب سے حاجت روائی ہو۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تذکرۃ الموتیٰ
میں ارواح اولیائے کرام قدست اسرارہم کی نسبت لکھتے ہیں ارواح ایشاں از
زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ میخواہند میروند و دوستان و معتقداں را در دنیا
و آخرت مددگاری مے فرمایند و دشمناں را ہلاک می سازند مولانا شاہ عبدالعزیز
صاحب قدس سرہ اپنی تفسیر میں اولیائے کرام کے حال بعد وصال میں فرماتے ہیں

دریں حالت تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمیگردد و اویسیان تحصیل مطلب کمالات باطنی از آنہا می نمایند و ارباب حاجات و مطالب حل مشکلات خود از آنہا می طلبند و می یابند جناب مرزا مظہر جانجاناں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔ نسبت ما بجناب امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ میرسد و فقیر را نیاز سے خاص بآنجناب ثابت ست در وقت عارضہ جسمانی توجہ بآنحضرت واقع مے شود و سبب حصول شفا میگردد حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں من استغاث بی فی کربۃ کشفت عنہ ومن نادی باسمی فی شدۃ فرجت عنہ ومن توسل بی الی اللہ عزوجل فی حاجۃ قضیت لہ یعنی جو کسی تکلیف میں مجھ سے مدد چاہیگا وہ تکلیف دور ہو گی میں اسکی تکلیف دور کروں گا اور جو کسی سختی میں مجھے ندا کرے گا وہ سختی دور ہو گی میں اسکی سختی دور کرونگا اور جو اپنی کسی حاجت میں مجھے اللہ تعالی کی جناب میں وسیلہ بنائیگا وہ حاجت روا ہو گی۔ میں اس کی حاجت روا کرونگا کما فی بہجۃ الاسرار امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ میں فرماتے ہیں جمیع الائمۃ المجتہدین یشفعون فی اتباعہم ویلاحظونہم فی شدائدہم فی الدنیا والآخرۃ ویوم القیمۃ تمام ائمہ مجتہدین اپنے پیرووں کی شفاعت کرتے ہیں اور دنیا و برزخ و قیامت ہر جگہ کی سختیوں میں ان پر نگاہ رکھتے ہیں یہانتک کہ صراط سے پار ہو جائیں یہی امام موصوف لواقح الانوار میں فرماتے ہیں سیدی محمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرض موت فرماتے ہیں من کانت لہ حاجۃ فلیات الی قبری ویطلب حاجتہ اقضیہا یعنی جسے کوئی حاجت پیش آئے وہ میری قبر پہ اگر طلب کرے میں روا کروں گا۔ سیدی محمد ابن احمد فرغلی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں انا من المتصرفین فی قبورہم فمن کانت لہ حاجۃ فلیات الی قبالۃ وجہی ویذکرہا لی اقضیہا لہ میں ان میں سے ہوں جو اپنی قبروں میں تصرف فرماتے ہیں تو جسے کوئی حاجت

پیش آئے وہ میرے سامنے حاضر ہو کر اپنی حاجت بیان کرے میں روا کر دوں گا۔ مولانا
جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس میں فرماتے ہیں۔ مولوی معنوی قدس سرہ نے
وقت وصال فرمایا از رفتن من غمناک مشوید در حالیکہ باشید مرا یاد کنید تا من
شمارا مدد باشم در ہر حالیکہ باشم۔ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بستان المحدثین
میں سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے
تھے کہ میں اپنے مریدوں کی پریشانی دور کرنے والا ہوں جب زمانہ ان پر
تعدی کرے اور انھیں کوئی سختی و تکلیف پہنچے تو وہ مجھے پکاریں یا زروق کہیں
میں فوراً موجود ہوں گا اور ان کی مدد کروں گا **مسلمانو!** دیکھو اقوال مذکورہ
میں تمہارے ائمہ کرام تمہارے علمائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صاف صریح ارشاد
فرما رہے ہیں کہ تم اپنی مرادیں اپنی حاجتیں محبوبانِ خدا اولیاء اللہ قدست اسرارہم
سے مانگو انہیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ قضائے حاجات بناؤ وہ تمہاری
مدد کریں گے تمہاری حاجتیں روا فرمائیں گے تمہارے گناہ بخشوائیں گے
تمھیں نفع پہنچائیں گے نقصان سے بچائیں گے اور یقین جانو کہ انہیں کی برکت سے
تمھارے یہ سب کام روا ہونگے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کا طریقہ ہی یہ ہے کہ
اولیاء اللہ کے ہاتھوں اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کی حاجت روائی ہو
خلق کی کارروائی ہو بلکہ تمھارے اولیائے کرام ہی خود فرماتے ہیں کہ تم اپنی
سختیوں پریشانیوں میں ہمیں پکارو ہم سے کہو ہم تمہاری مدد کریں گے ہم تمھاری
سختیاں پریشانیاں دور کریں گے جب تمھیں کوئی حاجت پیش آئے تو تم ہمارے
حضور حاضر ہو کر بیان کرو ہم تمہاری مراد بر لائیں گے حاجت روا فرمائیں گے
جس میں کسی حاجت کی تخصیص نہیں روزی رزق اولاد وغیرہ دنیا بھر کی حاجتیں
مرادیں آگئیں اور سب ان کے قدرت و اختیار میں ہیں اگر یہ باتیں بعطائے الٰہی
انکے قدرت و اختیار میں نہ ہوتیں تو وہ کیسے تمہیں دینے کا وعدہ فرماتے کہ
جب تک انسان اپنے قبضہ و اختیار میں ایک شئے دیکھ نہ لے گا کبھی اسکے

دینے کا وعدہ نہ کرے گا اور یہ نہ کہے گا کہ تم ہمارے پاس آکر ہم سے یہ نتیجے مانگو ہم تمہیں دیں گے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان امور میں تصرفات کی قوت عطا فرمائی ہے انھیں نفع نقصان پہنچانیکا مختار کیا ہے اور ان سے یہ باتیں سرزد ہوتی ہیں دینی و دنیوی امور میں تصرفات صادر ہوتے ہیں۔

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم **بلکہ** یہ جو کچھ تمہارے ائمہ کرام و علمائے عظام نے تمھیں بتایا اور تعلیم فرمایا ہے بذات خود اپنی طرف سے نہیں فرمایا تمہارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم ہی کا ارشاد تم تک پہنچایا اور تمہیں سنایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما گئے ہیں کہ تم اپنی مرادیں اپنی حاجتیں اللہ کے محبوبوں اللہ کے مقرب بندوں اولیا کرام سے مانگو وہ تمہیں عطا فرمائیں گے ضرر سے بچائیں گے نفع پہنچائیں گے جیسا کہ ابھی پچھلے قول میں حدیث طبرانی و حدیث ابن السنی میں گزرا کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب تمہاری کوئی چیز گم ہو جائے یا کوئی جانور چھوٹ جائے اور تم ایسی جگہ ہو کہ جہاں تمہارا کوئی مددگار نہ ہو تو تم اللہ کے بندوں سے مدد چاہو انہیں پکار کر کہو یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ احبسوا اے اللہ کے بندو میری مدد کرو میری حاجت روا کرو میرے جانور کو روک دو اللہ کے بندے تمہاری مدد کریں گے حاجت روا فرمائیں گے جانور کو روک دیں گے تیسری حدیث میں فرماتے ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمۃ من امتی ترزقوا وتنجحوا تم لوگ میرے رحم دل امتیوں (اولیائے کرام) سے اپنی مرادیں مانگو اپنی حاجتیں طلب کرو تو رزق پاؤ گے مرادوں کو پہنچو گے رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوتھی حدیث میں ہے اطلبوا الخیر والحوائج من حسان الوجوہ تم اپنی حاجتیں مرادیں بھلائی خوش رو بندوں (اولیائے کرام) سے مانگو رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ عن غیرہ بغیر لفظہ پانچویں حدیث میں فرماتے ہیں (صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم) ان اللہ تعالیٰ عباداً اختصهم بحوائج الناس یفزع الیهم
فی حوائجهم اولئك الآمنون من عذاب اللہ رواہ الطبرانی فی
الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے
ہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے خلق کی حاجت روائی کے لیے خاص فرمادیا ہے لوگ
گھبرا کر اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں وہ عذاب
الٰہی سے مامون ہیں دیکھو احادیث مذکورہ میں صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے کچھ بندے خلق کی حاجت روا فرماتے مرادیں بر لانے کے لیے
خاص فرمائے ہیں لوگ ان کے سامنے حاجتیں پیش کرتے ان سے مرادیں مانگتے
مدد چاہتے ہیں وہ ان کی مدد کرتے حاجتیں روا فرماتے ہیں تم انھیں رحم دل خوش رو
بندوں سے اپنی حاجتیں طلب کرو مرادیں مانگو تمہاری حاجتیں مرادیں
ملیں گی روزی رزق اولاد وغیرہ جو مانگو گے پاؤ گے اور وہابیہ کے نزدیک
کسی سے روزی رزق اولاد وغیرہ مرادیں مانگنا کسی کو نفع نقصان کا مختار سمجھنا
مطلقاً شرک تو گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلق کو شرک کی تعلیم فرمانے
آئے تھے نہ توحید سکھانے العیاذ باللہ تعالیٰ یہاں بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ احادیث
میں ان بندوں سے حاجتیں طلب کرنے مدد چاہنے کو فرمایا گیا ہے جو زندہ اور
نظروں سے پوشیدہ ہیں نہ مُردوں سے یہ اُن کی محض جہالت و سفاہت ہے
کہ اولیائے کرام مرتے نہیں ہیں بلکہ دار فانی سے عالم جاودانی کیطرف انتقال فرماتے
ہیں اور عوام کی نظروں سے چھپ جاتے ہیں انکے لیے حیات و ممات یکساں ہے
جو تصرفات حیات میں ان پاک نفسوں سے سرزد ہوتے تھے وہی بعد وصال
بھی ان سے صادر ہوتے ہیں بلکہ بعد وصال ان کے تصرفات میں اور زیادتی
و ترقی ہو جاتی ہے جیسا کہ شیخ محقق وعلامہ مناوی وقاضی ثناء اللہ
وشاہ عبدالعزیز صاحب کے کلام سے اوپر ظاہر ہو چکا نیز شیخ موصوف شرح مشکوٰۃ
میں فرماتے ہیں۔ اولیائے خدا نقل کردہ شدند ازیں دار فانی بدار البقا زندہ اند

نزد پروردگار خود و مرزوق اند و خوشحال اند و مردم را ازاں شعور نیست علامہ علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں لا فرق لهم فی الحالین ولذا قیل اولیاء الله لا یموتون ولکن ینقلبون من دار الخ اولیائے اللہ کی حیات و ممات یکساں ہے کوئی فرق نہیں ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں ہیں ایک گھر سے دوسرے گھر چلے جاتے ہیں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے چند روایات صحیحہ معتبرہ شرح الصدور میں حیات اولیائے کرام کی نسبت نقل فرمائی ہیں جن کی نقل میں طوالت تھی صرف مواضع استشہاد پر اکتفا کی گئی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے ایک محبوب بندے نے ایک صاحب سے فرمایا اما علمت ان الاحباء احباء وان ماتوا وانما ینقلبون من دار الی دار کیا تم جانتے نہیں ہو اللہ کے پیارے بندے زندہ ہیں اگرچہ مرجائیں کہ ایک گھر سے دوسرے میں بلائے جاتے ہیں۔ دوسری میں یوں ہے کہ جب ایک ولی اللہ کو قبر میں اتارا اور سر زمین پر رکھا تو فرمایا کیا تم مجھے میرے ناز اٹھانے والے کے سامنے ذلیل کرتے ہو تعجباً ان سے عرض کیا موت کے بعد زندگی فرمایا بل انا حی وکل محب لله حی ولانصرنک بجاهی غدا میں مرا نہیں ہوں زندہ ہوں اور ہر اللہ کا پیارا زندہ رہتا ہے بیشک میں اپنے عزت و جاہت کے باعث کل تمہاری مدد کروں گا۔ علامہ نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں کرامت الاولیاء باقیۃ بعد موتهم ایضا ومن زعم خلاف ذلک فهو جاهل متعصب ولنا رسالۃ فی خصوص اثبات الکرامۃ بعد موت الولی یعنی اولیائے کرام کے تصرفات و کرامتیں بعد انتقال بھی باقی رہتی ہیں جو اسکے خلاف گمان کرے وہ جاہل ہٹ دھرم ہے ہم نے ایک رسالہ خاص اس امر کے ثبوت میں لکھا ہے۔ مولانا جمال مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوے میں فرماتے ہیں قال العلامۃ العینی وهو خاتم المحققین الحنفیۃ اذا کان مرجع الکرامات الی قدرۃ الله کما تقرر فلا فرق بین حیاتهم

وصمًا نهم الى ان قال ولا وليائه من الكرامات احياءً وامواتاً الى يوم القيمة جب ثابت ہو چکا کہ مرجع کرامات قدرت الٰہی کی طرف ہے تو اولیاء اللہ کی موت و زندگی میں کچھ فرق نہیں تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار ہیں اور حضور ہی کے معجزات میں سے وہ کرامتیں ہیں جو اولیاء اللہ سے حیات و بعد ممات ظاہر ہوتی ہیں اور قیامت تک ہونگی اسی میں امام شیخ الاسلام شہاب رملی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول معجزات الانبیاء وکرامات الاولیاء لاتنقطع بموتهم انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامات ان کے مرنے سے منقطع نہیں ہوتی ہیں ویسی ہی باقی رہتی ہیں شیخ محقق مولٰنا مولوی عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں یکی از مشائخ عظام گفتہ کہ دیدم چہار کس را از مشائخ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرف ہائے شان در حیات خود یا بیشتر ازاں شیخ معروف و عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما و دو کس دیگر را از اولیاء شمرد و مقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ است گفتہ شیخ معروف سے شیخ علی قریشی اور دو کس سے جن کے نام عبارت شیخ میں مذکور نہیں ہیں شیخ عقیل و حیوۃ ابن قیس حرانی قدست اسرارہم مراد ہیں کما فی بہجۃ الاسرار تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں۔ تصرف بعضی اولیاء در عالم برزخ دائم و باقی ست و توسل و استمداد بارواح مقدسہ ایشاں ثابت و مؤثر و امام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ گوید کہ ہر کہ در حیات وے بوے توسل و تبرک جویند بعد از موتش نیز تواں جست و اولیاء را ابدان مکتسبہ مثالیہ نیز بود کہ بداں ظہور نمایند و امداد و ارشاد طالبان کنند و منکر را دلیل و برہان بر انکار آں نیست یکی از مشائخ گفتہ الخ مثل عبارت منقولہ از شرح مشکوٰۃ شریفہ اس عبارت میں تو شیخ نے اولیائے کرام سے جلنے والوں انکے تصرف سے انکار کرنے والوں کے زخم جگر پر نمک مرچ چھڑکا کہ صاف لکھدیا اولیائے کرام کے لیے اجسام و ابدان مثالیہ بھی ہیں جن کے ساتھ

وہ ظاہر ہو کر یعنی بشکل انسان بنکر لوگوں کی مدد و اعانت کو آتے ہیں اور ہدایت طالبان کرتے ہیں اور منکروں کے پاس اس کے انکار پر کوئی دلیل نہیں ہے وللہ الحمد۔

مسئلہ کسی کے نام کا روزہ رکھنا (مشرک و کفر ہے)، **اصلاح** کوئی مسلمان کسی کے نام کا روزہ اسے معبود سمجھ کر علی وجہ العبادۃ تو رکھتا ہی نہیں ہے کہ شرک ہو اگر رکھتا ہے تو محض لغرض تقرب و ایصال ثواب رکھتا ہے یعنی اسے راضی و خوشنود کرنے اسے ثواب پہنچانے کے لیے رکھتا ہے اور یہ شرعاً جائز اور اہلسنت کا مذہب ہے اسکا جواز احادیث کریمہ و اقوال فقہیہ سے ثابت شرک تو کیا حرام بلکہ ممنوع و مکروہ بھی نہیں صراحۃً احادیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ماں باپ کے لیے نماز پڑھو اپنے روزہ کے ساتھ ماں باپ کے لیے روزہ رکھو ماں باپ کے لیے حج کروگے تو اس قدر ثواب پاؤ گے حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان من البر بعد الموت ان تصلی لہما مع صلاتک و ان تصوم لہما مع صیامک ان تصدق لہما مع صدقتک اپنی نماز کے ساتھ ماں باپ کے لیے نماز پڑھنا اپنے روزں کے ساتھ ماں باپ کے لیے روزہ رکھنا اپنے صدقہ کے ساتھ ماں باپ کیلیے صدقہ دینا نیکی و احسان ہے رواہ الدار قطنی وغیرہ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ان علی امی صوم شہرین افیجزی عن ان اصوم عنہا قال نعم الحدیث میری ماں پر دو مہینے کے روزے تھے اگر میں اسکی طرف سے رکھوں تو کیا کافی ہوگا فرمایا ہاں رواہ مسلم امام البخاری ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ جو روزے چھوڑ کر مر جائے اس کا ولی اس کی جانب سے روزہ رکھے اور یہ ظاہر کہ خالص عبادت بدنیہ میں نیابت جائز نہیں کوئی شخص کسی زندہ یا مردہ کے بدلے نماز نہیں پڑھ سکتا روزہ نہیں رکھ سکتا تو احادیث مذکورہ کے صاف صریح یہی معنی ہیں کہ تم اپنے ماں باپ

وغیرہ کے لیے نماز پڑھکر روزہ رکھکر اس کا ثواب ان کی ارواح کو پہنچاؤ اور یہ جائز کہ انھیں کے نام کی نماز پڑھو روزہ رکھو نماز پڑھتے روزہ رکھتے وقت انھیں کی نیت کرو مثلاً یوں کہو کہ یہ نماز فلاں کے لیے پڑھتا یہ روزہ فلاں کے لیے رکھتا ہوں اس کا ثواب اسے پہنچے یا اپنے لیے نماز پڑھو روزہ رکھو پھر اس کا ثواب انھیں بخشو دونوں طرح جائز تو پھر کونسی وجہ اس کے شرک ہونے کی ہے ملتقط وغیرہ عامہ کتب میں ہے وللانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره فی جمیع العبادات عند اهل السنة والجماعة یعنی اہلسنت وجماعت کے نزدیک انسان اپنی تمام عبادتوں کا ثواب غیر کو دے سکتا ہے درمختار میں ہے الاصل ان کل من اتی بعبادة ما له جعل ثوابها لغیره اصل یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ہر عبادت کا ثواب غیر کو دے سکتا ہے ردالمحتار میں تحت قوله بعبادة ما لیہا ہے ای سواء کان صلاة او صوما او صدقة او قراءة او ذکرا او طوافا او حجا او عمرة او غیر ذلک یعنی عبادت سے ہر عبادت مراد ہے نماز روزہ صدقہ قراءۃ ذکر طواف حج عمرہ اور غیر اس کے کہ ان سب کا ثواب غیر کو دینا جائز ہے۔ اسی میں دوسری جگہ ہے صرح علماؤنا بان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة او صوما او صدقة وغیرہ کذا فی الهدایة وفی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع وبهذا علم انه لا فرق بین ان یکون المجعول له میتا او حیا والظاهر انه لا فرق بین ان ینوی عند الفعل للغیر او یفعله لنفسه ثم بعد ذلک یجعل ثوابه لغیره لاطلاق کلامهم وانه لا فرق بین الفرض والنفل یعنی ہمارے علماء نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب غیر کو دے سکتا ہے خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ صدقہ ہو یا غیر ان کے ایسے ہی ہدایہ میں ہے اور بحر میں ہے جس نے نماز پڑھکر یا روزہ رکھکر یا صدقہ دے کر اس کا ثواب غیر کو مُردوں یا

زندوں میں سے دیا جائز ہے اور یہ ثواب اہلسنت والجماعت کے نزدیک انھیں پہنچتا ہے جیسا بدائع میں ہے اس سے جانا گیا کہ جسے ثواب بھیجا گیا ہے وہ زندہ ہو یا مردہ اسے ثواب پہنچتا ہے اور ظاہر ہے کہ عمل کے وقت غیر کی نیت کرے یا عمل اپنے لیے کرے پھر اس کا ثواب غیر کو دیدے اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور اور اس میں بھی فرق نہیں ہے کہ وہ عمل فرض ہو یا نفل سب کا ثواب غیر کو دیسکتا ہے صاحبو ذرا بنظر انصاف دیکھو کہ جب بہ نیت غیر روزہ رکھتے اور یوں کہتے ہیں (کہ فلاں کے لیے روزہ رکھتا ہوں اس کا ثواب اسے پہنچے) اور اپنے لیے روزہ رکھنے میں پھر اس کا ثواب غیر کو دینے میں کچھ فرق نہ ہوا دونوں صورتیں جائز ہوئیں تو پھر اول کو شرک کہنا اور دوسری کو جائز رکھنا ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے کہ پہلی صورت میں غیر کے نام کا روزہ ہو تو وہ تو شرک اور دوسری صورت میں اپنے نام کا ہوا تو جائز جب نامزد ہوتے ہی پر شرک ٹھہرا تو نام نام سب ایک سے اپنے نام کا ہو یا اور کسی کے نام کا دونوں شرک ہونا چاہئیں اور اگر یہ شرک نہیں تو وہ بھی نہیں پھر جب کسی کے نامزد ہونے ہی پر شرک ہوتا ہے تو جس طرح کسی کے نام کا روزہ رکھنا شرک ہے اسی طرح کسی کے نام کی نماز پڑھنا حج کرنا بھی شرک ہونا چاہیے صرف روزہ کی تخصیص کرنا اور نماز و حج کو ذکر نہ کرنا چہ معنی دارد اگر نماز و حج کسی کے نام کا جائز ہے تو روزہ بھی کسی کے نام کا جائز ہونا چاہیے کہ نماز روزہ حج تینوں حکم میں برابر اور عبادت خالص یا روزہ کی تخصیص اَلصَّوْمُ لِیْ کے باعث ہے جو غیر میں نہیں۔

مسئلہ کسی کو سجدہ کرنا شرک و کفر ہے) اصلاح سجدہ دو قسم ہے ایک سجدہ تعبدی یعنی اللہ عزوجل کے سوا کسی کو معبود سمجھکر عبادتاً سجدہ کرنا دوسرے سجدہ تحیۃ یعنی کسی کو بطور سلام سجدہ کرنا پس اگر یہاں سجدہ سے سجدہ تعبدی مراد ہے تو اس میں کلام نہیں مگر برائے رفع اشتباہ عبادت کی قید لگانا اور یوں کہنا کہ (کسی کو عبادۃً سجدہ کرنا شرک ہے) ضرور تھا مگر جب یہ منظور نہ ہوا اور دونوں قسم

کا سجدہ شرک میں داخل کرنا مقصود ہو اور اگر سجدہ تحیۃ مراد ہے تو وہ شرعاً شرک
نہیں اگر وہ شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ سیدنا آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ نہ کراتا
اور شیطان علیہ اللعن کو سجدہ نہ کرنے کے باعث مردود و ملعون نہ فرماتا کہ شرک
عند اللہ اقبح القبائح واکبر الکبائر و غیر مغفور ہے تو فرشتوں کو اسکی اجازت دینا اور اسکے
نہ کرنے والے کو مردود و ملعون کرنا غیر معقول نیز اگر وہ شرک ہوتا تو سیدنا یوسف
علیہ السلام کے بھائی آل نبی انھیں کیوں سجدہ کرتے کما قال وخروا لہ سجدہ
کہ شرک کسی وقت کسی نبی کی شرع میں جائز نہ تھا تو معلوم ہوا کہ آیات مذکورہ
میں سجدہ تحیۃ مراد ہے اور وہ شرک نہیں ہے شرائع سابقہ میں جائز تھا اور
زمانہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی ابتدائے اسلام تک جائز رہا پھر ناجائز
ہوا یہی اصح الاقوال ہے یہی اکثر کا قول ہے تفسیر غرائب القرآن میں ہے واصح
الاقوال ان السجود کان بمعنی وضع الجبہۃ ولکن لا عبادۃ بل تکرمۃ وتحیۃ کالسلام یعنی
صحیح تر قول یہ ہے کہ آیت میں سجدہ بمعنی پیشانی رکھنے کے ہے مگر عبادۃً نہیں
بلکہ اکرام وتحیۃ کے طور پر مثل سلام کرنے کے نہایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی
ہے والاکثر علی انہ کان مباحا الی عصر نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی اکثر علما
اسی پر ہیں کہ سجدہ تحیۃ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مباح تھا ردالمحتار
میں ہے اختلفوا فی سجود الملائکۃ قیل کان للہ تعالیٰ والتوجہ الی آدم تشریفا
کاستقبال الکعبۃ وقیل بل علی وجہ التحیۃ والاکرام ثم نسخ بقولہ علیہ السلام لو امرت احدا
ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا تاتارخانیہ قال فی تبیین المحارم والصحیح
الثانی ولم یکن عبادۃ لہ بل تحیۃ واکراما ولذا امتنع عنہ ابلیس وکان جائزا فیما مضی کما
فی قصۃ یوسف یعنی سجود ملائکہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ سجدہ اللہ کے
لیے تھا اور توجہ آدم کی طرف تشریفاً تھی مثل قبلہ کی طرف منہ کرنے کے اور بعض
نے کہا ہے کہ اکرام وتحیۃ کے طور پر تھا پھر حضور کے اس کہنے سے منسوخ ہوا کہ
اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو خاوند کے لیے

سجدہ کرنے کا حکم دیتا اور صحیح قول ثانی ہے کہ سجدہ عبادۃ نہ تھا بلکہ اکراماً و تحیۃ تھا اس لیے شیطان سجدہ کرنے سے باز رہا اور اس طرح سجدہ کرنا پہلے جائز تھا جیسا کہ قصہ یوسف میں ہے بالجملہ سجدۂ تحیۃ حرام و گناہ عظیم ہے نہ شرک و کفر اگر تھانوی صاحب اسے یہاں شرک کہیں گے جیسا کہ ان کے اطلاق اور نہ شرکیات میں سمجھے سے ظاہر ہے تو ان کے کلام حفظ الایمان میں تعارض واقع ہوگا جس کا اٹھانا مشکل پڑیگا اور لامحالہ یہاں سجدے کو مقید بعبادۃ ذکر کے سجدۂ تحیۃ کو خارج کرنا اور حرام کہنا پڑے گا جیسا کہ حفظ الایمان میں کہا ہے پس معلوم ہوا کہ سجدۂ تحیۃ ہماری شرع میں حرام ہے شرائع سابقہ کی حکایت جواز کے لیے حجت کافیہ نہ ہوگی اور یہی ہمارا مقصود ہے کہ سجدہ تحیۃ شرک نہیں حرام ہے اس کا مرتکب گنہگار ہوگا نہ مشرک و کافر ہندیہ میں ہے ومن سجد للسلطان علی وجہ التحیۃ او قبل الارض بین یدیہ لا یکفر ولکن یاثم لارتکابہ الکبیرۃ ھو المختار۔

خزانۃ الروایات میں ہے قال الفقیہ ابو جعفر من قبل الارض بین یدی سلطان او امیر او سجد لہ فان کان علی وجہ التحیۃ لا یکفر ولکن یکون اٰثما مرتکبا للکبیرۃ رد المحتار میں ہے قال الزیلعی وذکر الصدر الشہید انہ لا یکفر بھذا السجود لانہ یرید بہ التحیۃ یعنی جس نے کسی بادشاہ یا کسی امیر کو سجدہ کیا یا ان کے سامنے زمین چومی تو کافر نہ ہوگا کہ اس نے تحیۃ ایسا کیا مگر گنہگار ہوگا ہو المطلوب۔

مسئلہ کسی کے نام کا جانور چھوڑنا یا چڑھاوا چڑھانا شرک ہے)

اصلاح ہر فعل کا مدار نیت پر ہے انما الاعمال بالنیات ولکل امرء ما نویٰ پس اگر کوئی مسلمان کسی بزرگ یا اپنے ماں باپ کے نام کا جانور لے کر بہ نیت صدقہ و ایصال ثواب چھوڑ دے کہ جو چاہے لے یا کوئی کسی بزرگ کی نیاز یا اپنے ماں باپ وغیرہ کی فاتحہ کی نیت سے جانور لے کر چھوڑ دے کہ وہ پل بڑھ جائے فربہ اور موٹا ہو جائے تو اسے ذبح کرکے اس کا کھانا پکا کر ان بزرگ کی نیاز

یا ماں باپ وغیرہ کی فاتحہ کرے اُن کی روح کو ثواب پہنچائے یا صرف گوشت ہی ذبح کرکے فقیر اور مساکین کو تقسیم کر دے کہ اس کا ثواب انہیں پہنچے تو اس میں کوئی قباحت و بُرائی نہیں شرک و کفر تو درکنار عدم جواز کی بھی کوئی وجہ نہیں اور نہ وہ جانور کسی کے نام پہ چھوڑنے سے حرام ہوگا کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک ہر شخص اپنے ہر اعمال کا ثواب زندوں اور مردوں کو دے سکتا ہے اور وہ ثواب انہیں پہنچتا ہے جیسا کہ رد المحتار وغیرہ سے گزرا کما قال تعالیٰ ولا سائبۃ اللہ نے چھوڑے ہوئے جانور کو حرام نہیں کیا ہے در مختار میں مختارات سے ہے سیب دابتہ وقال ھے لمن اخذھا لم یاخذھا ممن اخذھا جس نے اپنا جانور چھوڑا صدقہ کیا اور کہدیا کہ جو چاہے اسے پکڑلے تو پھر وہ خود پکڑنے والے سے نہیں لے سکتا کہ وہ اس کی ملک ہو گیا مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ رسالہ نذر و ذبائح میں فرماتے ہیں اگر شخصے بزے را خانہ پرورکند تا گوشت او خوب شود او را ذبح کردہ و پختہ فاتحہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخورانند خللے نیست بلکہ خود امام الوہابیہ نے تقریر ذبح میں لکھدیا و ہمچنیں اگر گاؤ زندہ بنام سید احمد کبیر رابہ ہدیہ لطور ریکہ نقدمی دہند نیز رواست و گوشت آں حلال اسی میں ہے اگر ہمیں طور نذر برائے اولیائے گزشتگان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کنند رواست اسی میں مثل عبارت شاہ صاحب ہے اگر شخصے بزے را الخ

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے		جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے	

رہا چڑھاوا چڑھانا وہ عرف میں اتارا کے مقابل بولا جاتا ہے یعنی جو چیز ذلیلوں خبیثوں شیطانوں بھوت پلیدوں کے لیے مریض وغیرہ کی طرف سے چوراہے میں رکھتے ہیں اسے عرفاً اتارا کہتے ہیں اور جو چیز برائے نذر و نیاز مزارات طیبہ اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حضور لاتے ہیں اسے چڑھاوا کہتے ہیں جو اصل میں نذر ہی ہے دوسرے لفظ سے تعبیر کر دی گئی ہے اور نذر کے

لہ مگر اس سے شرک ثابت کرنا عقل کا فتور ہے ۱۲

جواز کا ثبوت ابھی آتا ہے۔

مسئلہ کسی کے نام کی منت ماننا شرک و کفر ہے۔ **اصلاح** حقیقت میں نذر و نیاز و چڑھاوا ہم معنی الفاظ ہیں مگر نذر شرعی اور عرفی میں فرق ہے کہ نذر شرعی ایجاب مالا یوجب تقرباً الی اللہ ہے یعنی اللہ کے لیے غیر واجب شئے کو اپنے ذمہ پر واجب کر لینا یہ دراصل اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر اللہ کے لیے اس کا کرنا حرام و باطل۔ اور نذر عرفی کوئی شئے کسی معزز کسی بزرگ کے روبرو پیش کرنا ہے یعنی اسے راضی و خوش کرنے اپنی طرف متوجہ و منعطف کرنے کے لیے کوئی شئے اس کے روبرو ہدیۃً یا عطیۃً یا تبرکاً پیش کرنا یا پیش کرنے کا وعدہ کرنا ہے تو مولانا شاہ رفیع الدین صاحب اپنے رسالے نذر و مزارات میں تحریر فرماتے ہیں لفظ نذر مشترک ست در نذر شرعی و نذر عرفی نذر شرعی ایجاب غیر واجب تقرباً الی اللہ ست و عرفی انچہ پیش بزرگان می برند و نیاز مے گویند کوئی عقلمند نذر عرفی کو نذر شرعی نہیں کہہ سکتا کہ کوئی مسلمان کسی معزز و بزرگ کے روبرو کوئی شے تقرباً و عبادۃً پیش نہیں کرتا ہے اور نہ کسی کے روبرو کوئی چیز پیش کرنے سے عبادۃ غیر اللہ مقصود ہوتی ہے جس طرح روزمرہ بولا جاتا ہے کہ حکیم صاحب کو نذر دی وکیل صاحب کو نذرانہ دو یا نواب صاحب راجہ صاحب وغیرہ کے روبرو نذر پیش کی فلاں شے انکی نذر کی حکیم صاحب آپ علاج غور سے کریں صحت پر میں اسقدر روپیہ آپ کی نذر کروں گا۔ وکیل صاحب آپ میرے مقدمہ میں دل سے کوشش و پیروی کریں جیتنے پر اس قدر روپیہ آپ کی نذر کروں گا سلاطین کو تخت نشینی یا سالگرہ پر وزرا امرا عمائد سلطنت جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ نذر کہلاتی ہے۔ گاؤں والے کاشتکار جو نئے زمیندار کے روبرو پیش کرتے ہیں اسے نذر بھینٹ کہتے ہیں اور نیاز کا لفظ تو عام طور سے بولا جاتا ہے میں آپ کا نیازمند ہوں مجھے آپ سے نیاز حاصل ہے مجھے ان سے نیاز حاصل نہیں۔ اسی طرح محبوبان خدا اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حضور جو چیز

پیش کی جاتی ہے۔ ان کے نام پر دی جاتی ہے صدقہ کی جاتی ہے اسے نیاز نذر منت کہتے ہیں اور ان کے مزاراتِ طیبہ کے حضور جو چیز پہنچائی جاتی ہے اسے چڑھاوا بولتے ہیں یہ تو وہابیہ کی محض ہٹ دھرمی اور صریح ناانصافی ہے کہ جو لفظ زید عمر بکر کے لیے بولیں وہ تو جائز اور جہاں اس میں کسی ولی اللہ کا نام لگا تو شرک وحرام ہوا بالجملہ نذر و نیاز منت و چڑھاوا اولیائے کرام قدست اسرارہم کا یقیناً بیشک جائز و روا ہے بلکہ خود امام وہابیہ اتنا تو جائز مان چکا ہے دیکھو وہ تقریر ذبائح میں لکھتا ہے اگر شخصے نذر کند کہ اگر فلاں حاجت من بر آید اینقدر نیاز حضرت سید احمد کبیر بکنم روا است و اگر ہمیں قدر گاؤ را نذر کند نیز روا ست چرا کہ مقصود ش گوشت ست دبس و ہمچنیں اگر گاؤ زندہ بنام سید احمد کبیر کسے را بطور ہدیہ بہ نقد دہند نیز روا است و گوشت آں حلال اسی میں ہے و اگر ہمیں طور نذر برائے اولیا گزشتگان کند روا است اینقدر فرق ست کہ بسبب انتقال از عالم دنیا بعالم برزخ منتفع بنقد و جنس و طعام نمے خواہند شد بلکہ ثواب بصرف آں اللہ تعالیٰ بارواح مطہرہ ایشاں می رسانند پس احوال ایشاں در حالت حیات و بعد ممات برابر ست۔ اسی میں ہے اگر نذر کنند کہ بر آمدن حاجت خود گاؤ دو سالہ فربہ نیاز حضرت غوث اعظم خواہم کرد پس حکم ایں مثل حکم طعام ست اگر نذر بطریق حسن ست ہیچ خللے نہ و اگر قبیح ست فعلش حرام ست و حیوان حلال اسی میں ہے اگر شخصے بزے را خانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود او را ذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث اعظمؓ خواندہ بخورانند خللے نیست۔ وہی اپنے ایک فتوے میں جو جواہر الایقان فی حفظ الایمان میں نقل کیا گیا ہے لکھتا ہے۔ کہ نذر اولیا بدو طریق ست حسن و قبیح اگر طریق حسن در دل باشد و از زبان لفظ نذر کند خللے در آں نیست صاحبو! اب تو ذرا شرماؤ اور گریباں میں منہ ڈال کر ایمان لاؤ کہ تمہارا امام تمہارا پیشوا اولیائے کرام کی نذر و نیاز و فاتحہ کو اگر بطریق حسن یعنی بغرض ایصال ثواب نہ تقرباً و عبادتاً لغیر اللہ ہو تو جائز و روا لکھتا ہے۔ اور کوئی خلل و برائی اس میں نہیں بتاتا ہے اور وہی لفظ نذر و نیاز و فاتحہ کا جو تمہیں

بجز اس معلوم ہوتا ہے اور جس پر تمہارے یہاں سے شرک و کفر کا فتویٰ لگتا ہے متعدد جگہ اپنی تقریر میں بول رہا ہے نہ اسے شرک کہتا ہے نہ حرام وہو المرام بلکہ نذر اولیائے کرام اللہ تعالیٰ ہی کی نذر ہوتی ہے انھیں تو صرف اس کا ثواب ہی پہنچانا مقصود ہوتا ہے تفسیر احمدی میں تحت آیہ وما اُہل بہ لغیر اللہ فقد تقرر ان النذر لغیر اللہ حرام ومنذر الاولیاء وما قیل بان النذر للہ وثواب لہم علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کشف النور میں فرماتے ہیں نذر الاولیاء[1] الدراہم والدنانیر للاولیاء یاخذ فقراء علی فقراءھم المجاورین جائز فی نفسہ لان النذر فیہ مجاز عن الحطیۃ کما قالوا فی الھبۃ للفقراء ھھنا عن فتہ و فی الصدقۃ علی الغنی ھھنا ھبۃ فالعبرۃ للمقاصد فی الشرع دون الالفاظ فان النذر انما ھو مخصوص باللہ تعالیٰ فاذا استعمل فی غیرہ کمن قال لرجل لک علی عشرۃ دراھم ان شفا مریضی ونحوہ ثم قال نذرت لفلان کذا کان معناہ اسم بذالک وھو مجاز عن الھبۃ ان کان ذالک الرجل غنیا وعن الصدقۃ ان کان فقیرا ان کیف عاقل بحرمۃ قول الانسان لولی من اولیاء بعد الموت ان شفاء اللہ

[1] یعنی روپیہ اشرفیاں اولیائے کرام کی نذر کرنا کہ فقراء اور مجاورین مزار کے خرچ میں آئیں جائز ہے کہ یہاں نذر سے مجازاً عطیہ مراد ہے جس طرح فقراء کو کچھ ہبہ کرنے سے صدقہ ہوتا ہے اور امراء کو صدقہ دینا ہبہ ہوتا ہے کہ شرعاً مقاصد کا اعتبار ہے نہ الفاظ کا کہ نذر اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور جب وہ غیر اللہ کیلئے کی گئی مثلاً کسی نے کسی سے کہا اگر میرے بیمار کو شفا ہوگی تو تجھے اتنا روپیہ دونگا پھر کہا کہ میں نے فلاں کے لیے اتنی نذر کی ہے تو اس سے وعدہ ہوا پس اگر وہ شخص غنی ہے تو یہ مجاز عن الھبۃ ہوگا اور اگر فقیر ہے تو مجاز عن الصدقہ ہوگا تو اگر کوئی آدمی کسی ولی سے بعد موت یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ میرے مریض کو شفا دیگا میں اتنے روپیہ وغیرہ آپ کو دونگا تو کیسے کوئی عقلمند اسے حرام کہدیگا کہ اولیائے کرام تو غیر سے اولیٰ ہیں اگرچہ وصال فرما گئے ہیں اور یہ جاننا بھی ہے کہ یہ نذرانہ اس ولی اللہ کے خدام مزار اور فقراء کے خرچ میں آئے گا پس یہ محض مسلمان کے قول صحیح کرنے کے لیے وعدہ و عطیہ سے مجاز ہوگی بعض لوگوں کا نذر وغیرہ امور کی حرمت پر اصرار کرنا اللہ تعالےٰ سے بے شرمی اور دلیل قطعی ہے کہ حرام بمنزلہ فرض کے ہوتا ہے اس کے ثبوت کے لیے دلیل قطعی درکار ہوتی ہے ۱۲ منہ

مریضے لک عندی کذا فان اھل الولایۃ اولی فی ھذا المعنی من غیرھم وان کانوا امواتا فان القائل لیعلم ان ذلک یفرق فی مصالح الخدمۃ لذلک الولی وللفقراء فیجعل ذلک وعدا وعطیۃ تصحیحا لقول المومنین واما اصرار بعض الناس علی تحریم ھذہ الامور بغیر دلیل قطعی فموجبہ عدم الحیاء من اللہ تعالی فان الحرام فی مقابلۃ الفرض یحتاج فی ثبوتہ الی دلیل قطعی باقی اقوال علما کلمون کے تحت میں ذکر ہوں گے اور کچھ پہلے ذکر کیے گئے حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مسئلہ کے جواب میں اپنے فتاوے میں فرماتے ہیں نذر و نیاز کہ مسلمین بقصد ایصال ثواب بارواح طیبہ حضرات اولیاے کرام نفعنا اللہ تعالی ببرکاتہم کرتے ہیں ہرگز قصد عبادت نہیں رکھتے نہ انھیں معبود و مستحق عبادت جانتے ہیں نذر یہ نذر شرعی ہے بلکہ اصطلاحی عرفی ہے کہ سلاطین وعظما کے حضور جو چیز پیش کیجائے اُسے نذر و نیاز کہتے ہیں اور نیاز تو اس سے بھی عام تر ہے عام محاورہ ہے کہ مجھے فلاں صاحب سے نیاز نہیں میں آپ کا نیاز مند ہوں فقیر نے اپنے فتاوی میں ان اطلاقات کی بحث شافی لکھی ہے اور خود کبرائے مانعین کے قول سے ان کا اطلاق ثابت کر دیا شاہ عبد العزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں حضرت امیر و ذریت طاہرہ او تمام امت بر مثال مریدان و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را بایشاں وابستہ میدانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ با جمیع اولیا ہمیں معاملہ است الخ محبوبان خدا کی طرف تقرب مطلقاً ممنوع نہیں جب تک بروجہ عبادت نہ ہو تقرب نزدیکی چاہنے رضا مندی تلاش کرنے کو کہتے ہیں اور محبوبان بارگاہ عزت مقربان حضرت صمدیت علیہم الصلاۃ والسلام کی نزدیکی و رضا ہر مسلمان کو مطلوب ہے اور وہ افعال[1] کہ اسکے اسباب ہوں بجالانا ضرور محبوب ہے کہ ان کا قرب بعینہ قرب الٰہی اور انکی رضا اللہ

[1] یعنی جو رضا و خوشنودی اولیاء اللہ کا سبب ہوں جیسے یہ نذر و نیاز ۱۲

کی رضا ہے قال اللہ تعالیٰ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان الصدقۃ یبتغی بہا وجہ اللہ تعالیٰ والہدیۃ یبتغی بہا وجہ الرسول وقضاء الحاجۃ صدقہ سے اللہ عزوجل کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور ہدیہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور اپنی حاجت روائی منظور ہوتی ہے رواہ الطبرانی عن عبد الرحمٰن ابن علقمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مسئلہ کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا شرک و کفر ہے،

اصلاح طواف کے معنی کسی شئے کے گرد گھومنے پھرنے کے ہیں۔ اور وہ مطلقاً شرک نہیں ہے جیسا کہ تھانوی صاحب کے اطلاق سے مفہوم ہو رہا ہے بلکہ وہ عبادۃً ہو تو شرک ہے اور جو صاحب مزار سے محض فیضیاب ہونے برکت حاصل کرنے مناسبت روحی پیدا کرنے کی غرض سے ہو جیسا کہ بعض طرق کشف قبور میں مشائخ کرام سے منقول ہے یا کسی شئے کو ذی برکت بنانے کے لیے ہو تو مباح ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ جب میرے والد یوم احد شہید ہوئے تو ان پر قرض تھا میں نے قرضداروں کو قرض میں چھوارے دینا چاہے انھوں نے نہ لیے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی حضور نے فرمایا جا کر چھوارے جمع کرو میں نے جا کر چھوارے جمع کر کے حضور کو خبر کی۔ پس حضور تشریف فرما ہوئے وطاف حول اعظمہا بیدرا ثلث مرات ثم جلس علیہ چھواروں کے ڈھیر کے گرد تین بار گھومے طواف کیا پھر وہیں تشریف فرما ہو کر چھوارے تلوا تلوا کر قرض داروں کو دیتے گئے یہاں تک کہ سب کا قرض ادا ہو گیا اور چھوارے ویسی ہی رہے خزانۃ الروایات میں ملتقط سے ہے وان کان قبر عبد صالح ویمکنہ ان یطوف حولہ ثلث مرات فعل ذلک یعنی اگر کسی نیک بندہ کی قبر کے گرد طواف ممکن ہو تو تین بار طواف کرے زرقانی شرح مواہب میں کا قل منقول

کہ فقہائے کرام نے حجاج کی جن باتوں کے سبب تکفیر فرمائی ان میں سے ایک یہ ہے
کہ انہ رأی الناس یطوفون حول حجرتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فقال انما یطوفون باعواد ورمۃ اس نے لوگوں کو روضۂ اقدس نبی کریم علیہ الصلاۃ
والتسلیم کا طواف کرتے دیکھا بولا کچھ لکڑیوں اور گلے ہوئے جسم کا طواف کر رہے ہیں
تنبیہ یہ روضۂ اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طواف کرنے والے
تابعین یا اقل درجہ تبع تابعین تو ضرور رہے ہوں گے اگر کسی جگہ کا طواف کرنا مطلقاً شرک
ہوتا تو ان پاک نفسوں سے اس کا مرتکب ہونا غیر معقول تھا لہٰذا تھانوی صاحب
ہی فرمائیں کہ یہ طواف کیسا تھا اور اس وقت کے علمائے کرام نے اس طواف کو شرک
اور ان طواف کرنے والوں کو مشرک کیوں نہ کہا البتہ عوام کو اس سے منع کرنا بلکہ
خواص کو ان کے سامنے نہ کرنا چاہیئے۔

مسئلہ کسی کے سامنے جھکنا یا تصویر کی طرح کھڑا رہنا (شرک ہے)

اصلاح کسی کے سامنے حد رکوع تک جھکنا منع ہے نہ مطلقاً جیسا کہ قول مذکور
سے مفہوم ہو رہا ہے پس اگر کوئی کسی کے لیے تکرماً و تحیۃً اتنا جھکے کہ اس پر رکوع کا
اطلاق نہ ہو سکے جیسا کہ عرف میں قدرے جھک کر سلام کرتے ہیں تو جائز
اسقدر کو بھی ناجائز کہنا یا اس سے زائد کو شرک ٹھہرانا محض تحکم ہے ہاں ممنوع
و مکروہ ہونے میں شک نہیں طحطاوی وغیرہ میں ہے التحیۃ بالرکوع مکروھۃ
یوں ہی کسی کے روبرو ادب سے چپکا کھڑے رہنے کو وہابیہ کا شرک کہنا اور تیسیر
حدیث من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار
رواہ الترمذی سے استدلال کرنا محض جہالت ہے کہ حدیث کے الفاظ سے صراحۃً
مفہوم ہو رہا ہے کہ وعید مذکور کا مستحق وہ شخص ہے جس کو اپنے سامنے لوگوں کا
ادب سے چپکا کھڑا رہنا خوش آتا ہو اچھا معلوم ہوتا ہو نہ کھڑے رہنے والے کہ وہ
بیچارے تو کسی جابر متکبر کے خوف سے اس طرح کھڑے رہنے پر مجبور رہیں۔ اگر انہیں
اس کا خوف نہ ہوتا تو وہ ہرگز تصویر کی طرح بے حس و حرکت چپکا کھڑا

رہنا پسند نہ کرتے کہ اس طرح کھڑا رہنا طبعاً بھی ناگوار اور رویز تک تو ہر شخص کو دشوار ہوتا ہے مگر وہابیہ کو سخن فہمی سے کیا غرض ان کی زبان پر تو شرک و کفر و حرام چڑھا ہوا ہے جہاں ذرا بھی پنجہ ٹیکنے کا موقع ملا فوراً شرک و حرام زبان سے نکلا اور اس میں چھوٹے بڑے وہابیہ سب برابر ہیں کہ امام الوہابیہ نے بھی یہی تحریر کیا ہے اور بیان اشراک فی العبادۃ میں تحت حدیث مذکورہ اسے داخل کیا ہے فانظر صفحہ ۲۹ تقویۃ الایمان

ع بریں عقل و دانش بباید گریست :: پھر اگر مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے شرک ثابت نہیں زیادہ سے زیادہ کراہت ثابت ہوگی اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ کوئی متکبر از راہ تکبر و نخوت لوگوں کا اپنے سامنے ادب سے چپکا کھڑا رہنا پسند کرے لوگوں کو اپنے روبرو تعظیماً و تکبراً اس طرح کھڑے رہنے کا حکم کرے اور لوگ اس کی تعمیل کریں اور اگر لوگ بلا حکم بلا طلب اپنی خوشی سے کسی بزرگ یا کسی عالم فاضل یا حاکم عادل کے روبرو بغرض حصول ثواب و رعایت ادب و تواضع یا برائے خدمت کھڑے رہیں تو جائز شیخ محقق مولٰنا مولوی عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں تحت حدیث مذکورہ فرماتے ہیں۔

از ینجا معلوم میشود کہ مکروہ و منہی عنہ دوست داشتن بر پا ایستادن مردم ست بخدمت بطریق تعظیم و تکبر و آنچہ برین وجہ نبود مکروہ نباشد ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ھذا الوعید لمن سلک فیه طریق التکبر بقرینة السرور للمثول واما اذا لم یطلب ذلك وقاموا من تلقاء انفسھم طلبا للثواب او لارادة التواضع فلا باس به وقد اورد البیھقی فی شعب الایمان عن الخطابی فی معنی الحدیث ھو ان یامرھم بذلك ویلزمه ایاھم علی مذھب الکبر والنخوة الخ یعنی حدیث میں جو وعید ہے وہ اس شخص کے لیے ہے جو بطریق تکبر اپنے لیے قیام پسند کرے اور لوگوں سے قیام چاہے اور جو اسے پسند نہ کرے خواہش نہ کرے بلکہ خود لوگ تواضعاً یا ثواب کے لیے کھڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں بیہقی نے

شعب الایمان میں اس معنی کی حدیث روایت کی ہے کہ لوگوں کو اپنے لیے از راہ تکبر و نخوت قیام کا حکم کرنا ان پر کھڑا ہونا لازم کرنا منع ہے اور تحت وعید داخل ہے نہ مطلقاً طحطاوی میں مشکل الاثار سے منقول القیام لغیرہ لیس بمکروہ لعینہ انما المکروہ محبۃ القیام من الذی یقام لہ فان لم یحب وقاموا لہ لا یکرہ لہم جمیعا لیعنی غیر کے لیے کھڑا ہونا مکروہ لعینہ نہیں ہے بلکہ قیام کو اپنے لیے محبوب رکھنا مکروہ ہے پس اگر محبوب نہ رکھے اور لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو سب کے لیے جائز ہے۔

مسئلہ کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا **اصلاح** اس مسئلہ کا دار و مدار قول و نیت ذابح پر ہے اور نیت بھی ذبح کرتے چھری پھیرتے وقت کی معتبر ہے نہ اس سے پہلے یا بعد کی پس اگر ذابح نے ذبح کرتے چھری پھیرتے وقت اللہ عز وجل کے سوا کسی اور کے لیے جانور ذبح کیا اللہ تعالیٰ کے نام کے بجائے غیر اللہ کا نام لیا تو بیشک وہ جانور مردار اور ذابح مشرک اگرچہ ذبح کرنے چھری پھیرنے سے پہلے اللہ عز وجل کے لیے ذبح کرنے کی نیت تھی اور چھری پھیرتے وقت نیت بدل گئی غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کی نیت ہو گئی اس کا نام لے کر اسکی جان دی مگر حاشا و کلا کوئی مسلمان ایسا نہیں کرتا کہ وقت ذبح بجائے نام خدا کسی اور کا نام لے غیر اللہ کے نام پر اس کی جان دے۔ اور اگر ذبح کرتے چھری پھیرتے وقت اللہ عز وجل کا نام لیا اللہ ہی کے لیے اسے ذبح کیا تو یقیناً ذبیحہ حلال اور ذابح مسلمان کما کان کوئی وجہ اس میں حرمت و شرک کی نہیں اگرچہ ذبح کرنے چھری پھیرنے سے پہلے جانور کسی اور کے نامزد ہو کسی اور کے لیے ذبح کرنے کی نیت ہو رد المحتار میں ہے اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح مدار کار نیت و قصد وقت ذبح پر ہے پھر نیت بھی کس کی معتبر ذابح کی نہ مالک کی مالک لاکھ بار ذبح کرتے وقت اللہ کا نام کھڑا لیتا رہے بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے اور ذابح مسلم جانور غیر اللہ کا نام لیکر

ذبح کر دے تو ذبیحہ حرام اور ذابح مشرک اور مالک کافر ہزار بار ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لے اور ذابح مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کر دے تو ذبیحہ حلال فتاوے علمگیری وغیرہ میں ہے مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لاٰلھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی مسلمان نے مجوسی کی بکری انکے آتشکدہ کے لیے یا کافروں کی انکے معبودوں کے لیے اللہ کا نام لیکر ذبح کی تو حلال ہے کھائی جائیگی رد المحتار میں ہے قولہ وتشترط التسمیۃ من الذابح واحترز بہ عما لو سمی لہ غیرہ فلا تحل ذابح کا ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا شرط ہے اگر کسی غیر نے کہی تو حلال نہیں بلکہ فقہائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے تو یہانتک تصریح فرمادی کہ اگر خود ذابح خاص وقت ذبح اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام ملائے مثلاً یوں کہے بسم اللہ بنام خدا بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا بسم اللہ اللھم تقبل من فلان یا بسم اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ محمد تو یہ کہنا مکروہ تو ضرور ہے مگر کفر کیسا جانور حرام بھی نہ ہوگا جب کہ اللہ کے نام کے ساتھ حضور کا نام صرف تعظیم کی غرض سے ملایا ہو نہ معاذ اللہ شریک کرنے کے قصد سے اور وہ کونسا مسلمان ہے جو حضور کو اللہ عزوجل کا شریک مانتا برابر جانتا ہوگا امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاوے میں فرماتے ہیں رجل ضحی وذبح وقال بسم اللہ بنام خدا بنام محمد علیہ السلام قال الشیخ الامام ابوبکر محمد ابن الفضل رحمۃ اللہ علیہ ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تبجیلہ وتعظیمہ جاز ولا باس بہ وان اراد بہ الشرکۃ مع اللہ لا یحل ذبیحتہ اگر کسی نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ بنام خدا بنام محمد علیہ السلام کہا تو امام محمد بن الفضل فرماتے ہیں کہ اگر اس نے حضور کا نام اللہ تعالٰے کے نام کے ساتھ تعظیماً ملایا ہے تو کوئی حرج نہیں جائز ہے اور جو بہ نیت شرکت ملایا ہے تو ذبیحہ حرام کنز الدقائق میں ہے وکرہ ان یذکر مع اسم اللہ غیرہ وان یقول عند الذبح اللھم تقبل من فلان وان

قال قبل التسمیۃ والاضجاع جاز در مختار میں ہے وان ذکر مع اسمہ تعالیٰ غیرہ فان وصل بلا عطف کرہ کقولہ بسم اللہ تقبل من فلان او منی ومنہ بسم اللہ محمد رسول اللہ رد المحتار میں غایۃ البیان سے ہے لو قال بسم اللہ صلی اللہ علی محمد یحل والاولی ان لا یفعل ولو قال مع الواو یحل الاکلہ یعنی اگر کسی نے ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ غیر کا نام ملایا اور یوں کہا بسم اللہ محمد رسول اللہ یا بسم اللہ تقبل من فلان تو یوں کہنا مکروہ ضرور ہے بہتر یہ ہے کہ اس طرح نہ کہا جائے مگر جانور اسطرح کہنے سے حرام نہ ہوگا اس کا کھانا حلال ہوگا اگرچہ واؤ کے ساتھ کہا ہو اور جو قبل تسمیہ غیر کا نام لیا تو بلا کراہت جائز ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خاص صورت عطف ہیں جس سے صاف معنی شرکت ظاہر مگر یہ بھی صحیح میں حکم شرک نہیں دیتے اگرچہ جانور حرام ہوگا کہ شرک وکفر امر باطنی ہے کیا معلوم کہ انکی کیا نیت تھی مثلاً ذبح کرتے وقت یوں کہے بسم اللہ بنام خدا و بنام فلاں در مختار میں ہے وان عطف حرمت نحو باسم اللہ واسم فلان رد المحتار میں ہے ہو الصحیح وقال ابن سلمۃ لا تصیر میتۃ لانہا لو صارت میتۃ یصیر الرجل کافرا خانیۃ قلت تمنع الملازمۃ بان الکفر امر باطنی والحکم بہ صعب فیفرق کذا فی شرح المقدسی شرح بدایۃ اللہ اکبر فقہائے کرام وعلمائے اعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو ذبح کرتے چھری پھیرتے وقت کی نیت کا اعتبار کریں نہ اس سے پہلے کی نیت کا اگرچہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کی ہو بلکہ خاص وقت ذبح اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام بقصد تعظیم ملائے تو بھی کافر نہ کہیں تاوقتیکہ وہ ارادہ شرکت نہ کرے اور تھانوی صاحب وغیرہ اسمٰعیلہ وہابیہ ذبح سے پہلے ہی کسی کے نامزد کرنے کسی کیطرف جانور کو اضافت کرنے سے شرک ٹھہرائیں کافر بنائیں اگر محض نامزد کرنے کسی کی طرف اضافت کرنے ہی پر شرکت کا مدار ہے تو تمام قربانیاں عقیقہ وغیرہ کے جانور حرام اور کرنے والے مشرک ہوں گے

اور تھانوی صاحب بھی غالباً اس میں داخل ہوں گے کہ وہ قبل ذبح نامزد ہوتے ہیں
اور مدار صاحب کے مرغ سید احمد کبیر صاحب کی گائے کی طرح اپنے صاحب کے
نامزد اور اس کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور یوں پکارے جاتے ہیں فلاں کی
قربانی فلاں کی ہدی فلاں کے عقیقہ کا جانور بلکہ ذبح جانور سے زیادہ عبادت
صوم وصلاۃ کی اضافات جو غیر اللہ کی طرف احادیث میں آئی ہیں وہ سب وہابیہ
کے اس قاعدہ پر شرک ٹھہریں گی مثلاً ان احب الصیام الی اللہ صیام داود و احب
الصلاۃ الی اللہ صلاۃ داود اللہ عزوجل کو سب روزوں تمام نمازوں سے زیادہ محبوب صیام
وصلاۃ داؤدی ہے رد المحتار میں ہے ومن المندوبات صلوۃ الوالدین والدین کی
نماز مستحبات میں سے ہے سبحان اللہ نماز روزہ کی اضافت غیر اللہ داود علیہ السلام اور
ماں باپ کی طرف جائز اور ثواب اور جانور کو غیر اللہ کی طرف اضافت کرنا مدار
کا مرغ سید احمد کبیر کی گائے فلاں پیر و ولی کی بکری کہنا وہ سخت آفت کہ قائلین
کفار جانور مردار کیا ذبح جانور نماز روزہ سے بھی بڑھ کر عبادت خدا ہے یا ان
میں شرک حرام اُن میں روا ہے آپ خاص اضافت ذبح کا بھی فرق سنیے
حضور اقدس سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لعن اللہ من ذبح
لغیر اللہ جو غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے اس پر خدا کی لعنت ہے دوسری
حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من ذبح لضیفہ ذبیحۃ
کانت لہ فداء من النار جس نے اپنے مہمان کے لیے جانور ذبح کیا وہ جانور
اس کا فدیہ ہے آتش دوزخ سے روی الاول مسلم والنسائی عن علی کرم اللہ وجہہ
الثانی الحاکم فی تاریخہ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو معلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر کی
نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقاً کفر کیا حرام بھی نہیں بلکہ ثواب ہے تو
ایک حکم عام کفر و حرام کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ولہذا علما فرماتے ہیں مطلقاً نیت
غیر کو موجب حرمت و شرک جاننے والا سخت جاہل اور قرآن و حدیث و عقل
کا مخالف ہے آخر قصائی کی نیت تحصیل نفع دنیا اور بیاہ شادی کا مقصود براتی

کو برادری کو کھانا کھلانا ہے نیت غیر تو یہ بھی ہوئی کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے یونہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست و بجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرام خدا ہے

در مختار میں ہے لو ذبح للضیف لا یحرم لانہ سنۃ الخلیل و اکرام الضیف اکرام اللہ تعالٰی رد المحتار میں ہے قال البزازی ومن ظن انہ لا یحل لانہ ذبح لاکرام ابن آدم فیکون اہل بہ لغیر اللہ تعالٰی فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فانہ لا ریب ان القصاب من ذبح للربح ولو علم انہ یخس لا یذبح ویلزم ہذا الجاھل ان لا یاکل ما ذبح القصاب وما ذبح للولائم والاعراس والعقیقۃ وفی الخزانۃ قال الامام اسمٰعیل اذا ذبح الرجل الابل والبقر لاجل الذی یقدم من الحج والغزو وقال الشیخ ابو حفص و القاضی الامام علی النسفی وغیرہما انا فاکرہ ذلک ولکن لا اکفرہ ولا نسی الظن بالمسلم ان یتقرب الی الآدمی بہذا النحر در مختار میں ہے ای علی وجہ العبادۃ لانہ الکفر وہذا البعید من حال المسلم یعنی مہمان کے لیے جانور ذبح کرنے سے حرام نہیں ہوتا ہے کہ وہ سنت خلیل علیہ السلام ہے اور مہمان کا اکرام اکرام خدا تعالٰی ہے اور جو اسے اس گمان پر کہ وہ آدمی کے اکرام کے لیے ذبح کیا گیا ہے پس اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے، حلال نہ جانے وہ مخالف قرآن و حدیث و عقل ہے کہ اس میں شک نہیں کہ قصائی نفع کے لیے ذبح کرتے ہیں اگر وہ جانتے کہ نفع کی نیت سے جانور حرام ہو جائیگا تو ذبح نہ کرتے تو اس جاہل حرام خیال کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ قصائیوں کا ذبح کردہ اور بیاہ شادیوں عقیقوں کے لیے ذبح کیا ہوا جانور نہ کھائے امام اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اونٹ یا گائے کسی حاجی یا مجاہد کے لیے ذبح کی تو شیخ ابو حفص و امام نسفی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم اسے اگرچہ اچھا نہیں سمجھتے لیکن ایسا کرنے والے کو ہم کافر نہیں سمجھیں گے اور نہ مسلمان کے ساتھ ہم یہ گمان نہیں کرینگے کہ اس نے آدمی سے تقرب حاصل کرنے کے لیے یہ جانور ذبح کر۔۔

کہ ایسا مسلمان سے بعید ہے دیکھو علمائے کرام صراحۃً فرما رہے ہیں کہ مطلقاً نیت
ونسبت غیر کو موجب حرمت و شرک جاننا اور وما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل
ماننا نہ صرف جہالت بلکہ جنون و دیوانگی اور شرع و عقل دونوں سے بیگانگی ہے
ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ ایسے ذبیحے بقصد تقرب و عبادت کسی
آدمی کے کرتا ہو ------------------------------

--------------------------- کیونکہ یہ امر مسلمان کی شان سے بعید ہے
اللہ اللہ علمائے کرام کا مسلمانوں کے ساتھ تو یہ حسن ظن اور ان وہابیہ کا انکے
ساتھ یہ سوء ظن یہ بدگمانی وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون
سچ فرمایا امام عارف باللہ سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انما ینشؤا
الظن الخبیث عن القلب الخبیث بدگمانی خبیث ہی دل سے پیدا ہوتی ہے
کما فی حدیقۃ الندیہ کذا فی فتاوی رضویہ۔

مسئلہ کسی کی دوہائی دینا شرک ہے، **اصلاح** کسی کی پناہ چاہنا
واسطہ دینا استغاثہ کرنا دوہائی ہے اور یہ شرعاً جائز ہے ہرگز ہرگز شرک
نہیں صریح احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پناہ چاہنا دوہائی
دینا وارد ہے مسلم شریف میں ابو مسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ
وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے غلام نے اعوذ باللہ کہنا اللہ کی دوہائی دینا پناہ
چاہنا شروع کی وہ مارنے سے باز نہ رہے تو غلام نے کہا اعوذ برسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی دوہائی دیتا پناہ چاہتا ہوں پس انھوں نے فوراً چھوڑ دیا الحدیث
یہی مضمون عبد الرزاق اپنی تصنیف میں حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے
ہیں ایک شخص اپنے غلام کو مارتے تھے اور غلام اللہ عزوجل کی دوہائی دیرہا تھا
اتنے میں غلام نے پشت و پناہ بیکساں مددگار عاجزاں سردار دوجہاں
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو کہا اعوذ برسول اللہ فالقی

[illegible] یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوہائی
حضور کی پناہ ہے تو فوراً ان صاحب نے وہ تسمہ جس سے غلام کو مار رہے تھے ہاتھ
سے پھینک دی اور غلام کو چھوڑ دیا۔ دیکھو حضور نے غلام کو اپنی دوہائی دیتے سنا مگر
نہ آقا کو کافر کہا نہ غلام کو مشرک اور نہ اپنی دوہائی کو شرک فرمایا اور نہ آقا کو اس امر کی تنبیہ
کی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی دوہائی کی پرواہ نہ کی اللہ کی پناہ مانگنے پر غلام کو نہ چھوڑا اور حضور کی
دوہائی اور پناہ کی وہ رعایت کہ سنتے ہی کوڑا ہاتھ سے ڈال دیا غلام کو چھوڑ دیا کہ در اصل
حضور کی دوہائی اور پناہ اللہ عزوجل ہی کی دوہائی اور پناہ ہے ایک روایت طبرانی
میں ہے کہ حارث ابن عوف مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں
عرض کی یا محمد انی عائذ بک یا رسول اللہ میں حضور کی پناہ مانگتا ہوں
اور دوہائی دیتا ہوں رواہ الزبیر ابن بکار ایک مصری نے امیر المومنین عمر فاروق
اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا امیر المومنین
انی عائذ بک من الظلم اے امیر المومنین میں حضور کی پناہ چاہتا ہوں ظلم
سے فرمایا عذت معاذا تو نے سچی جائے پناہ کی پناہ لی۔ یہ روایت تو طویل ہے مگر ہمارا
مطلب اتنے ہی لفظوں سے ہو گیا کہ پناہ لینے والے نے امیر المومنین کی پناہ چاہی
دوہائی دی اور امیر المومنین نے اپنی بارگاہ کو سچی جائے پناہ فرمایا۔ ابن عبد الحکیم
عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاکم و بیہقی و ابن خزیمہ وغیرہ سے راوی کہ ایک
سال مدینہ منورہ میں قحط عظیم پڑا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے عمرو ابن عاص والی مصر کو فرمان بھیجا اس میں لکھا تھا اما بعد فلعمری
یا عمرو ما تبالی اذا شبعت انت ومن معک ان اہلک انا ومن معی فیا غوثاہ
ثم یا غوثاہ یردد قولہ یعنی بعد سلام واضح ہو مجھے اپنی جان کی قسم اے
عمرو جب تم اور تمہارے ملک والے سیر ہوں تو تمہیں کچھ پرواہ نہیں کہ میں
اور میرے ملک والے ہلاک ہو جائیں ارے دوہائی ہے فریاد کو پہنچ فریاد کو پہنچ
اور اس کلمہ کو بار بار تکرار فرمایا تنبیہ اس سے تھانوی صاحب کا یہ قول [illegible]

اگر کسی کے نام یا سر کی قسم کھانا شرک ہے، خدا کے سوا اور کسی کی قسم کھانا گناہ ہے،
مردود و باطل ہو گیا کہ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم نائب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعمری فرمایا اپنی جان کی قسم کھائی یہ قسم اللہ کی
... کی غیر اللہ کی ہوئی اور وہ تھانوی صاحب کے نزدیک شرک تو گویا نائب
رسول اللہ نے شرک کیا و لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اب تھانوی
صاحب فرمائیں کہ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قسم
کیسی ہے اور اس کا کیا حکم ہے و نیز امیر المؤمنین صدیق اکبر و ام المؤمنین حضرت
عائشہ صدیقہ وغیرہ پیشوایان دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو احادیث میں اپنے
باپ اپنی جان کی قسمیں کھانی مروی ان کا کیا مطلب ہے اور حضرت نابغہ جعدی
کے اس قول کے کیا معنے ہیں ؎

	لعمری وما عمری علی بھین		لقد نطقت بطلا علی الاقارع	

وما المراد لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افلح وابیہ ومن ارادہ الجمع بینہما
فعلیہ بیان تقدیمہ علی حدیث النہی ہمارے نزدیک تو یہ سب غیر اللہ
کی قسمیں ہوں مگر نہ شرک ہیں نہ گناہ ہیں بے شبہ مشروع ہیں کہ ان سے توثیق
و تاکید مطلوب ہے اور جس قسم سے توثیق و تاکید حاصل ہو وہ مشروع ہاں اگر غرض
توثیق نہ ہو محض عبث و بے فائدہ ہو یا برائے تعظیم غیر اللہ ہو تو ضرور ممنوع ہے اور یہی
عامہ علما اسی کے قائل ہیں اور یہی مفتی بہ ہے خزانۃ الروایات میں ہے اگر کسی
بخاک پائے فلاں سوگند خورد بعضے گفتہ اند کافر شود و از ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ
آمدہ کہ کافر نشود و صحیح اینست و نیز جب کسی کے خاک پا کی قسم کفر نہ ہوئی کہ
جو ظاہر تعظیم غیر تھی تو اور اشیا کی قسمیں جن میں تعظیم نہ ہو صرف توثیق ہو
کیسے شرک و کفر ہوں گی درمختار میں ہے وھل یکرہ الحلف بغیر اللہ قیل
نعم و عامۃ متاخرین لا وبہ افتوا لاسیما فی زماننا وحملوا النہی علی الحلف بغیر اللہ
لا علی وجہ الوثیقۃ کقولہم بابیک ... کر کیا غیر خدا کی قسم کھائی

مکروہ ہے کہا گیا ہاں مکروہ ہے مگر اکثر علما مکروہ نہیں کہتے اور یہی مفتی بہ ہے خصوصًا ہمارے زمانہ میں اور قسم غیر اللہ جب منع ہے کہ اس سے توثیق مطلوب نہ ہو جیسے کہ لوگ فضول جان کی باپ کی قسمیں کھاتے ہیں جن سے توثیق مطلوب نہیں ہوتی ہے **اقول** جبکہ مدار قسم علی التوثیقہ ہوا تو باپ کی زندگی کی جان کی سر کی اور ان کے سوا دوسری اشیا کی قسمیں کھانا برابر ہیں جبکہ برائے توثیق و تاکید ہوں کما ھو مروی عن الصحابۃ وغیرھم من الاکابر والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ونسئل العافیہ فی الدین عن المبتدعین۔

مسئلہ کسی جگہ کا کعبہ کی برابر ادب و تعظیم کرنا شرک ہے۔

اصلاح اس قدر اجمال کی کیا ضرورت تھی کھلے لفظوں میں کیوں نہ لکھدیا کہ مدینہ منورہ زاد اللہ حرمتہا و کرامتہا اور مزارات اولیائے کرام کا ادب واحترام کرنا شرک ہے جیسا امام الطائفہ تقویۃ الایمان میں صاف لکھ گیا کہ گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا درخت نہ کاٹنا یہ کام اللہ ہی نے اپنی عبادت کے لیے بنائے ہیں پھر جو کوئی کسی پیغمبر یا بھوت کے مکانوں کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرے اس پر شرک ثابت ہوتا ہے خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں کہ ان کی اس تعظیم سے اللہ خوش ہوتا ہے ہر طرح شرک ہے مگر امام و ماموم میں کچھ فرق ہونا چاہیئے تھا لہذا تھانوی صاحب نے اس لمبی چوڑی عبارت کو مختصر کرکے لکھدیا کہ کسی جگہ کا کعبہ کی برابر ادب و تعظیم کرنا شرک ہے صرف لفظ بدل گئے مگر مطلب وہی رہا کہ مدینہ منورہ و روضہ رسول اللہ و مزاراتِ اولیائے کرام کا ادب واحترام نہ کرو انکے گرد وپیش کی تعظیم نہ کرو کہ کسی جگہ میں مدینہ طیبہ و مزارات مقدسہ اولیائے کرام آگئے اور کعبہ کی برابر ادب و تعظیم کرنا یعنی شکار نہ کرنا درخت نہ کاٹنا وغیرہ باتیں داخل ہوگئیں کہ یہی باتیں حرم مکہ

میں منع ہیں اگر کسی نے بلحاظ ادب و احترام مدینہ منورہ کے گرد و پیش شکار نہ کیا درخت
نہ کاٹے تو یہ مکہ معظمہ کی برابری ہوئی اور شرک ہو گیا مگر عشاوہ بصر ہٹا کر نہ دیکھا
گیا کہ احادیث کثیرہ صحیحہ میں صراحۃً مدینہ منورہ کو حرم فرمایا گیا ہے اسکے آس پاس
کے درخت گھاس کاٹنے شکار کرنے کو منع کیا گیا ہے اس کا ادب و احترام
کرنا تعلیم فرمایا گیا ہے ائمہ مالکیہ و شافعیہ و حنبلیہ نے اسے اختیار فرمایا ہے اور اکثر
ائمہ و صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذہب ہے یہ شرک کا چھینٹا کہاں تک
پہنچے گا اگرچہ ہمارے ائمہ نے اس باب میں اور احادیث پر عمل فرمایا ہے جو شرح
معانی الآثار وغیرہ میں مع نظر مذکور مگر ترجیح یا التطبیق یا نسخ دوسری شے ہے کلام
تو اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحۃً احادیث میں مدینہ طیبہ
کو حرم فرمایا اس کے آس پاس کے جنگل کے درخت کاٹنے گھاس اکھاڑنے درختوں
کے پتے توڑنے جھاڑنے اس میں شکار کرنے قتل کرنے لڑائی کے لیے ہتھیار
اٹھانے کو منع فرمایا اور یہی باتیں حرم مکہ معظمہ میں منع ہیں اور شرک و کفر میں نسخ
و تبدیل نہیں کہ حضور کے زمانہ میں ممنوع نہ ہو وحدہ لاشریک کے ساتھ شرک
کرنا روا ہو پھر منع ہو گیا ہو۔ صحاح و مسانید و معاجیم و مصنفات وغیرہ میں اس قسم
کی احادیث بکثرت ہیں بلکہ حد تواتر پر ہیں تو بالیقین ثابت کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے بتاکید تمام و اہتمام تمام مدینہ منورہ اور اسکے گرد و پیش کا وہی ادب
مقرر فرمایا جو مکہ معظمہ کے جنگل کا ہے باینہمہ اس طائفہ وہابیہ نے اسے شرک
ٹھہرایا بلکہ بقصد زیارت روضہ انور پر جانا ہی حرام بتایا مگر ہم اپنے مسلمان بھائیوں
کی آگاہی کے لیے انکے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے چند ارشادات اس باب
میں نقل کرتے ہیں تاکہ ان کا ایمان تقویت و جلا پائے اور ان کے دلوں میں
ادب و احترام مدینہ طیبہ و تعظیم و تکریم روضہ اقدس زیادہ جاگزیں ہو فاقول
صحیحین میں مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللھم ان ابراھیم
حرام مکۃ وانی احرم ما بین لابتیھا وفی روایۃ المسلم ان یقطع عضاھھا

او یقتل صیدھا وفی روایۃ لہ ولا یصاد صیدھا الٰہی ابراہیم نے مکہ کو حرم
بنایا اور میں مدینہ کے سنگستان کے درمیان کو حرم بناتا ہوں کہ نہ کاٹی جائیں ببولیں
اس کی اور نہ قتل کیا جائے اور نہ پکڑا جائے شکار اس کا وفی روایۃ لہما انی
حرمت المدینۃ کما حرم ابراھیم مکۃ وفی اخری انی احرم ما بین لابتیھا
میں نے مدینہ کو حرم بنایا جیسا کہ ابراہیم نے مکہ کو بنایا وفی روایۃ لہما المدینۃ
حرم ما بین عائر الی کذا زاد احمد وابوداود وفی روایۃ لا یختلی خلاھا
ولا ینفر صیدھا مدینہ کو عیر سے ثور تک حرم ہے اس کی گھاس نہ کاٹی جائے
اور اس کا شکار نہ بھڑکایا جائے مسلم شریف میں مروی اللھم ان ابراھیم حرم
مکۃ وانی حرمت المدینۃ حراما ما بین مازمیھا ان لا یھراق فیھا دم
ولا یحمل سلاح لقتال ولا یخبط فیھا شجر الا لعلف الٰہی ابراہیم نے مکہ کو حرم
بنایا میں نے مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان کو حرم بنایا نہ اس میں خون
بہایا جائے نہ اس میں مارنے کے لیے ہتھیار اٹھائے جائیں اور نہ اس کے درختوں
کے پتے جھاڑے جائیں مگر چارے کے لیے ابوداود میں سعد ابن وقاص رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے مروی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم ھذا
الحرم حضور نے مدینہ کو حرم بنایا ہے مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے مروی احرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ وفی روا
نعم ھی حرام لا یختلی خلاھا فمن فعل ذالک فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ
والناس اجمعین حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا مدینہ کو رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرم فرمایا ہے؟ فرمایا ہاں مدینہ حرم ہے نہ کاٹے جائیں
درخت اس کے اور نہ اکھیڑی جائے گھاس اسکی جس نے ایسا کیا اس پر اللہ اور
فرشتوں اور آدمیوں کی سب کی لعنت ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے مروی حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما بین لابتیھا
وجعل اثنی عشر میلا وفی روایۃ حمیٰ رواہ حرم ان یعضد او یخبط حضور نے

سنگستان مدینہ کے درمیان بارہ میل کو حرم بنایا ہے نہ اس کے درخت
کاٹے جائیں نہ درختوں کے پتے توڑے جائیں امام سخاوی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے راوی نہی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یعضد شجرہا او
یخبط او یوخذ طیرہا حضور نے مدینہ کے درخت کاٹنے اور اسکے پتے جھاڑنے اسکے
پرند جانور پکڑنے کو منع فرمایا ہے وہی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی
ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم ما بین لابتی المدینۃ
ان یعضد شجرہا او یخبط حضور نے سنگستان مدینہ کے درمیان کو حرم فرمایا
ہے نہ اس کے درخت کاٹے جائیں نہ اس کے پتے توڑے جائیں امام ابوجعفر شرحبیل
سے راوی کہ ہم مدینہ میں جال لگا رہے تھے زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
دیکھکر جال پھینک دیا اور فرمایا الم تعلم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حرم صیدہا وفی روایۃ ابن ابی شیبۃ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم حرم ما بین لابتیہا کیا تم نہیں جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے سنگستان مدینہ کے درمیان کو حرم بنایا ہے اس میں شکار کرنا حرام فرمایا
ہے امام طحطاوی ابراہیم ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی کہ میں نے ایک
چڑیا پکڑی تھی اسے لیے ہوئے جا رہا تھا کہ میرے والد ملے اور زور سے میرا کان
مروڑ کر چڑیا چھوڑ دی اور فرمایا حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
ما بین لابتیہا حضور نے سنگستان مدینہ کے درمیان شکار کرنا جانور پکڑنا
حرام فرمایا ہے وہی عطاء ابن یسار سے راوی کہ کچھ لڑکوں نے ایک روباہ کو گھیر کر
ایک گوشہ میں کر دیا تھا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکوں
کو ہٹا کر فرمایا افی حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصنع ہذا
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں ایسا کرتے ہو دیکھو احادیث مذکورہ
میں صاف وصریح مدینہ طیبہ کو مکہ معظمہ کی مثل حرم بنایا گیا اس کے گرد وپیش
کا وہی ادب واحترام مقرر فرمایا گیا [illegible] کے جنگل کا ہے وہ باتیں حرم مکہ میں

منع تھیں وہی حرم مدینہ میں منع فرمائی گئیں کہ اس میں خون نہ بہایا جائے قتل نہ کیا جائے قتل کے لیے ہتھیار نہ اٹھائے جائیں اس میں شکار نہ کیا جائے اس کا شکار نہ بھڑکایا جائے اس کے چرند و پرند نہ پکڑے جائیں اس کے درخت نہ کاٹے جائیں درختوں کے پتے نہ توڑے جائیں نہ جھاڑے جائیں جو حرم مدینہ میں یہ باتیں کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں کی سب کی لعنت ہے اور صحابہ کرام نے اس کی تصریح فرمائی کہ شکاری کے ہاتھ میں سے پکڑے ہوئے شکار کو لیکر چھوڑ دیا اور جال اٹھا کر پھینکدیا اور گھیرے ہوئے شکار کو نکال دیا اور فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے اسے حرم بنایا ہے اس میں شکار کرنے جانور پکڑنے وغیرہ باتوں کو حرام فرمایا ہے کیا حضور کے حرم میں ایسا کرتے ہو۔

مسئلہ کسی کے نام کا بازو پہ پیسہ باندھنا شرک ہے۔ **اصلاح** بازو ہی پر باندھنے کی کیا تخصیص ہے کمر بند یا کمر میں کسی کے نام کا پیسہ باندھنا بھی تو ویسا ہی ہے جیسے کہ بازو پہ باندھنا کہ وہابیہ کے نزدیک تو شرک کسی شئے کو کسی کے نامزد کرنے کسی کی طرف نسبت و اضافت کرنے سے ہوتا ہے نہ باندھنے سے تو اگر کسی نے کسی کے نام کا پیسہ کمر بند میں یا کمر میں باندھا مثلاً زید نے بکر کے دینے کا پیسہ روپیہ بکر کے نامزد کر کے یہ کہہ کر کہ یہ بکر کا ہے کمر بند میں یا کمر میں باندھ لیا تو بھی شرک ہونا چاہیئے کہ جیسا کسی کے نام کا پیسہ مثلاً امام ضامن کے نام کا پیسہ بازو پہ باندھنا شرک ہوا ویسے ہی زید عمر بکر وغیرہ کے نام کا پیسہ کمر بند یا کمر میں باندھنا شرک ہو کہ وہ امام ضامن کے نامزد ہوا اور بازو پہ بندھا یہ زید و عمر کے نامزد ہوا اور کمر یا کمر بند میں بندھا دونوں یکساں ہیں کوئی فرق نہیں تو حکم بھی ایک ہی ہو کچھ فرق نہ ہو اگر وہ شرک ہے تو یہ بھی شرک ہو اور اگر یہ جائز ہو تو وہ بھی جائز ہو یہ کیا نا انصافی ہے کہ اُسے شرک کہو اور اسے جائز رکھو جو خود دن رات کرو اسے تو جائز رکھو اور جو دوسرا کرے تو شرک و کفر پکارو اور اعتراض سے بچنے

کہ یہ فرق صورت و زیست نکالو تو ہم اوپر اس امر کو ثابت کر آئے کہ اولیائے کرام
کے واسطے حیات و ممات یکساں ہے وہ دراصل مرتے نہیں ہیں۔ ایک گھر سے
دوسرے گھر انتقال کرتے ہیں اور ہماری آنکھوں سے نہاں ہو جاتے ہیں ان کے
تصرفات مثل حیات ہی ہوتے ہیں اور یہ پیسہ بھی انھیں کے نام کا اور انہیں کی
نیاز و نذر کا مریض کے بازو پہ باندھا جاتا ہے اور بعد صحت اس کی شیرینی منگا کر
نیاز دے کر ایصال ثواب کرکے تقسیم کر دی جاتی ہے جیسے لوگ امام ضامن (جعفر صادق
صاحب) کی نیاز کا پیسہ کہتے ہیں یہ اس پیسہ کی اصل ہے اور نیاز نذر کا جواز ہم اوپر
تحریر کر آئے فانظر ثمہ۔

مسئلہ سہرا باندھنا شرک ہے۔ **اصلاح** پھولوں کا سہرا باندھنا
جیسا کہ رائج ہے مباح و جائز ہے ہرگز ہرگز شرک و کفر نہیں فتاویٰ رضویہ میں ہے
پھولوں کا سہرا باندھنا رسوم دنیویہ سے ایک رسم ہے اسکی ممانعت شرع مطہر
سے ثابت نہیں نہ شرع میں اس کے کرنے کا حکم آیا تو مثل اور تمام عادات و رسوم
مباحہ کے مباح رہے گا شرع شریف کا قاعدہ کلیہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور
رسول اچھا بتائیں وہ اچھی اور جس چیز کو وہ برا بتائیں وہ بری اور جس سے سکوت
فرمائیں یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلے نہ برائی وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے کہ
اس کے فعل و ترک میں ثواب نہ عقاب یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر جگہ
کام آوے گا آجکل مخالفین اہلسنت نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ جس چیز کو
چاہا شرک و حرام بدعت ضلالت کہنا شروع کر دیا اگرچہ وہ فعل صحابہ کرام تابعین
عظام یا ائمہ اعلام سے ثابت ہو اگرچہ وہ فعل اس نیک بات کے عموم و اطلاق میں
داخل ہو جس کی خوبیاں صریح قرآن و حدیث میں مذکور ہیں پھر سہرا وغیرہ رسمی
باتوں کی تو کیا حقیقت ہے اور اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اہل سنت سے پوچھتے ہیں
تم جو ان چیزوں کو جائز بتاتے ہو قرآن و حدیث میں کہاں جائز لکھا ہے کیا
اہلسنت پر لازم ہے کہ وہ جس جس چیز کو جائز و مباح بتائیں اس کی خاص صورت

حکم صریح قرآن و حدیث میں دکھائیں اور تم پر کچھ ضرور نہیں کہ جس چیز کو تم حرام و بدعت
گمراہی و شرک و کفر ٹھہراؤ خاص اس کی نسبت ان حکموں کی تصریح کتاب و سنت
میں دکھاؤ اس امر کی قدرے تفصیل مسئلہ قیام میں فقیر نے ذکر کی ہے جب
یہ قاعدہ شرعیہ معلوم ہو لیا تو سہرہ کا حکم خود ہی کھل گیا اب جو اسے حرام و بدعت
ضلالت و شرک و کفر بتائے وہ قرآن و حدیث میں دکھائے ورنہ خدا پر افترا اور شرع
تمہاری زبان کا نام نہیں کہ جسے چاہو بے دلیل حرام و ممنوع کہہ دو شرک و کفر بتا دو اور
سفہائے مخالفین جو اس قسم کے مسائل میں حدیث من احدث فی امرنا ھذا
وغیرہ پیش کرتے ہیں محض بے محل و اغوائے جہال ہے کہ اس قدر تو طائفہ اسمٰعیلیہ
کو بھی مسلم ہے کہ بدعت ضلالت وہی ہے جو بات دین میں نئی پیدا ہو دنیوی
عادات اور رسوم پر حکم بدعت نہیں ہو سکتا مثلاً انگرکھا پہننا پلاؤ کھانا دولہا
کو جامہ پہنانا دولہن کو پالکی میں بٹھانا اسی طرح سہرہ کہ اسے بھی کوئی دینی بات
سمجھ کر نہیں کرتا نہ بغرض ثواب کیا جاتا ہے بلکہ سب ایک رسم ہی جان کر کرتے
ہیں ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا ہو کہ اسے دینی بات جانے تو اس کے اس بیہودہ
سمجھ پر اعتراض صحیح ہے اسی طرح سہرہ کے باب میں حدیث من تشبہ بقوم
فہو منہم پیش کرنا اور یہ کہنا کہ ہندو سہرہ باندھتے ہیں تو ان سے مشابہت ہوگی
محض غلط کہ حدیث میں لفظ تشبہ مذکور ہے اور اس کے معنی اپنے آپ کو کسی کے مشابہ
بنانا ہیں تو حقیقۃً یا حکماً قصد مشابہت پایا جانا ضروری ہے مثلاً ایک شخص کوئی
فعل خاص اس نیت سے کرے کہ کفار کی سی شکل ہو جائے یا اگرچہ یہ ارادہ نہ کرے
مگر وہ فعل شعار کفار اور انکی علامت خاصہ ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں جیسے کہ
سر پر چوٹیا ماتھے پر ٹیکا گلے میں جنو الٹے پردے کا انگرکھا وعلیٰ ہذا القیاس تو بے
شک ان صورتوں میں ذم اور وعید وارد اور حدیث من تشبہ بقوم اس پر صادق
نہ یہ کہ مطلقاً کسی بات میں اشتراک موجب ممانعت ہو [illegible] انگرکھا ہم بھی پہنتے ہیں ہنود بھی

لہ بریکٹ کی عبارت اصل پر زائد کی گئی ہے کیونکہ ان سہرہ کو شرکیات پر داخل کیا ہے ۱۲ منہ

پھر کیا اس وجہ سے انگرکھا پہننا حرام ہو جائے گا اور سینے پرسے کا فرق کفایت نہ
کریگا اور کیا انگلیوں اور پنجوں کا نہ ہونا اور اس سہرے کی صورت ان کے سہرے سے جدا
ہونا کافی نہ ہوگا اصل بات یہ ہے کہ بہ بنائے تشبہ کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح
ہے کہ جب فاعل کا قصد مشابہت ہو وہ فعل اہل باطل کا شعار و علامت خاصّہ
ہو جس کے سبب وہ پہچانے جاتے ہوں یا اگر خود اس فعل کی ممانعت شرع مطہر
سے ثابت ہو تو بُرا کہا جائے گا ورنہ ہرگز نہیں اور سہرا ان سب باتوں سے
پاک ہے یہ قاعدہ ضرور یاد رکھنے کا ہے جس سے مخالفین کے اکثر اوہام کا علاج
ہوتا ہے در مختار میں بحر سے منقول التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شئی بل فی المذموم
وفیما یقصد بہ التشبہ اہل کتاب سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں بلکہ بری بات
میں اور جہاں ان سے مشابہت کا قصد کیا جائے مولٰنا علی قاری شرح فقہ اکبر
میں فرماتے ہیں انا ممنوعون من التشبہ بالکفرۃ واہل البدعۃ فی شعارھم
لا منہیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اہل
السنۃ او من افعال الکفرۃ واہل البدعۃ فالمدار علی الشعار
ہم کو منع ہے کہ کفار و اہل بدعت کے شعار میں تشبہ نہ کریں نہ یہ کہ ہر بدعت منع
ہے اگرچہ مباح ہو اب چاہے وہ اہل سنت کے افعال سے ہو یا کفار و مبتدعین
کے فعلوں سے تو مدار شعار پر ہے بالجملہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سہرا نہ شرعاً ممنوع
ہے نہ شرعاً ضروری یا مستحب بلکہ ایک دنیوی رسم ہے کی تو کیا اور نہ کی تو کیا
اس کے سوا جو کوئی اسے حرام گناہ بدعت ضلالت شرک و کفر بتائے وہ سخت
جھوٹا بد مذہب باطل اور جو اسے ضروری اور لازمی اور ترک کو موجب تشنیع جانے
وہ نرا جاہل ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم انتہٰی بلفظہ

مسئلہ گلے میں نارا ڈالنا یعنی رکھنا بدھی پہننا فقیر بنانا شرک ہے)

اصلاح یہ باتیں حقیقۃً ہرگز ہرگز شرک نہیں جیسا کہ ہم ذیل سرخی تحریر کر آئے

ہاں چوٹی رکھنے میں کفار کے ساتھ مشابہت ضرور ہے کہ وہ ان کا شعار ہے اور ہمیں کفار کے ساتھ مشابہت کرنا ممنوع و گناہ اور حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کے تحت میں داخل اس لیے مسلمان کو بچنا واجب اور بدھی پہنانا فقیر بنانا اگرچہ نہ شرک ہے نہ اس میں کفار سے مشابہت ہے تاہم فعل عبث ہے اس سے بھی باز رہنا لازم ہے رہا ناڑا گلے میں ڈالنا اس سے اگر وہ ڈور امراد ہے جسے ہندو گلے میں ڈالتے ہیں اور اسے جنیو بولتے ہیں تو بے شک وہ کفر ہے اور مسلمان کو اس سے باز رہنا واجب ہے اور اگر اس سے رنگا ہوا سوت مراد ہے جو بعض جاہل محرم میں گلے میں ڈالتے ہیں جسے کلاوہ بولتے ہیں تو وہ فعل عبث ہے نہ ڈالنا بہتر ہے۔

مسئلہ علی بخش حسین بخش عبد النبی وغیرہ نام رکھنا دشرک ہے)

اصلاح یہ اور ان کی مثل اور نام جیسے محمد بخش احمد بخش نبی بخش رسول بخش عطا محمد عطا علی غلام نبی غلام رسول غلام جیلانی غلام صابر وغیرہ نام رکھنا بلا شبہہ جائز و روا ہیں انہیں شرک و کفر کہنا سخت جھوٹ اور شرع مطہر پر افترا ہے انہیں شرک کہنے والے نے نہ فقط عباد اللہ و امت رسول اللہ کو مشرک بنایا بلکہ خدا اور رسول کو بھی مشرک ٹھہرایا کہ عبد کی نسبت و اضافت غیر خدا کی طرف شائع و ذائع قرآن و حدیث و کلام ائمہ قدیم و جدید میں موجود اللہ عزوجل فرماتا ہے وَانْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ یعنی بے شوہر عورتوں اور اپنے نیک بندوں اور باندیوں کا نکاح کر دو۔

دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ عبد زید عبد عمرو بکر وغیرہ فرما رہا ہے عبد کی نسبت و اضافت تمہاری میری سب کی طرف کر رہا ہے مگر وہابیہ کے یہاں اضافت عبد الی غیر اللہ دیکھکر عبد النبی عبد مصطفےٰ سن کر آتش غیظ بھڑکتی ہے شرک و کفر کی سوجھتی ہے قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے تبارک و تعالےٰ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ

أَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۝ اے حبیب تم گنہگاران امت سے یوں کہدو کہ اے میرے عبدو بندو تم خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو بیشک اللہ تم سب کے گناہ بخشدے گا دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ تمام امت کو عبد النبی عبد الرسول بتارہا ہے اور حضور ہی کی طرف عبد کی اضافت کررہا ہے مگر وہابیہ کے نزدیک وہ شرک ہے العیاذ باللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقۃ مسلمان پر اس کی سواری کے گھوڑے اور خدمت کے عبد بندے پر زکوٰۃ نہیں ہے (رواہ الشیخان والاربعۃ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لوگوں کے غلاموں کو ان کی طرف نسبت کرنا عبد عمرو بکر وغیرہ کہنا زمانہ صحابہ کرام وتابعین عظام و ائمہ اعلام سے اب تک برابر شائع ہے اعتق عبدہ وہب عبدہ کاتب عبدہ باع عبدہ وہب عبدہ سے تمام کتب فقہ و حدیث بھری ہوئی ہیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدائے خلافت مجمع عام صحابہ کرام میں خطبہ فرمایا اس میں ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ میری شدت سختی سے ڈرتے اور خوف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمر ہم پر حضور کی حیات ہی میں پھر صدیق اکبر کے زمانۂ خلافت میں کہ اس وقت وہ حاکم بھی نہ تھے شدت فرمایا کرتے تھے اب کیا کہنا ہے کہ خود حاکم ووالی ہیں، جس نے ایسا کہا سچ کہا کنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکنت عبدہ وخادمہ (الحدیث) میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا میں حضور کا بندہ حضور کا خادم تھا یعنی عبد الرسول عبد مصطفیٰ تھا۔ جب حضرت امیر المومنین

لہ رواہ ابو حذیفہ اسحٰق ابن البشر فی فتوح الشام وابن البشران فی امالیہ عن ابن شہاب الزہری وغیرہم من اہل العلم ورواہ ایضا الحسن ابن البشران فی فوائدہ ابو احمد الدہقانی فی الشافی عن حذیفہ وابن عساکر فی تاریخہ کلہم عن سعید ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو تو شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں ذکر فرمایا ہے ۱۲ منہ

نائب سید المرسلین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال کو آزاد کر کے حاضر بارگاہِ رسالت ہوئے تو یوں عرض کی جیسے مولانا روم علیہ الرحمۃ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

گفت ما دو بندگان کوئے تو ‌ ‌ ‌ ‌ کردمش آزاد ہم بر روئے تو

حضور میں اور بلال دونوں حضور کے عبد حضور کے بندے ہیں میں نے بلال کو حضور ہی کے لیے آزاد کر دیا دیکھو جانشین مصطفےٰ نائب حبیب کبریا اپنے آپ کو عبد النبی عبد الرسول فرما رہے ہیں حضور کا بندہ حضور کا غلام کہہ رہے ہیں وہابیہ کے نزدیک یہ بھی شرک تو عوام بیچاروں کی کیا حقیقت مگر مسلمان تو اپنے آپ کو حضور کا عبد و بندہ ہی کہیں گے اور حضور کو اپنا مولا و آقا ہی سمجھیں گے جو اپنے آپ کو حضور کا مملوک اور حضور کو اپنا مالک نہ جانے وہ سچا مسلمان ہی نہیں حلاوت ایمان سے خبردار ہی نہیں جس کی تصریح زرقانی شفا شریف وغیرہ میں موجود اور تفصیل فتاویٰ رضویہ شریف میں مذکور پھر وہابیہ کا حدیث لا یقولن احدکم عبدی و امتی کو یہاں پیش کرنا محض بے محل و بے علاقہ کہ حدیث میں تعلیم تواضع و نفی تکبر اور آقاؤں کو ارشاد ہے کہ اپنے غلاموں کو اپنا عبد نہ کہو نہ یہ کہ غلام بھی اپنے کو اپنے مولا کا عبد یا دوسرے لوگ انھیں ان کے مولا کا عبد نہ کہیں کہ الٰہی آیۂ مذکورہ میں عبادکم و امائکم فرمایا تمھارے عبد تمھاری باندیاں کہا اور بعض علماء سے جو عبد فلاں کا عدم جواز منقول ہے وہ محض بخوف اعتقاد عبدیت ہے نہ بنا بر نہی عن الشرع نیز نہی عبد فلاں سے عبد الدار و عبد الشمس وغیرہ اسمائے جاہلیت مقصود ہیں عبد النبی وغیرہ کو اس میں داخل کرنا ہی خلاف مقصود اور نصوص صریحہ کے مقابل بے سود ہاں جو ایسے نام بارادۂ اعتقاد عبودیت رکھے تو ظاہر طور پر ناجائز بلکہ شرک فمن قال ھٰذا شرک اراد ھٰذا حاشا عبد النبی وغیرہ نام رکھتے وقت کسی مسلمان کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ میں حقیقۃً نبی کا

عبد ہوں، وہ میرے معبود ہیں، کہ شانِ مسلم سے یہ امر کوسوں بعید ہے علماء فرماتے ہیں فانا لانسیئ الظن بالمسلم انما ینشؤ الظن الخبیث عن القلب الخبیث تو ہیں علی بخش حسین بخش وغیرہ نام رکھنا بھی جائز ہیں شرک تو در کنار ناجائز بھی نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا جبریل نے مریم سے کہا میں تجھے ستھرا بیٹا عطا کروں اللہ اللہ اب تو جبرئیل بیٹا دے رہے ہیں بھلا نجدیہ کے یہاں اس سے بڑھکر اور کیا شرک ہوگا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وہابیہ تو اسی کو روتے تھے کہ علی بخش حسین بخش وغیرہ نام رکھنا شرک ہے یہاں تو قرآن عظیم سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جبرئیل بخش بتا رہا ہے وللہ الحجۃ البالغہ نیز اعلام و اسماء میں وقت علمیت معانی حقیقۃ ملحوظ نہیں ہوتے خصوصًا جہاں کو کہ ابہام ہو یوں تو جب کوئی لفظ کسی دوسرے معنی میں استعمال ہوگا تو اس کے معنی حقیقی کی طرف ذہن جائیگا تو چاہیے کہ باب مجاز بند اور باب اشتراک مسدود ہو گیا زید کو اسد کہتے وقت شیر کی طرف ذہن سبقت نہ کرے گا کیا عین بولتے وقت اس کے دیگر معانی کی طرف خیال نہ جائے گا ضرور جائے گا مگر وہ مقصود نہ ہوں گے اسی طرح عبد النبی علی بخش وغیرہ نام رکھتے وقت ان کے معانی حقیقۃً ملحوظ و مقصود نہیں ہوتے ہیں مسمّی مقصود ہوتا ہے تو کیسے کوئی عاقل انہیں شرک یا ناجائز کہہ سکتا ہے ان سب امور کی بحث شافی فتاوے رضویہ میں کی گئی ہے جواز الرّاد ہام وہابیہ کے لیے بحمد اللہ کافی ووافی ہے۔

مسئلہ کسی جانور پر کسی بزرگ کا نام لگا کر اس کا ادب کرنا شرک ہے۔

اصلاح ادب تو ہر امر میں محبوب و پسندیدہ ہے مگر جانور کا ادب کیا ہوگا یہی نہ کہ اس کی اچھی طرح غور و پرداخت کی جائے دانہ چارہ پانی کی خبر رکھی جائے اس میں کمی نہ کی جائے تکلیف سے بچایا جائے آرام سے رکھا جائے اور یہ تو ہر جانور والا اپنے نام کے جانور کے ساتھ کرتا ہے تو پھر اس میں خورد و بزرگ کی کیا تخصیص مگر یہ کہ وہابیہ کے نزدیک تو محض جانور کو کسی بزرگ کیجانب

نسبت و اضافت کرنا کسی ولی اللہ کے نام زد کرنا ہی شرک ہے کما مر سابقاً ادب کا لفظ تو مزید برآں ہے مگر وہ بھی بطریق مذکور ردا ہے کہ کسی جانور کو کوئی ادباً اپنے سر پر نہیں بٹھاتا ہے اس کے سامنے رکوع و سجود و قیام نہیں کرتا ہے دست بستہ اس کے روبرو کھڑا نہیں رہتا ہے۔ پھر شرک کیسا۔ اور یوں کرنا بھی شرک نہیں کما مر۔

مسئلہ کسی بزرگ کا نام بطور وظیفہ جپنا **شرک ہے**۔ مسلمانو دیکھو اس قول سے نہ صرف عوام بلکہ تمام مشائخ کرام و ائمہ عظام و علمائے اعلام معاذ اللہ مشرک ٹھہرتے ہیں کہ اکثر مشائخ طریقت و علمائے شریعت قدست اسرارہم نے متعدد قسم کے وظیفے ایجاد کیے اور اپنے مریدوں معتقدوں کو تعلیم فرمائے کہ جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و دیگر محبوبان خدا کے نام موجود اور روزانہ صبح و شام وغیرہ اوقات میں موافق اعداد معینہ پڑھے جاتے ہیں اور صدہا مسلمانوں کو ورد ہیں۔ خصوصاً شجرات عالیہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے ہر مرید کی ورد زبان اور وظیفہ صبح و مسا رہتے ہیں سیما وظیفہ درود شریف کہ جس کے صدہا صیغے مشائخ کرام نے ایجاد کیے اور بعض خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہوئے اور سیکڑوں مسلمان روزانہ صبح و شام بلکہ بعض اہل ایمان ہر وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے درود شریف ورد زباں رکھتے ہیں اور دلائل الخیرات و درود اکبر و درود تاج وغیرہ کو روزانہ بطور وظیفہ پڑھتے ہیں جس میں صدہا بار حضور اقدس سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی لینا اسم گرامی جپنا پڑتا ہے۔ حضار روضۂ اقدس کا ہر وقت یہی وظیفہ رہتا ہے اور یہی وظیفہ ہمیں قرآن و حدیث نے تعلیم فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ اے ایمان والو میرے حبیب پر درود و سلام بھیجا کرو اور ظاہر کہ آیۂ مذکورہ میں حضور پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کو کسی صیغہ کسی وقت کسی عدد کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا گیا ہے تو مسلمان جس طرح جس وقت جس قدر چاہیں پڑھیں شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے اساتذہ و مشائخ کرام

وظیفہ نادعلی کی اپنے مریدوں اور مستفیدوں کو اجازت دیتے لیتے رہے جس میں
حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ کا نام تین چار جگہ مذکور اور جب اسے چند بار پڑھا جائے
تو ہر بار زیادہ ہوتا جائے جس کی ترکیب یوں تعلیم فرمائی نادعلی را ہفت بار یا سہ بار
یا یک بار بخوانند الخ مگر وہابیہ کے نزدیک یہ شرک جلی و کفر صریح اور اس قول کی بنا
پر وظیفہ نادعلی اور وظیفہ درود شریف اور شجرات عالیہ اور دلائل الخیرات و درود
اکبر وغیرہ کا پڑھنا سب شرک اور ایجاد کرنے والے اجازتیں دینے والے
سب مشرک۔ العیاذ باللہ تعالی۔

مسئلہ شگون لینا شرک ہے۔ **اصلاح** مطلقاً شگون لینا کسی شئے
سے فال اخذ کرنا ہرگز ہرگز شرک و کفر نہیں اور نہ ممنوع و ناجائز ہے بلکہ بدفالی
و بدشگونی ممنوع و مذموم ہے مثلاً کوئی کہیں کو کسی کام کو جارہا تھا راہ میں کانا ملگیا
لومڑی راہ کاٹ گئی اور مثل انکے اور چیزوں سے بدفالی لینا اور اس کے باعث
کام سے باز رہنا سفر کو نہ جانا یہ ممنوع و ناجائز ہے مگر شرک یہ بھی نہیں ہے تاوقتیکہ
اعتقاد و یقین اس کا نہ کرے حدیث میں اسی کو شرک و خبیث فرمایا گیا ہے یعنی
بدشگونی سبب شرک اور افعال مشرکین سے ہے اور اعتقاد و جزم و یقین اس کا
شرک و کفر ہے شیخ محقق مولنا عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح
مشکوۃ میں تحت حدیث مذکورہ فرماتے ہیں فال بد گرفتن از اعمال مشرکان است

و موجب شرک خفی و اگر بجزم اعتقاد کند کہ البتہ چنیں خواہد شد آں خود بیشک کفر است
اور فال نیک اخذ کرنا شگون نیک لینا بے شبہہ محمود و مسنون آنحضرت صلی اللہ
تعالی علیہ وسلم اکثر فال نیک اخذ کیا کرتے تھے شگون نیک لیا کرتے تھے اور اس سے
خوش ہوتے تھے تو اسے شرک کہنا یا ممنوع و ناجائز بتانا شرع مطہر پر صریح
افترا اور سنت رسول اللہ پر سخت جرأت ہے اور اسے اطلاق میں داخل کرنا
بڑی غلطی اور عوام کو دھوکہ دہی ہے صراحتاً احادیث میں وارد ہوا ہے کہ کان
رسول اللہ صلے اللہ تعالی علیہ وسلم یتفاءل ولا یتطیر رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فال نیک لیا کرتے تھے بدفالی نہیں لیتے تھے وکان یحب التفاؤل ویکرہ الطیرۃ حضور فال نیک کو محبوب رکھتے تھے اور فال بد کو مکروہ اور برا سمجھتے تھے شیخ محقق شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں فال نیک گرفتن محمود ست و سنت و آنحضرت فال نیک بسیار می گرفت خصوصاً از نام ہائے آدمیاں و جاہا و فال بد گرفتن منہی و مذموم ست۔

مسئلہ یوں کہنا کہ خدا اور رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا شرک ہے۔

اصلاح ہاں ہاں حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں یوں کہنا کہ اللہ و رسول چاہے گا تو ایسا کروں گا یا ایسا ہوگا۔ شائع و ذائع تھا غلامان مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی بول چال میں روزمرہ یوں ہی کہا کرتے تھے۔ اور حضور نہ اسے شرک کہتے تھے نہ کفر بتاتے تھے نہ صحابہ کرام کو اس طرح کہنے سے منع فرماتے تھے مگر جب وہابیہ خیال کے ایک یہودی یا یہودی گمان کے وہابیہ نے بدگمانی کی تو حضور نے صحابہ کرام پر سے بدگمانی دور فرمانے کے لیے صرف واو کو ثم سے بدل دیا یعنی یوں فرما دیا کہ تم لوگ بجائے واو کے ثم بولا کرو اللہ و رسول کی جگہ اللہ پھر رسول چاہے گا تو ایسا ہوگا کہا کرو تاکہ گمان مساوات مشیت تم پر سے اٹھ جائے اور تمہارا مقصود برقرار رہے تو معلوم ہوا کہ یوں بولنا اللہ و رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا شرک و کفر نہیں اگر شرک ہوتا تو حضور قطعاً ممانعت فرما دیتے واو کو ثم سے نہ بدلتے کہ واو اور ثم دونوں حرف عطف ہیں بلکہ واو سے مساوات سمجھنا ہی عقل کا قصور سمجھ کا فتور ہے کہ واو مطلق جمع کے لیے آتا ہے نہ مساوات کے لیے ہاں اگر کوئی جاہل یا زادہ مساوات بولے اور حضور کو اللہ کا شریک مانے تو ضرور شرک نگر وہ کونسا مسلمان ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت کا شریک مانتا ہوگا یوں تو اگر بزعم وہابیہ واو مساوات کے لیے ہوگا تو جا بجا قرآن و حدیث میں مساوات فی الاوصاف لازم آئے گی اور رسالت الوہیت کے شریک فی الصفات ٹھہرے گی۔

اور قرآن عظیم کی صفت تعلیم توحید تعلیم شرک سے بدل جائے گی اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے وما نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ اور انھیں کیا بُرا لگا یہی نہ کہ غنی کر دیا انہیں اللہ اور اللہ کے رسول نے حدیث میں ہے ما ینقم ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن جمیل کو کیا بُرا لگا یہی نہ کہ وہ محتاج تھا پس غنی کر دیا اسکو اللہ اور اللہ کے رسول نے غنی کر دینا حقیقۃً صفت باری تعالیٰ مگر بواسطہ واؤ حضور پر بھی اس کا اطلاق کیا گیا وہابیہ آئیں اور مساوات با لواؤ نکال کر اللہ و رسول پر شرک کا فتویٰ لگائیں ترمذی وابن ماجہ کی حدیث میں ہے اللہ ورسولہ مولی من لا مولی لہ اللہ اور اللہ کا رسول والی اور نگہبان ہے جس کا کوئی والی ونگہبان نہو بخاری ومسلم کی ایک بڑی حدیث میں ہے کہ جب حضور نے اپنے احسانات انصار کو شمار کرا کر جواب طلب کیا تو انصار نے یوں عرض کی اللہ ورسولہ آمن وافضل اللہ اور اللہ کے رسول کا احسان زائد ہے اللہ اور اللہ کے رسول کا فضل بڑا ہے۔ یہاں فضل احسان تحفظ ونگہبانی میں بنا بر مذہب وہابیہ مساوات لازم ہوئی بیہقی کی حدیث میں ہے موتان الارض للہ ورسولہ وفی روایۃ عادی الارض للہ ورسولہ قدیم بنجر زمیں اللہ اور اللہ کے رسول کی ہے بخاری کی حدیث میں ہے اعلموا ان الارض للہ ورسولہ زمین کا مالک اللہ اور اس کا رسول ہے یہاں ملک میں مساوات ہوئی زمین میں اللہ ورسول کی شرکت بحصہ برابر ہوئی کہیں آسمان میں بھی ایسا ہی نہ ہو کہ فساد لازم آئے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ایک تصویر دار قالین خریدا حضور باہر سے تشریف لائے دروازہ میں رونق افروز رہے اندر قدم رنجہ نہ فرمایا حضرت صدیقہ نے ناراضگی محسوس فرمائی عرض کی یارسول اللہ اتوب الی اللہ ورسولہ ماذا اذنبت یارسول اللہ۔

میں اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ چالیس صحابہ کرام مسئلہ جبر وقدر میں بحث کرنے

لگے جبریل نے آکر عرض کی یا رسول اللہ اپنی امت کی خبر لیجیے کہ انھوں نے نئی راہ نکالی ہے حضور اُسی وقت تشریف فرما ہوئے چہرۂ مبارک غصہ سے سرخ ہو رہا تھا صحابہ کرام یہ دیکھتے ہی کانپتے اور تھرتھراتے کھڑے ہوئے اور عرض کی اتنبا الی اللہ ورسولہ ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف توبہ کی۔ یہاں حضرت صدیقہ واجلہ صحابہؓ جن میں صدیق اکبر و عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہم بھی تھے اللہ تواب کے ساتھ توبہ میں حضور کا نام بھی اسی واؤ مساواتیہ کے ساتھ ملایا حضور کو بھی تواب بنایا مگر حضور نے شرک تو درکنار منع تک نہ فرمایا و رجہ قبولیت عطا فرمایا حالانکہ توبہ بھی اللہ ہی کے لیے ہے نہ غیر اللہ کے لیے وہابیہ بنا برین قول سب پر شرک کا فتوی لگائیں اور اللہ ورسولہ اعلم پر کہ مقولہ عامہ صحابہ تھا جامہ سے باہر ہو جائیں غرضکہ اس قسم کی بہت سی مثالیں تلاش کرنے سے قرآن وحدیث میں ملیں گی کہ جن میں واؤ عاطفہ اگر مساوات کے لیے مانا جائے گا جیسا کہ وہابیہ کہتے ہیں تو شرک لازم آئے گا۔ اب ہم یہاں حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالے عنہ کا کچھ کلام اس مسئلہ کے متعلق نقل کرتے ہیں جیسے اسمٰعیل دہلوی کے اسی قول کے رَدّ میں تحریر فرمایا ہے وھو ہذا اور بڑھکر سنئے امام الوہابیہ نے شرک فی العبادۃ کے بیان میں لکھا پھر جو کوئی کسی انبیاء اولیاء بھوت پری کی اس قسم کی تعظیم کرے جیسے اولاد کا نام عبد النبی امام بخش رکھے کھانے پینے پہننے میں رسموں کی سند پکڑے یا یوں کہے اللہ ورسول چاہے گا تو میں آؤنگا یا پیغمبر کی قسم کھاوے سو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے اس کو اشراک فی العادۃ کہتے ہیں پھر اسی شرک کی فصل میں اس مدعا کے ثبوت کو مشکوٰۃ کے باب الاسامی سے شرح السنہ کی حدیث بروایت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ لایا کہ سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَقُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰہُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَقُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ نہ کہو کہ جو چاہے اللہ اور محمد صلی اللہ تعالے علیہ وسلم یوں کہو کہ جو چاہے ایک اللہ اور اس پہ یہ فائدہ چڑھایا۔ یعنی جو کہ اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق

کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملا دے گو کیسا ہی بڑا ہو۔ مثلاً یوں نہ بولے کہ اللہ و رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا کہ سارا کاروبار جہان کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا **اقول** و باللہ التوفیق اولاً وہی قدیم لت وہی پرانی علت کہ دعوے کے وقت آسمان نشین اور دلیل لانے میں اسفل السافلین۔ حدیث میں ہے تو اتنا کہ یوں نہ کہو۔ وہ شرک کا حکم کدھر گیا **ثانیاً** سخت عیاری و مکاری کی چال مثلاً مشکوٰۃ شریف کے باب مذکور میں حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں مذکور تھی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقولوا ما شاء اللہ وشاء فلان ولکن قولوا ما شاء اللہ ثم شاء فلان نہ کہو جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں بلکہ یوں کہو جو چاہے اللہ اور پھر چاہے فلاں مشکوٰۃ میں اسے مسند امام احمد و سنن ابی داؤد شریف کی طرف نسبت کرکے فرمایا رواہ منقطعاً اور ایک روایت منقطع یعنی جس کی سند نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل نہیں۔ یوں آئی ہے یہاں، وہ روایت شرح السنہ ذکر کی ہوشیار عیار نے دیکھا اصل حدیث تو اس کے دعوے شرک کو داخل جہنم کیے دیتی ہے اُسے صاف الگ اڑا گیا اور فقط یہ منقطع روایت نقل کر لایا۔ کیا یہ سمجھتا تھا کہ مشکوٰۃ اہل علم کی نظر سے نہاں ہے۔ نہیں نہیں خوب جانتا تھا کہ مبتدی طالب علم حدیث میں پہلے اسی کو پڑھتا ہے۔ مگر اُسے تو ان بیچارے عوام کو چھلنا مقصود تھا۔ جنھیں علم کی ہوا نہ لگی۔ سمجھ لیا کہ ان پر اندھیری ڈال ہی لوں گا۔ اہل علم نے اور کونسی مانی ہے کہ اسی پر معترض ہوں گے
ع اس آنکھ سے ڈریئے جو خدا سے نہ ڈرے آنکھ **ثالثاً** امام الوہابیہ کا تو مبلغ علم یہی مشکوٰۃ ہے۔ ہم اس مطلب[۱۲] کی احادیث اول ذکر کریں پھر بتوفیقہ تعالیٰ ثابت کر دکھائیں کہ یہی حدیثیں اس کے شرک کا کیسا سر توڑتی ہیں اول تو یہی حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہ احمد و ابی داؤد نے یوں مختصراً اور ابن ماجہ نے بسند حسن اس طرح مطولاً روایت کی

ان رجلا من المسلمین رای فی النوم انہ لقی رجلا من اہل الکتاب فقال نعم القوم انتم لولا انکم تشرکون تقولون ما شاء اللہ و شاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وذکر ذلک للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ فقال اما واللہ ان کنت لا عرفہا لکم قولوا ما شاء اللہ ثم شاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ یعنی اہل اسلام سے کسی صاحب کو خواب میں ایک کتابی ملا وہ بولا تم بہت خوب لوگ ہو اگر شرک نہ کرتے کہتے ہو جو چاہے اللہ اور چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُن مسلم نے یہ خواب حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی۔ فرمایا سنتے ہو خدا کی قسم تمہاری اس بات پر مجھے بھی خیال گزرتا تھا یوں کہا کرو جو چاہے اللہ پھر جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ وطبرانی وبیہقی وغیرہم نے بھی روایت کی ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اذا حلف احدکم فلا یقل ما شاء اللہ وشئت ولکن لیقل ما شاء اللہ ثم شئت جب تم میں کوئی شخص قسم کھائے تو یوں نہ کہے کہ جو چاہے اللہ اور میں چاہوں۔ ہاں یوں کہے کہ جو چاہے اللہ پھر میں چاہوں۔

نیز ابن ماجہ واحمد وبغوی وابن قانع وغیرہم نے یہی مضمون طفیل بن سنجرہ برادر مادری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ انھیں خواب میں کچھ یہودی ملے انھوں نے ابنیت عزیز علیہ الصلاۃ والسلام ماننے کا ان پر اعتراض کیا انھوں نے کہا تم خاص کامل لوگ ہو اگر یوں نہ کہو کہ جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پھر کچھ نصاریٰ ملے اُن سے بھی ابنیت مسیح کے جواب میں یہی سُنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خواب عرض کیا حضور نے خطبہ میں بعد حمد وثنائے الٰہی فرمایا انکم کنتم تقولون کلمۃ کان یمنعنی الحیاء منکم ان انہاکم عنہا لا تقولوا ما شاء اللہ

وما شاء محمد تم لوگ ایک بات کہا کرتے تھے مجھے تمہارا لحاظ روکتا تھا کہ تمہیں اس سے منع کردوں یوں نہ کہو جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنن نسائی میں بسند صحیح بطریق مسعر عن معبد بن خالد عن عبد اللہ بن یسار قتیلہ بنت صیفی جہنیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے ان یہودیا اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال انکم تندون وانکم تشرکون تقولون ماشاء اللہ وشئت وتقولون والکعبۃ فامرھم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا ارادوان یحلفوا ان یقولوا ورب الکعبۃ ویقولوا ماشاء اللہ ثم شئت یعنی ایک یہودی نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی بیشک تم لوگ اللہ کا برابر والا ٹھہراتے ہو بیشک تم لوگ شرک کرتے ہو یوں کہتے ہو کہ جو چاہے اللہ اور چاہو تم۔ اور کعبہ کی قسم کھاتے ہو۔ اس پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ قسم کھانا چاہیں تو یوں کہیں رب کعبہ کی قسم اور کہنے والا یوں کہے جو چاہے اللہ پھر چاہو تم یہ حدیث سنن بیہقی میں بھی ہے نیز ابن سعد نے طبقات اور طبرانی نے معجم کبیر میں بطریق مذکور مسعر اور ابن منده نے بطریق المسعودی عن معبد الجدلی عن ابن یسار الجہنی عن قتیلۃ الجہنیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کی اور امام احمد نے مسند میں اسی طریق مسعودی سے بسند صحیح یوں روایت فرمائی حدثنا یحیی بن سعید یحیی المسعودی ثنی معبد بن خالد عن عبد اللہ بن یسار عن قتیلۃ بنت صیفی الجہنیۃ قالت اتی حبر من الاحبار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا محمد نعم القوم انتم لولا انکم تشرکون قال سبحٰن اللہ وما ذاک قال تقولون اذا حلفتم والکعبۃ قالت فامہل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شیئا ثم قال انہ قد قال فمن حلف فلیحلف برب الکعبۃ قال یا محمد نعم القوم انتم لولا انکم تجعلون للہ

ندا قال سبحن اللہ وماذاک قال تقولون ما شاء اللہ و شئت قالت فامہل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شیئا ثم قال انہ قد قال فمن قال ما شاء اللہ فلیفصل بینھما ثم شئت یعنی یہود کے ایک عالم نے خدمت اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی اے محمد آپ بہت عمدہ لوگ ہیں اگر شرک نہ کیجئے فرمایا سبحن اللہ یہ کیا کہا آپ کعبہ کی قسم کھاتے ہیں اس پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ مہلت دی یعنی ایک مدت تک کچھ ممانعت نہ فرمائی پھر فرمایا یہودی نے ایسا کہا ہے تو اب جو قسم کھائے وہ رب کعبہ کی قسم کھائے یہودی نے عرض کی اے محمد آپ بہت عمدہ لوگ ہیں اگر اللہ کا برابر والا نہ ٹھہرایئے۔ فرمایا سبحن اللہ یہ کیا کہا آپ کہتے ہیں جو چاہے اللہ اور چاہو تم۔ اس پر بھی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مدت تک کچھ نہ فرمایا پھر فرمایا اس یہودی نے ایسا کہا ہے تو اب جو کہے کہ جو چاہے اللہ تعالیٰ تو دوسرے کے چاہنے کو جدا کر کے کہے پھر جو چاہو تم۔ بحمد اللہ یہ احادیث کثیرہ صحیحہ جلیلہ متصلہ کتب صحاح سے ہیں امام الوہابیہ نے ان سب کو بالائے طاق رکھ کر شرح السنہ کی ایک روایت منقطعہ دکھائی اور بحمد اللہ اس میں بھی کہیں اپنے حکم شرک کی بو نہ پائی

اقول و باللہ التوفیق اب بفضلہ تعالیٰ ملاحظہ کیجئے کہ یہی حدیثیں اسکے دعوے شرک کو کس کس طرح جہنم رسید فرماتی ہیں اولاً ان احادیث سے ثابت کہ صحابۂ کرام میں یہ قول کہ اللہ و رسول چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا یا اللہ اور تم چاہو تو یوں ہوگا شائع و ذائع تھا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر مطلع تھے اور انکار نہ فرماتے تھے بلکہ اس عالم یہود کے ظاہر الفاظ تو یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی ایسا فرمایا کرتے تھے۔ امام الوہابیہ اسے شرک کہتا ہے تو ثابت ہوا کہ اسکے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شرک کرتے تھے اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منع نہ فرماتے۔ ثانیاً حدیث طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لفظ دیکھو کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس لفظ کا خیال مجھے بھی گزرتا تھا

مگر تمھارے لحاظ سے منع نہ کرتا تھا جب یہ لفظ امام الوہابیہ کے نزدیک شرک ٹھہرا تو معاذ اللہ نبی نے دانستہ شرک کو گوارا کیا اور اس سے ممانعت پر اپنے یاروں کے لحاظ پاس کو غلبہ دیا امام الوہابیہ کے یہاں یہ نبوت کی شان ہے والعیاذ باللہ رب العلمین۔ ثالثًا ایک یہودی نے آکر اعتراض کیا کے بعد حکم ممانعت ہوا تو امام الوہابیہ کے نزدیک صحابہ کرام بلکہ سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سچی توحید اور اس پر استقامت کی تاکید ایک یہودی نے سکھائی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ رابعًا قتیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث صحیح دیکھو اس یہودی کی عرض پر بھی فورًا حضور نے ممانعت نہ فرمائی بلکہ ایک زمانہ کے بعد خیال آیا اور فرمایا وہ یہودی اعتراض کر گیا ہے اچھا یوں نہ کہا کرو تو امام الوہابیہ کے نزدیک اللہ کے رسول نے آپ تو شرک سے نہ روکا یا شرک کو شرک نہ جانا جب ایک کافر نے بتایا اس پر بھی ایک مدت تک شرک کو روا رکھا پھر ممانعت بھی کی تو یوں نہیں کہ شرک کی برائی سے بلکہ یوں کہ ایک مخالف اعتراض کرتا ہے۔ لہٰذا چھوڑ دو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ خامسًا ان سب دقتوں کے بعد جو تعلیم فرمائی وہ بھی یہاں آتش در کاسہ لائی ارشاد ہوا کہ یوں کہا کرو کہ جو چاہے اللہ پھر چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یہ کام ہو گا۔ امام الوہابیہ کے لفظ یاد کیجیے کہ یہ خاص اللہ کی شان ہے اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مسلمانوں بللہ انصاف جو بات خاص شان الٰہی عز جلالہ ہے جس میں کسی مخلوق کو کچھ دخل نہیں اس میں دوسرے کو خدا کے ساتھ داور کہہ کر ملایا تو کیا دپھر کہہ کر ملایا تو کیا۔ شرک ہے کیونکر نجات ہو جائیگی مثلًا آسمان و زمین کا خالق ہونا اپنی ذاتی قدرت سے تمام اولین و آخرین کا رازق ہونا خاص خدا کی شانیں ہیں کیا اگر کوئی یوں کہے کہ اللہ و رسول خالق السمٰوات والارض ہیں اللہ و رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق عالم ہیں جب ہی شرک ہو گا اور اگر کہے کہ اللہ پھر رسول خالق السمٰوات والارض ہیں پھر رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق جہان ہیں تو شرک نہ ہو گا مسلمانو ان گمراہوں کے لیے امتحان کے لیے انکے سامنے یوں ہی کہتے

کہ اللہ پھر رسول عالم الغیب ہیں اللہ پھر رسول ہماری مشکلیں کھولدیں یہ بھی تو یہ حکم شرک جتے ہیں یا نہیں اسی لیے تو یہ عبارت مشکوٰۃ کی اس حدیث متصل صحیح ابی داؤد کی میر بحری بچا گیا تھا جس میں لفظ پھر کے ساتھ اجازت ارشاد ہوئی تھی تو ثابت ہوا کہ اس مرتد کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودی کا اعتراض پاکر بھی جو تبدیلی کی وہ خود شرک کی شرک ہی رہی۔

مسلمانو یہ حاصل ہے رسول کی جناب میں اس گستاخ کے اعتقاد کا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ○

یہ تو ان کے طور پر نتیجہ احادیث تھا اور ہم اہل حق کے طور پر پوچھو تو اقول وباللہ التوفیق بحمداللہ تعالیٰ[223] نہ صحابہ نے شرک کیا نہ معاذ اللہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرک سنکر گوارا فرمانا کسی کے لحاظ پاس کو کام میں لانا ممکن تھا نہ یہودی مرتد تعلیم توحید کر سکتا تھا۔ بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ مشیت حقیقیہ ذاتیہ مستقلہ اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے اور مشیت عطائیہ تابعہ لمشیۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کو عطا کی ہے۔ مشیت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کائنات میں جیسا کچھ دخل عظیم بہ عطائے رب کریم جل جلالہ ہے وہ ان تقریرات جلیلہ سے کہ ہم نے زیر حدیث[224] ذکر کیں واضح و آشکار ہے۔ اسی مشیت مبارکہ عطائیہ کے باعث صحابہ کرام نام الٰہی عز جلالہ کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک ملاکر کہا کرتے کہ اللہ و رسول چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا مگر از آنجا کہ طریق ادب سے اقرب و انسب یہ ہے کہ مشیت ذاتیہ و مشیت عطائیہ میں فرق مراتب نفس کلام سے واضح ہو کہ کسی احمق کو توہم مساوات نہ گزرے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کلمہ پر خیال گزرتا تھا پھر ملاحظہ فرماتے کہ یہ اہل توحید ہیں معنی و حق و صدق نہیں ملحوظ ہیں محبت خدا و رسول اور نام پاک خلیفۃ اللہ الاعظم جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبرک و توسل انہیں اس قول پر باعث ہے اور بات فی نفسہ

شرعاً ممنوع نہیں کہ واو مطلق جمع کے لیے ہے نہ مساوات نہ معیت کے واسطے لہذا منع نہ فرماتے تھے جب اس یہودی خبیث نے جس کے خیالات امام الوہابیہ کے مثل تھے اعتراض کیا اور معاذ اللہ شرک کا الزام دیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے کریم کا زیادہ رجحان اسی طرف ہوا کہ ایسے لفظ کو جس میں احمق بدعقل مخالف جائے طعن جانے دوسرے سہل لفظ سے بدل دیا جائے کہ صحابہ کرام کا مطلب تبرک و توسل برقرار رہے اور مخالف کج فہم کو گنجائش نہ ملے مگر یہ بات طرز عبارت کے ایک گونہ آداب سے تھی معنی تو قطعاً صحیح تھے۔ لہٰذا اس کافر کے بکنے کے بعد بھی چنداں لحاظ نہ فرمایا گیا یہاں تک طفیل بن سخبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خواب دیکھا اور رویائے صالحہ القائے ملک ہوتا ہے اب اس خیال کی زیادہ تقویت ہوئی اور ظاہر ہوا کہ بارگاہ عزت میں یہی ٹھہرا ہے کہ یہ لفظ مخالفوں کا جائے طعن ہے بدل دیا جائے جس طرح رب العزت جل جلالہ نے راعنا کہنے سے منع فرمایا تھا کہ یہود عنود اسے اپنے مقصد مردود کا ذریعہ کرتے ہیں اور اسکی جگہ اُنظُرنا کہنے کا ارشاد ہوا تھا۔ لہٰذا خواب میں کسی بندہ صالح کو اعتراض کرتے نہ دیکھا کہ یوں تو بات فی نفسہ محل اعتراض ٹھہرتی بلکہ خواب بھی دیکھا تو انہیں یہود و نصاریٰ امام الوہابیہ کے ہم خیالوں کو معترض دیکھا تھا تاکہ ظاہر ہو کہ صرف دہن دوزی مخالفان کی مصلحت داعی تبدیل لفظ ہے اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یوں نہ کہو کہ اللہ و رسول چاہیں تو کام ہو جائے گا بلکہ

لہ اقول وھذہ نکتۃ غفل عنہا بعض الجہلۃ فجوز ما شاء اللہ ثم شاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وزعم ان لو اتی بالواو لکان شرکا جلیا فانما یتم ان لو کانت الواو للتسویۃ وھو باطل قطعا قال تعالیٰ ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی وقال تعالیٰ اغناھم اللہ و رسولہ الی غیر ذلک مما لا یحصی

یوں کہو کہ اللہ پھر اللہ کا رسول چاہے تو کام ہوگا (پھر) کا لفظ کہنے سے وہ توہم مساوات کہ ان وہابی خیال کے یہود ونصاریٰ یا یوں کہیے کہ ان یہودی خیال کے وہابیوں کو گزرتا ہے باقی نہ رہے گا غرض احادیث صحیحہ تو اس دروغ گو کو تابخانہ پہنچا رہی ہیں۔ رہی وہ روایت منقطعہ کہ اس نے ذکر کی اور جس میں روایت باعتبار ام المومنین صدیقہ سے کہ یہود کے اعتراض پر فرمایا یوں نہ کہو بلکہ کہو مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ **اقول** اگر صحیح بھی ہو تو تمہیں مضر نہ اسے مفید کہ واؤ سے احتراز کی دو صورتیں ہیں تبدیل حرف جس کی طرف وہ احادیث صحیحہ ارشاد فرما رہی ہیں اور راساً ترک عطف جس کا اس روایت میں ذکر آیا ایک صورت دوسری کی نافی ومنافی نہیں نہ ذاتی میں حصر عطائی کی نفی کرے قال اللہ تعالیٰ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اور جب بحمد اللہ تعالیٰ ہم خود حدیث سے مَا شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَاءَ فلان کی طرح ما شاء اللہ ثم شاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی اجازت دکھا چکے تو اب اصلاً ہمیں اُن نکات وتوجیہات کی حاجت نہ رہی جو شراح نے اس روایت منقطعہ اور اصل حدیث مستقل میں بظاہر ایک نوع تغایر کے لحاظ سے ذکر کیے ہیں شیخ محقق قدس سرہ نے یہاں یہ نکتہ ذکر فرمایا در ینجا غایت بندگی وتواضع وتوحید ست زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در غیر خود اسناد مشیت اگرچہ بطریق تاخر وتبعیت باشد تجویز کرد اما در حق خود بآں نیز راضی نہ شد بلکہ امر کرد باسناد مشیت بہ پروردگار تعالیٰ تنہا بے توہم شرکت **اقول** یہ توجیہ بھی شرک امام الوہابیہ کی کیفر چشانی کو بس ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تواضعاً اپنی

لہ ے کتاب قبار البخاری ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وزعم ان الواو فی بالواو لکان شرکا جلیا فانما یتم ان لو کانت الواو للتسویۃ وہو باطل قطعاً قال تعالیٰ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی وقال تعالیٰ اغناہم اللہ ورسولہ الی غیر ذلک مما لا یحصی ۱۲ منہ

مشیت کا ذکر کرنے کو نہ فرمایا اور دوں کے ذکر مشیت کی اجازت دی اگر شرک ہو تو معاذ اللہ یہ ٹھہرے گی کہ حضور نے اپنی ذات کریم کو شریک خدا کرنے سے منع فرمایا اور زید و عمرو کو شریک کر دینا جائز رکھا علامہ طیبی نے ایک اور توجیہ لطیف و دقیق کی طرف اشارہ کیا کہ انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راس الموحدین ومشیتہ مغمورۃ فی مشیتہ اللہ تعالیٰ مضمحلۃ فیہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سردار موحدین ہیں اور حضور کی مشیت اللہ عزوجل کی مشیت میں مستغرق ہے اقول تقریر اس اشارہ لطیف کی یہ ہے کہ عطف واؤ سے ہو خواہ ثم خواہ کسی حرف سے معطوف و معطوف الیہ میں مغایرت چاہتا ہے بلکہ ثم بوجہ افادۂ فصل و تراخی زیادہ مفید مغایرت ہے اور سید الموحدین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لیے کوئی مشیت جداگانہ اپنے رب عزوجل کی مشیت سے رکھی ہی نہیں ان کی مشیت بعینہ خدا کی مشیت ہے اور مشیتِ خدا بعینہ انکی مشیت اور عطف کر کے کہیے تو دوئی سمجھی جائیگی کہ اللہ کی مشیت اور ہے اور رسول کی اور۔ لہذا یہاں عطف کے لیے ارشاد نہ فرمایا فقط مشیت اللہ وحدہٗ کا ذکر بتایا کہ اس میں خود ہی مشیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آ جائیگا۔

مسئلہ کسی کے نام یا سر کی قسم کھانا شرک ہے، **اصلاح** دوہائی دینے کے بیان میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔

مسئلہ تصویر رکھنا شرک ہے، **اصلاح** تصویر رکھنے کو مطلقاً شرک بتانا صریح مجہورت اور شرع مطہر پر کھلا افترا ہے کہ شرع میں تصویر رکھنے کو کہیں شرک نہیں فرمایا گیا ہے اگر فرمایا گیا ہے تو صرف ذی روح جاندار کی مسلم تصویر (جسکے اعضا منفصل و ظاہر ہوں) گھروں میں رکھنے کو ممنوع و مکروہ فرمایا گیا ہے جس کی علت فقہائے کرام نے تشبیہ و عظمت اور عدم دخول ملئکہ رحمت بیان فرمائی ہے کما ھو ظاھر من کلامھم اس سے ظاہر کہ گھروں میں ذی روح کی تصویر رکھنا شرک نہیں ممنوع و مکروہ ہے اور ادب و تعظیم کے ساتھ رکھنا زیادہ ممنوع و حرام

اور سخت گناہ امام فخر الاسلام شرح جامع الصغیر میں فرماتے ہیں امساك الصورة علی سبیل التعظیم ظاهرا مکروه لان ذلك یشبه عبادة الصنم اه نقله منه فی الحلیہ تصویریں تعظیماً گھروں میں رکھنا ظاہراً مکروہ ہے کہ اس میں مشابہت بعبادۃ صنم ہے اور جو تعظیم کے ساتھ نہ ہو زمین، فرش یا اور کسی ایسی جگہ جہاں اس کی توہین ہوتی ہو آمد و رفت میں پامال ہوتی ہو یعنی یا پڑی ہو یا ترک اہانت کسی ضرورت کے باعث ہو کسی حاجت کے سبب احتیاط سے سنبھال کر رکھی جاتی ہو نہ محض تصویر کی خاطر جیسے روپیہ پیسہ اشرفی خطوط لفافہ اسٹامپ کی تصاویر کہ انہیں ضرورت کے سبب مال ہونے کی خاطر احتیاط سے سنبھال کر رکھتے ہیں اگر انہیں پھینک دیں یا ان پر سے صورت محو کر دیں تو مال ضائع ہو بیکار ہو جائیں کوئی دھیلے کو بھی نہ لے والضرورات تبیح المحظورات یا اس قدر چھوٹی ہو کہ اس کے اعضا مفصل ظاہر نہ ہوں خوب نظر نہ آئیں یا کسی ذی روح کے صرف ہاتھ پاؤں یا دھڑ بے سر کی تصویر ہو کہ مقصود اصلی تصویر سے چہرہ ہی ہوتا ہے بے سر کی اصل میں تصویر ہی نہیں کما روی عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال الصورة الراس فکل شئ لیس له راس فلیس بصورة رواه امام الطحاوی وفی الهدایة اذا کان التمثال مقطوع الراس فلیس بتمثال وکذا فی جامع الصغیر وغیرہ صورت سر ہے تو جس کے سر نہ ہو وہ صورت ہی نہیں ہے ہدایہ میں ہے کہ سر کٹی تصویر تصویر ہی نہیں یا غیر ذی روح کی تصویر ہو ایسی کسی چیز کی صورت ہو جس کی تصویر پوجی نہ جاتی ہو جیسے شجر حجر پھول بوٹے عمارتوں مکانوں کے نقشے چاند سورج ستاروں وغیرہ کی شکلیں تو ان سب صورتوں میں گھروں میں ان کا رکھنا ...... شرک تو درکنار ممنوع و مکروہ بھی نہیں اور نہ مانع دخول ملائکہ نہ مشابہ عبادتِ صنم درمختار میں ہے

لو کانت صغیرۃ لا تتبین تفاصیل اعضائہا للناظر او مقطوعۃ الراس او الوجہ او لغیر ذی روح لا یکرہ وفی الہدایۃ وغیرہ لو کانت الصورۃ علی وسادۃ ملقاۃ او بساط مفروش لا یکرہ لانہا تداس وتوطأ ولو کانت الصورۃ صغیرۃ بحیث لا تبدو للناظر لا یکرہ لان الصغار جدا لا تعبد وفی البحر مقطوعۃ الراس لا تکرہ لانہا لا تعبد بدون الراس وفی رد المحتار عن الدرایۃ قیل عبد الشمس والقمر والکواکب والشجرۃ الخضراء قلنا عبد عینہ لا تمثالہ کذا فی عطایا القدیر فی حکم التصویر لشیخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اتنی چھوٹی تصویر ہو کہ دیکھنے سے اس کے اعضا مفصل نہ نظر آئیں یا سر کٹی یا چہرہ کٹی ہو یا جاندار کی نہ ہو یا تکیہ بچھونے وغیرہ پامال ہونے کی جگہ ہو تو مکروہ نہیں **قال** بدعتوں اور بری رسموں اور بری باتوں کا بیان **اقول** ناظرین پہلے بدعت کی تعریف و تقسیم گزشتہ ملاحظہ فرمائیں دین میں نئی نکالی ہوئی بات کو بدعت کہتے ہیں اور وہ دو قسم کی ہوتی ہے ایک بدعت حسنہ جو جائز مستحب مستحسن مباح ہوتی ہے اور دوسری بدعت سئیہ جو گناہ و گمراہی پھر اُن باتوں کو دیکھیں جنھیں تھانوی صاحب نے بدعت سئیہ کہا ہے آیا وہ دینی ہیں یا دنیوی بدعت حسنہ ہیں یا سئیہ تو خود بخود تھانوی صاحب کے اقوال کی صحت و عدم صحت روشن ہو جائے گی اور ہم بھی بعض پر تنبیہ کر دیں گے۔

مسئلہ قبروں پر دھوم دھام سے میلہ کرنا چراغ جلانا پختہ قبریں بنانا بدعت اور بری رسم اور بری بات ہے۔ **اصلاح** قبروں پر دھوم دھام سے میلہ کرنے سے تو عرس اولیائے کرام مراد ہوں گے کہ عوام کی قبروں پر نہ کوئی جاتا ہے نہ جمع ہوتا ہے اور دھوم دھام سے اعلان و شہرت مراد ہو گی کہ ان کے مزارات پر تاشے باجے نوبت نقارہ تو بجتے ہی نہیں ہیں

قبروں پر چراغ جلانے کا حکم

کہ وہ مراد ہوں اور عرس ہو در اصل فاتحہ خوانی و ثواب رسانی بارواح طیبہ محبوبانِ خدا اولیاء اللہ و علماء و صلحائے امت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم کا نام ہے۔ لوگ سال میں کسی دن یا ان کے وصال کے روز جمع ہو کر کلام الٰہی پڑھتے کھانے پکا کر ان کے نام پر دیتے ہیں اور ان کی ارواح کو ان کا ثواب بخشتے ہیں اور آپس میں جمع ہو کر اللہ اور اللہ کے رسول کا ذکر کرتے ہیں علماء وعظ کہتے ہیں فقراء و مشائخ اپنا شغل کرتے ہیں اور صاحب مزار سے استفاضہ فرماتے ہیں اور یہ سب باتیں شرعاً جائز ہیں انھیں بدعت ضلالت کہنا برا بتانا سخت حماقت ہے ہاں اگر کوئی جاہل ان امور مذکورہ کے سوا کوئی بات خلاف شرع کرے تو ضرور قابل گرفت اور بیشک قابل منع کرنے اور برا سمجھنے کی ہوگی نہ امور مذکورہ بالا کہ ان کا جواز شرعاً ثابت اور ممانعت محض تحکم۔ اسی طرح قبروں پر چراغ جلانا بھی قطعاً ممنوع و ناجائز نہیں ہے ممنوع تو جب ہے کہ قبور عوام پر بے غرض و بے فائدہ روشنی کی جائے یا قبروں پر چراغ جلانے سے تعظیم قبور یا زینت قبور مقصود ہو اور اگر کسی مصلحت اور فائدہ کے لیے ہو تو جائز و مستحسن مثلاً قبرستان میں کوئی مسجد ہو یا مسجد میں قبریں ہوں کہ نمازیوں کو آرام اور مسجد بھی روشن اور قبروں پر بھی اجالا یا قبریں سر راہ ہوں کہ چراغ جلانے روشنی کرنے سے راہگیر کو بھی نفع اور اموات کو بھی فائدہ کہ مسلمان قبریں دیکھ کر سلام کریں گے فاتحہ پڑھیں گے یا قبرستان میں کوئی رہتا ہو بیٹھا ہو زیارت قبور و ایصال ثواب کے لیے آیا ہو روشنی سے آرام پائے گا قرآن عظیم دیکھ کر پڑھ سکے گا۔ یا قبرستان میں کسی ولی اللہ یا محققین علماء میں سے کسی کا مزار ہو اور اس کے پاس روشنی ہو تاکہ لوگ کسی ولی اللہ کا مزار جان کر اس کی عظمت کریں اس کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اس سے تبرک حاصل کریں اس کے پاس کوئی گناہ یا بے ادبی و گستاخی نہ کریں کہ

کہ اولیائے کرام کے دربار میں بے ادبی وگستاخی نہایت شنیع اور گناہ اور زیادہ گناہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں قال الوالد رحمۃ اللہ علیہ فی شرحہ علی شرح الدرر من مسائل منفرقہ احراج الشموع الی قبور بدعۃ واتلاف مال کذا فی البزازیۃ اھ وھذا کلہ اذا خلا عن فائدۃ واما اذا کان موضع القبور مسجدا او علی طریق او کان ھناک احد جالس او کان قبر ولی من الاولیاء او عالم من المحققین تعظیما بروحہ المشرقۃ علی تراب جسدہ کاشراق الشمس علی الارض اعلاما للناس انہ ولی لیتبرکوا بہ ویدعوا اللہ تعالٰی عندہ فیستجاب لھم فھو امر جائز لا منع منہ وانما الاعمال بالنیات پھر فرماتے ہیں قدس سرہٗ روی ابوداود والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسراج ای یوقدون السرج علی القبور عبثا من غیر فائدۃ کما ذکرنا یعنی قبروں پر چراغ جلانا بدعت اور اسراف مال جب ہے کہ فائدہ سے خالی ہو اور جو جائے قبور مسجد ہو یا سرراہ ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی اللہ یا عالم محقق کی قبر ہو اور اس کی روح کی تعظیم کے لیے اور لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے کہ ولی اللہ کی قبر ہے چراغ جلایا گیا ہو تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کریں اور اس کے پاس آکر دعا کریں کہ قبول ہو تو جائز ہے کوئی ممانعت نہیں ہے کہ مدار اعمال نیات پر ہے اور حدیث ابی داؤد کے یہی معنی ہیں کہ قبروں پر عبث و بے فائدہ چراغ نہ جلائے جائیں۔ الحمد للہ علامہ ممدوح نے وہابیہ کی اس عبارت وحدیث کے جس سے وہ اپنے مدعا پر استدلال لایا کرتے تھے اور مزارات پر روشنی کرنے کو بدعت و ناجائز بتایا کرتے تھے معنی بھی روشن فرما دیے اور صاف تصریح فرما دی کہ حدیث

وعبارت بزازیہ میں قبروں پر عبث و بے فائدہ چراغ جلانے کو منع فرمایا گیا ہے
نہ کسی غرض و فائدہ کے لیے جلانے کو پس اگر کوئی کسی فائدہ و غرض نیک کے
لیے چراغ جلائے تو جائز ہے۔ پھر فائدہ کی متعدد صورتیں بھی تحریر فرما دیں کہ
قبرستان میں کوئی مسجد ہو یا قبریں سرراہ ہوں یا کوئی وہاں بیٹھا ہو یا قبر کسی ولی
اللہ کی یا کسی عالم محقق کی ہو تو اس کی روح پاک کی تعظیم کے لیے اور لوگوں کو آگاہ
کرنے کے لیے کہ قبر ولی اللہ کی ہے اس پاس چراغ روشن کرنا شمعیں جلانا
جائز ہے تاکہ لوگ اس سے تبرک حاصل کریں اس کے پاس آکر اللہ سے دعا
مانگیں کہ ان کی دعا قبول ہو کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ رہا عوام کی قبروں کو پختہ
کرنا ان پر قبہ وغیرہ عمارت بنانا یہ بیشک ممنوع و ناجائز ہے صراحۃً اسکی
بابت صحیح مسلم وغیرہ میں وارد ہوا کہ نہی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم ان یقعد علی القبر وان یقصر وان یبنی علیہ مگر باوجود
اس کے سلفا و خلفا ائمہ کرام و علمائے اعلام نے مشائخ و سادات و
علما و فضلا و اولیاء اللہ کے مزارات پر قبہ وغیرہ عمارت بنانے کو جائز
و مباح فرمایا تاکہ لوگوں کی نگاہوں میں ان کی عظمت و وقعت ہو بے
ادبی و گستاخی نہ ہو لوگ مزار بزرگ و ولی اللہ پہچان کر اس سے تبرک
حاصل کریں اس کے پاس آکر دعا کریں کہ قبول ہو مجمع بحار الانوار جلد ثالث
میں ہے قد اباح السلف البناء علی القبور الفضلاء والاولیاء
والعلماء لیزورهم الناس ویستریحون فیہ بیشک ائمہ سلف
نے علماء و فضلاء و اولیاء کے مزارات پر عمارت بنانا مباح فرمادیا ہے تاکہ لوگ
انکی زیارت کریں اور اس میں راحت پائیں رد المحتار میں جامع الفتاوی سے منقول
وقیل لا یکرہ البناء اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات
مشائخ و سادات و علما کی قبر پر عمارت بنانا بلا کراہت جائز ہے جواہر اخلاطی
میں ہے ھو وان کان احداثا فھو بدعت حسنۃ وکم من

ثم کان احد اتاہو بدعۃ حسنۃ وکم من شئ یختلف باختلاف الزمان والمکان یعنی یہ امر اگرچہ نو پیدا ہے پھر بھی بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں ہیں کہ نئی پیدا ہیں اور اچھی بدعت ہیں اور بہت احکام ہیں کہ زمان یا مکان کی تبدیل سے بدل جاتے ہیں یعنی ایسی جگہ احکام سابقہ سے سند لانا حماقت ہے جو حاجت اب واقع ہوئی اگر زمانہ سلف میں واقع ہوتی تو وہ بھی یہی حکم کرتے جو اس وقت ہم کہتے ہیں کذا فی فتاویٰ رضویہ ۱۲ و فیہا رسالۃ فی ذلک

مسئلہ قبروں پر مٹھائی چاول. گلگلے وغیرہ چڑھانا بدعت ہے **اصلاح** قبروں پر یہ چیزیں بغرض فاتحہ و ایصال ثواب لیجائی جاتی ہیں اور فاتحہ دلاکر تقسیم کردی جاتی ہیں اور فاتحہ خوانی و ثواب رسانی مذہب اہلسنت وجماعت میں جائز و واجب کا ذکر اوپر گزرا نیز شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے مندرجہ زبدۃ النصائح میں فرماتے ہیں اگر مالیدہ و شیرینی بنابر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند و بخورانند مضائقہ نیست شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ رسالہ بعض المعترضین میں فرماتے ہیں زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں با ہدائے ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی مستحسن و خوب ست یہی صاحب رسالہ نذر و ذبائح میں فرماتے ہیں. قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و طعام خورانیدن بدعت حسنہ است مثل معانقہ اگر شخصے بزے را خانہ پرورکنند تا گوشت او خوب شود او را ذبح کردہ و پختہ فاتحہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخورانند خللے نیست شاہ صاحب انتباہ میں تحریر فرماتے ہیں برنجے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند۔

مسئلہ خدائی رات کرنا بدعت و برا ہے **اصلاح** وہابیہ تو ابتک انبیاء و اولیاء ہی کی نذر و نیاز میں کلام کیا کرتے تھے اسے

شرک و کفر و بدعت بتایا کرتے تھے تھانوی صاحب کو اللہ تعالیٰ کی نذر ماننے اور اسے پورا کرنے میں بھی کلام ہوا ادھر بھی تزلزل بدعت وغیرہ رجوع ہوا کہ خدائی رات حسب ابتداء میں وہ رات کہلائی جاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نذر مانی ہوئی پوری کرنے کو یا ویسی ہی نیاز کے لیے گلگلے پکائے جاتے ہیں اور علی الصباح مساجد میں بھیجکر نیاز دلاکر کچھ اہل مسجد کو کچھ اور لوگوں کو تقسیم کیے جاتے ہیں اسی باعث اس رات کو خدا کی طرف منسوب کرکے خدائی رات کہتی ہیں کہ اس میں وہ ایفائے نذر اللہ کرتی ہیں اور ظاہر کہ اس فعل اور نسبت میں عدم جواز کی بو بھی نہیں ہے چہ جائیکہ اسے بدعت کہا جائے کیا نذر حضور کے فرق انور پر دف بجانے کی نذر سے بھی گئی گزری ہے کہ اسے حضور نے پورا کرنے کا حکم فرمایا نہ بدعت کہا نہ ناجائز بتایا نہ اسے پورا کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں وارد ہوا کہ ایک عورت نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ انی نذرت ان اضرب علی راسک بالدف فقال اوفی بنذرک۔ یارسول اللہ میں نے نذر مانی ہے کہ حضور کے سر مبارک پر دف بجاؤں فرمایا بجا اور اپنی نذر کو پورا کر بھلا اس نذر میں اور خدائی رات والی نذر میں کیا فرق ہے۔

مسئلہ محض زیب و زینت کے لیے دیوار گیری چھت گیری لگانا بدعت ہے۔

اصلاح بغرض زیب و زینت و تحدیث نعمت اللہ رب العزت جل وعلا مکانات کو مزین و آراستہ رکھنا ان میں دیوار گیریاں چھت گیریاں لگانا جھاڑ فانوس ہانڈیاں لٹکانا نقش و نگار کرنا شرعاً مباح و جائز ہے۔ جب کہ اس میں تکبر و ریا کی آمیزش نہ ہو حد اعتدال سے باہر نہ ہو صرف زیب و زینت و تحدیث نعمت یا اور کسی غرض صحیح کے لیے ہو کہ تزئین ہر امر میں شرعاً مباح اور تحدیث نعمت بطرز روا ہر وقت روا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ

لعبادی فرما دیجیے کہ اللہ نے جو زینت اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے اسے کس نے حرام کیا ہے۔ وقال تعالیٰ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو ظاہر کرو ملتقط میں ہے وَلَا بَأْسَ بِسَتْرِ حِيْطَانِ البيت باللبود وكذا ارخاء الستر على البيت در مختار میں مجتبےٰ سے ہے له ان يزين بيته بالديباج ويتجمل باواني الذهب والفضة بلا تفاخر یعنی بلا فخر و تکبر کے گھر کو دیباج قیمتی کپڑے سونے چاندی کے برتنوں سے مزین و آراستہ کرنا جائز ہے گھروں میں پردے لٹکانے دیوار گیریاں چھت گیریاں لگانے میں حرج نہیں ہے اسی میں ہے ويستحب التجمل واباح الله الزينة بقوله قل من حرم زينة الله التي اخرج لعبادي تجمل مستحب ہے اور زینت اللہ تعالیٰ نے اپنے قول من حرم زينة الله سے مباح فرمائی ہے اس کی نظیر قرآن عظیم کو مطلّا و مذہب کرنا سے سونے چاندی وغیرہ کے پانی سے مزین و آراستہ کرنا اور مساجد کو آرائش دینا اس میں نقش و نگار کرنا اس کے برجوں وغیرہ پر سونے چاندی کا پانی پھیرنا ہے کہ صدر اول میں نہ تھا بعد کو حادث ہوا اور جائز ٹھہرا در مختار میں ہے وجاز تحلية المصحف قرآن عظیم کو مزین و آراستہ کرنا جائز ہے تبیین الحقائق میں ہے لا يكره نقش المسجد بالجص وماء الذهب مسجد میں گچ سنداله اور سونے کے پانی سے نقش و نگار کرنا مکروہ نہیں جائز ہے اب جو اس کی ممانعت کرے اور اسے بدعت و گمراہی بتائے وہ صریح شرعی ممانعت دکھائے ورنہ شریع اس کی زبان کا نام نہیں کہ جسے چاہے ناجائز اور جسے چاہے جائز بتائے یوں تو گھروں میں کنگرہ محرابیں بنانا استر کاری سفیدی کرنا لیپنا پوتنا چوکھٹ کواڑوں کڑی تختوں پر رندا پالش کرانا وغیرہ باتیں سب بدعت و گناہ ہوں گی کہ یہ باتیں صدر اول میں نہ تھیں اور ان میں بھی اسراف ہے کہ بے ان کے بھی انسان گزر کر سکتا ہے گھر میں

بیٹھ سکتا ہے یہ باتیں تو محض زیب و زینت ہی کے لیے کرتا ہے تو پھر دیوار گیری چھت گیری ہی کی کیا تخصیص ان سب باتوں کو تحت بدعت داخل کرنا یا ان کی اصل صدر اول میں دکھانا چاہیئے تھا۔ پھر خود ہی بدعت کی تعریف یہ کی کہ جو نئی بات دین میں نکالی جائے وہ بدعت و گناہ ہے اور اب دنیوی باتوں کو بھی اس میں داخل کیا۔

مسئلہ اچھی بُری تاریخ اور دن کا پوچھنا کسی مہینہ یا تاریخ کو منحوس سمجھنا کاروبار عالم کو ستاروں کی تاثیر سمجھنا **اصلاح** حق یہ ہے کہ نیک و بد ساعت کا اعتبار کرنا کسی دن تاریخ مہینہ کو منحوس سمجھنا کاروبار عالم کو ستاروں کے سبب خیال کرنا مثلاً یہ سمجھنا کہ فلاں گھڑی دن مہینہ بُرا اور منحوس ہے اس میں فلاں کام نہ کرنا چاہیئے سفر کو نہ جانا چاہیئے یا یہ خیال کرنا کہ فلاں ستارہ فلاں منزل فلاں جگہ جانے سے پانی برستا ہے فلاں کام نہیں ہوتا ہے یہ سب اہل جاہلیت کی باتیں اور کفار کے عقائد ہیں ان پر اعتقاد رکھنا ان پر جزم و یقین کرنا انھیں موثر حقیقی و بالذات عالم میں سمجھنا شرک سے خالی نہیں اور اگر ان کا اعتقاد و یقین نہیں بلکہ تمام اشیائے عالم میں مؤثر حقیقی و بالذات خداوند عالم کو جانتا ہے اور ہر کام کو اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق و تقدیر سے سمجھتا ہے اور نحوست اور ستاروں کو اسباب عادیہ منجانب اللہ اور خدا کے پیدا کردہ خیال کرتا ہے تو شرک نہیں ہاں کفار و مشرکین کی باتوں سے مسلمان کو بخوف سوء اعتقاد بچنا ضرور چاہیئے بوجہ نکہ احادیث اس باب میں مختلف ہیں بعض سے نفی نحوست مطلقاً مفہوم ہوتی ہے اور بعض میں بہ صیغہ جزم ثبوت نحوست چار چیزوں گھر۔ گھوڑا غلام عورت میں آیا لہٰذا علمائے کرام نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ احادیث نفی میں نفی تاثیر بالذات اس کے اعتقاد کی ہے اور احادیث اثبات میں اثبات باعتقاد و اسباب عادیہ منجانب اللہ ہے شیخ مولانا

مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے
ہیں وجہ تطبیق آنکہ تاثیر بالذات مستنفی ست و اعتقاد آں از امور جاہلیت ست
و موثر در کل اشیاء اللہ تعالیٰ ست و ہمہ بخلق اللہ و تقدیر اوست و اثبات آں
دریں اشیا بجریان عادت اللہ است کہ پیدا کردہ اینہا سبب عادیہ ساختہ
و حکمت و تخصیص آں اشیا بخصائص و احوال موکول و مفوض بعلم شارع ست
سبب نفی راجع بتاثیر ذاتی ست و اثبات بسبب عادی نیز شیخ موصوف تحت
حدیث مسلم ما انزل اللہ من السماء من برکۃ الا اصبح فریق من الناس بہا کافرین
ینزل اللہ الغیث فیقولون مطرنا بکوکب کذا و کذا فرماتے ہیں مراد بہ برکت
باراں ست و ینزل الغیث بیان آں و احتمال دارد کہ عام بود و انزال غیث
مثال و بیان فردے ازاں باشد بدانکہ اختلاف کردہ اند در کفر کسیکہ
ایں کلمہ گوید و حق آنست کہ اگر باعتقاد موثریت کواکب گوید کافر ست و
اگر نہ بایں اعتقاد گوید بلکہ مراد دارد کہ پروردگار باراں میفرستد دریں وقت
کفر نباشد و لیکن مکروہ بود از جہت بودن آں موہم درمیان کفر و ایمان
و بودن آں از شعار جاہلیت پس مراد بہ کفر کفران نعمت باشد۔

مسئلہ پہلے گٹوں تک دونوں ہاتھ دھونا اور بسم اللہ کہنا اور کلی کرنا
اور ناک میں پانی ڈالنا مسواک کرنا مسح کرنا ہر عضو کو تین تین بار دھونا
کانوں کا مسح کرنا ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا یہ سب باتیں سنت
ہیں اور اس کے سوا جو اور باتیں ہیں وہ مستحب ہیں **اصلاح** اس
قول سے معلوم ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب کے نزدیک وضو میں نیت سنت
نہیں ہے مستحب ہے جب تو اسے یہاں سنن میں شمار نہیں کیا اور نہ جدا
کسی مسئلہ میں اسے مسنون بیان کیا بلکہ سنن شمار کرکے صاف لکھدیا کہ اس
کے سوا جو اور باتیں ہیں وہ مستحب ہیں حالانکہ وضو میں نیت سنت موکدہ
ہے بے عذر اس کا ترک گناہ ہے اسے مستحب میں داخل کرنا غلطی ہے

یہی صحیح ہے جس کی تصریح عامہ متون و شروح میں کی گئی ہے وقایہ ملتقے منیہ کنز وغیرہ میں ہے وسنتہ النیۃ غرر و تنویر میں ہے وسنۃ البداءۃ بالنیۃ در مختار میں ہے وصرحوا بانہ بدونها لیس بعبادۃ ویاثم بترکها رد المحتار میں ہے وذلک لانها سنۃ مؤکدۃ لمواظبتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیها کما حققہ فی الفتح ردا علی القدوری حیث جعلها مستحبا ہدایہ و مستخلص میں ہے النیۃ فی الوضوء سنۃ عندنا جوہرہ نیرہ میں ہے ذکر الشیخ انها مستحبۃ والصحیح انها سنۃ مؤکدۃ حلبیہ حاشیہ غنیہ میں ہے البداءۃ بالنیۃ سنۃ مؤکدۃ فی الوضوء غنیہ شرح منیہ میں ہے والنیۃ فی الوضوء لیست بفرض واذا لم ینو فقد اساء واخطأ وخالف السنۃ حاشیہ شرنبلالی علی الدرر میں ہے وھی سنۃ مؤکدۃ علی الصحیح نور الایضاح میں ہے وسن النیۃ اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے والنیۃ سنۃ لتحصیل الثواب یعنی وضو کی نیت سنت ہے فقہا نے تصریح کی ہے کہ وضو بلا نیت عبادت نہیں اسے ترک کرنے والا گنہگار ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے وہ سنت مؤکدہ ہے یہی صحیح ہے۔

مسئلہ جب تک کوئی مجبوری نہ ہو خود اپنے ہاتھ سے وضو کرے کسی اور سے پانی نہ ڈلوائے **اصلاح** خواہ کوئی مجبوری ہو یا نہ ہو ہر حال میں اپنے خادم یا دوست ساتھی وغیرہ سے بطیب خاطر ان کے وضو کے واسطے پانی منگوانا اعضائے وضو پر ان سے پانی ڈلوانا بلا کراہت جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضور نے بسا اوقات صحابہ کرام سے وضو کے واسطے پانی طلب فرمایا اور وہ حضرات پانی لاکر ڈالتے گئے اور حضور وضو فرماتے گئے حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرفہ کی واپسی

وضو کی نیت کرنا سنت مؤکدہ ہے تھانوی صاحب کا اسے مستحب خیال کرنا خطا ہے

غیر سے اعضائے وضو پر پانی ڈلوانا وضو کے لیے پانی منگوانا بلا کراہت جائز ہے

میں قضائے حاجت فرمائی فجعلت اصب علیہ وھو یتوضأ عرض میں پانی ڈالتا گیا اور حضور وضو فرماتے گئے رواہ البخاری حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ وہ بعض سفر میں حضور کے ہمرکاب تھے کہ حضور قضائے حاجت کو تشریف لے گئے و ان المغیرۃ جعل یصب الماء علیہ وھو یتوضأ رواہ البخاری بعد قضائے حاجت حضرت مغیرہ نے پانی ڈالنا شروع کیا اور حضور وضو فرماتے گئے حضرت ابی عبد الرحمن السلمی سے مروی کہ میں عبد الرحمن ابن عوف پاس کیفیت وضو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلال سے دریافت کرتے آیا فقال کان یخرج ویقضی حاجتہ فاتیہ بالماء فیتوضأ پس انھوں نے فرمایا حضور حاجت روائی کے واسطے تشریف لیجاتے تھے اور بعد قضائے حاجت میں پانی لایا کرتا تھا اور حضور وضو فرمایا کرتے تھے رواہ ابوداؤد حضرت وارد کاتب حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی قال وضأت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک فمسح علی الخفین غزوہ تبوک میں میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرایا پس آپ نے موزوں پر مسح فرمایا رواہ ابوداؤد حضرت ربیعہ بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی قالت اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمیضاۃ فقال اسکبی فسکبت فغسل وجہہ من راعیہ الحدیث میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک برتن میں آب وضو لے کر حاضر ہوئی پس حضور نے فرمایا ڈال میں نے ڈالا پس حضور نے چہرہ اقدس اور دست مبارک دھوئے اور پانی جدید لے کر تمام سر کا مسح فرمایا اور تین تین بار پاؤں دھوئے رواہ الحاکم ابن ماجہ وابوداؤد حضرت صفوان ابن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی قال صببت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الماء فی السفر والحضر فی الوضوء سفر و حضر میں حضور کے اعضائے وضو پر

وضو کرتے ہیں میں پانی ڈالا کرتا تھا حضرت ام عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی قالت کنت اوضی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا قائم وھو قاعد (رواھما ابن ماجۃ) میں حضور کو وضو کرایا کرتی تھی حضور بیٹھے ہوتے تھے اور میں کھڑی ہوتی تھی شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح سفر السعادت میں انہیں احادیث کو ذکر فرما کر تھانوی صاحب کے قول کو جو مثل قول صاحب سفر السعادت ہے رد کرتے ہیں کہ ایں احادیث دریں باب آمدہ و وجہ ضرورت ازاں معلوم نشد و معتقد باں نیفتاد و ایں حدیث یعنی حدیث ربیع بنت معوذ صریح ست در جواز بجہت امر و عدم تقید بہ سفر شاید تھانوی صاحب نے عدم استعانت علی الوضوء کو عدم استعانت علی طلب الماء و علی صب الماء سمجھ کر یا کسی روایت ضعیفہ کی بنا پر یہ حکم صادر فرمایا ہے ورنہ احادیث صحیحہ مذکورہ میں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو کے واسطے پانی طلب فرمانا غیر سے اعضائے وضو پر بے ضرورت پانی ڈلوانا صاف وصریح موجود اور کتب فقہ میں مسئلہ جواز استعانت علی الوضوء یعنی طلب الماء و صب الماء وعدم جواز استعانت علی الوضوء یعنی الغسل والدلک صراحۃ مذکور پھر بھی اگر کوئی احتیاط کرے تو کرو شرعاً جواز ہی رہے گا ردالمحتار میں ہے وحاصلہ ان الاستعانۃ فی الوضوء ان کانت بصب الماء واستقائہ واحضارہ فلا کراھۃ اصلا ولو بطلبہ وان کانت بالغسل والمسح فتکرہ بلا عذر ولحسن اقال فی التاتارخانیۃ ولو استعان بغیرہ جائز اسی میں دوسری جگہ شرح منیہ وغیرہ سے ہے ھذا ظاھر مافی شرح المنیۃ انہ لا کراھۃ اصلا اذا کانت بطیب قلب ومحبۃ من المعین من غیر تکلیف من المتوضی علیہ مشی فی الھدایۃ ابن الھمام لکن ذکر فی

الحلیة احادیث کثیرة من الصحیحین وغیرهما فیهما التصریح بصب الماء علیه بطلبه وبدونه یعنی غیر سے وضو میں مدد لینا اس طرح پر کہ اس سے وضو کے لیے پانی منگوایا یا بھروایا جائے اعضائے وضو پر پانی ڈلوایا جائے بلا کراہت جائز ہے اور جو اعضا دھلوانے ملوانے میں غیر سے مدد لی جائے تو بے عذر مکروہ ہے یوہیں تاتارخانیہ میں ہے اور ظاہر شرح منیہ میں یہ ہے کہ بالکل کراہت نہیں ہے اگر غیر بخوشی خاطر محبت سے بلا تکلیف وجبر کے وضو کرائے اسی کو ہدیہ ابن عماد میں اختیار کیا ہے البتہ حلیہ میں بہت سی حدیثیں صحیحین وغیرہ کی ذکر کی ہیں جن میں اعضائے وضو پر بطلب وبغیر طلب پانی ڈالنے کی تصریح ہے خزانة الروایات میں ہے ولو استعان فی الوضوء بغیرہ جاز بعد ان لا یکون الغاسل غیرہ بل یغسل بنفسه وقد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم استعان بالمغیرة وکان المغیرة یفیض الماء یعنی غیر سے وضو میں مدد لینا اور خود اعضا کو دھونا غیر سے نہ دھلانا جائز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ سے وضو میں مدد لی اور وہ اعضائے وضو پر پانی ڈالتے گئے اور حضور وضو فرماتے گئے۔ مراقی الفلاح وغیرہ میں جو بنا بر روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا عدم جواز تحریر ہوا ہے اس کی علامہ طحطاوی وغیرہ نے تردید وتضعیف فرمائی حیث قال ولا باس به وامّا حدیث عمر رض فضعیف لا یقاوی غیرہ مما یدل علی ثبوته عنه صلی اللہ علیه وسلم افادہ بعض المحققین یعنی غیر سے وضو میں مدد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضعیف ہے وہ ان حدیثوں کے معارض نہیں ہو سکتی جن میں حضور سے وضو میں غیر سے مدد لینا ثابت ہے بلکہ خود صاحب مراقی الفلاح نے آگے جاکر امام وبری کا قول نقل کرکے اسکے جواز کا افادہ فرمایا حیث قال وعن الامام الوبری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ لا بأس بہ فان الخادم کان یصب علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی امام وبری سے روایت ہے کہ غیر سے وضو میں مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ خادم وضو کرتے ہوئے حضور کے اعضا پر پانی ڈالتا تھا۔ طحطاوی میں ہے قال الکرمانی لا کراھۃ فی الصب ولا یقال انہ خلاف الاولی وساق حدیث تواحادیث دالۃ علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ وضعف ما یدل علی الکراھۃ وممن کان یستعین علی وضوئہ بغیرہ عثمان وفعلہ ناس من کبار التابعین کما فی العینی علی البخاری یعنی امام کرمانی فرماتے ہیں کہ اعضائے وضو پر غیر سے پانی ڈلوانے میں کوئی کراہت نہیں اور نہ اسے خلاف اولیٰ کہا جائے اور اس کی تائید میں چند احادیث نقل کیں جن میں حضور کے اعضا وضو پر غیر سے پانی ڈلوانا وارد اور اس کی کراہت پر دلالت کرنے والی روایت کی تضعیف کی اور غیر سے وضو میں مدد لینے والوں میں سے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اکابر تابعین بھی ایسا کرتے تھے جیسا کہ عینی شرح بخاری میں ہے۔ **مسئلہ** نہ کسی عضو کو تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے۔

اصلاح اعضائے وضو کو تین بار سے زیادہ دھونا ممنوع جب ہے کہ تین بار دھونے کو سنت نہ سمجھ کر تین بار سے زیادہ دھوئے اور جو تین بار دھونا مسنون سمجھ کر کسی اور غرض صحیح کے لیے تین بار سے زیادہ دھوئے جیسے رفع شک وطمانیت قلب یا تبرید وتنظیف یا وضو علی الوضو وغیرہ اغراض صحیحہ تو بلا کراہت جائز ہے جس کی تصریح عامہ کتب میں موجود ہے اور قدرے تفصیل اس کی آئندہ آنے والی ہے۔ ہدایہ میں ہے والوعید لعدم رؤیتہ سنۃ یعنی تین بار سے کم یا زیادہ دھونے پر جو وعید حدیث میں ہے وہ تین بار کو سنت خیال نہ کرکے زیادہ یا کم دھونے پر ہے۔ مراقی الفلاح وطحطاوی میں ہے وبسن تثلیث الغسل فمن زاد ونقص

فقد تعدی وظلم کما ورد فی السنۃ الا لضرورۃ بان زاد لطمانیۃ قلبہ عند الشک الخ یعنی تین بار ہر عضو کو دھونا سنت ہے جس نے اس میں زیادتی کمی کی اس نے ظلم کیا مگر ضرورت کے لیے زیادتی کمی جائز ہے اس طرح کہ شک کے وقت تسکین خاطر کے لیے زیادتی کرے۔

مسئلہ اگر آنکھ یا منہ زور سے بند کیا اور پلک یا منہ کچھ سوکھا رہ گیا یا آنکھ کے کوئے میں پانی نہیں پہنچا تو وضو نہیں ہوا **اصلاح** آنکھیں اور منہ بند کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ جس طرح حسب عادت چپ رہنے اور سونے کی حالت میں آنکھیں اور منہ بند کیا جاتا ہے بند کرکے وضو کریں دوسری یہ کہ خلاف عادت اتنی زور سے بند کریں کہ جس سے وہ حصہ ہونٹ اور آنکھ کا جو عادۃً بند کرنے میں ظاہر رہتا ہے چھپ جائے اور وضو کرتے میں وہاں پانی نہ پہنچے پہلی صورت میں تو ظاہر ہے کہ جو حصہ بند کرنے سے بند ہو گیا اس کا دھونا فرض ہی نہ تھا اور جو ظاہر رہا وہ دھل گیا وضو ہو گیا اور دوسری صورت میں اگرچہ آنکھیں اور منہ خلاف عادت زور سے بند کرکے وضو کرنا نہ چاہیے لیکن اگر زور سے بند کرکے کیا اور اس کے باعث پلکوں کی کچھ تحریر کو پانی نہ پہنچا تو وضو ہو گیا کہ ظاہر الروایۃ میں اس کا دھونا واجب نہیں اگرچہ بعض کے نزدیک ہے مگر ظاہر الروایۃ کے سامنے نامقبول فتاوی رضویہ میں ہے آنکھیں خوب زور سے بند کرنے میں جو حصہ بند ہو جاتا ہے کہ نرم بند کرے تو ظاہر رہتا اتنا حصہ دھلنا مختلف فیہ ہے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ اس کا دھونا بھی واجب نہیں یہاں تک کہ اگر خوب آنکھیں بند کرکے وضو کیا وضو ہو جائے گا اور بعض نے کہا نہ ہو گا۔ رد المختار میں ہے لو غمض عینیہ شدیدا لا یجوز بحر لکن نقل الحلامۃ المقدسی فی شرحہ علی نظم الکنز ان ظاہر الروایۃ الجواز واقرہ فی شرنبلالیۃ تامل اھ

آنکھ اور منہ زور سے بند کرکے وضو کرنا

کلام الشامی اقول رحمہ اللہ العلامۃ السید انما عبارۃ البحر
ھکذا ذکر فی المجتبیٰ لا یغسل العین بالماء ولا باس بغسل
الوجہ مغمضا عینیہ اھ وقال الفقیہ احمد ابن ابراھیم ان
غمض عینیہ شدیدا لا یجوز اھ فمفادہ ایضا لیس الا مذھب
الجواز وعدمہ قول احمد ابن ابراھیم فلیتنبہ یعنی اگر آنکھیں سخت
بند کیں تو جائز نہیں لیکن علامہ مقدسی نے شرح نظم الکنز میں نقل کیا ہے کہ ظاہر
الروایۃ میں جائز ہے اور اسی کا شرنبلالی میں اقرار کیا ہے میں کہتا ہوں کہ عبارت
بحر یوں ہے کہ مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے کہ آنکھوں کو پانی سے نہ دھوئے اور
آنکھیں بند کر کے منھ دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کہا فقیہ
احمد ابن ابراہیم نے اگر آنکھوں کو سخت بند کیا تو جائز نہیں پس مفاد
اس کا بھی جواز ہی ہے اور عدم جواز قول احمد ابن ابراہیم ہے۔ یونہی
اگر منھ ہونٹ زور سے بند کر کے وضو کیا اور ہونٹوں کے ظاہری حصہ کو
پانی نہ پہنچا تو بھی وضو ہو جائے گا کہ اول تو وہ کلی کرتے میں تین بار دھل چکا ہے
فرضیت ساقط ہو گئی اب اگر چہرہ دھوتے وقت نہ دھلا تو کیا حرج فلیحرر دوسرے
وہ بھی مختلف فیہ ہے بعض کے نزدیک ہونٹ تبع منھ ہیں اور وضو میں منھ
کا دھونا سنت ہے نہ فرض بحر میں ہے اما الشفۃ فقیل تبع للفم ہاں
اگر کوئی بے کلی کیے ہونٹ زور سے بند کر کے چہرہ دھوئے اور ہونٹوں کی ظاہری
تحریر کو پانی نہ پہنچے تو ضرور وضو نہ ہوگا کہ مذہب صحیح و مفتی بہ میں ہونٹ کے
ظاہری حصہ کو دھونا واجب ہے در مختار میں ہے یجب غسل ما یظہر من
الشفۃ عند انضمامہا یعنی منھ بند کرنے کے وقت جس قدر حصہ ہونٹ کا
ظاہر رہتا ہے اس کا دھونا واجب ہے۔ مگر ایسا تو شاید ہی ایک بھی مشکل سے
نکلے گا کہ وضو بے کلی عمداً کرتا ہو ہاں سہواً کلی کا وضو میں ترک ہو جانا ممکن
ہے اس وقت اگر ہونٹ بند کر کے وضو کیا اور ظاہری حصہ ہونٹ کو پانی

نہ پہنچا تو وضو نہ ہو گا۔

مسئلہ اگر کسی کے ناخن میں آٹا لگ کر سوکھ گیا اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچا تو وضو نہیں ہوا جب یاد آوے اور آٹا دیکھے تو آٹا چھٹا کر پانی ڈالے اور اگر پانی پہنچانے سے پہلے کوئی نماز پڑھی ہو تو اس کو لوٹا وے اور پھر سے پڑھے **اصلاح** مذہب مفتے بہ یہ ہیں اگر ناخن میں آٹا لگا رہ گیا اور وضو کر کے نماز پڑھ لی تو نماز ہو گئی اس نماز کا لوٹانا پھر سے پڑھنا واجب نہیں ہاں بعد اطلاع آٹا چھٹا کر اس جگہ کو دھوئے یہ نہ ہو کہ ویسے ہی آٹا لگا رہنے دے رد المحتار میں ہے ولکن فی النہر لو فی اظفارہ عجین فالفتوی علی انہ مغتفر اھ یعنی نہر الفائق میں ہے کہ اگر ناخون میں آٹا لگا تھا اور وضو کر لیا تو معاف ہے اسی پر فتوی ہے۔

مسئلہ اگر کسی کے ماتھے پر افشاں چنی ہو اور اوپر سے پانی بہا لیوے کہ افشاں نہ چھٹنے پاوے تو وضو نہیں ہوا۔ **اصلاح** وضو ہو جائے گا افشاں مانع وصول آب نہ ہو گی اول ہی بار چہرے پر پانی ڈالنے سے چھٹ جائے گی کما سیأتی فی بیان الغسل۔

مسئلہ جب ایک دفعہ وضو کرے اور وہ ابھی ٹوٹا نہیں ہے تو جب تک اس وضو سے کوئی عبادت نہ کرے اس وقت تک دوسرا وضو کرنا مکروہ اور منع ہے **اصلاح** وضو پر وضو کرنا مطلقاً جائز بلکہ مندوب و مستحب اور باعث ثواب و نور علی نور ہے اگرچہ ایک ہی جگہ ہو اگرچہ پہلے وضو سے کوئی عبادت نہ کی ہو۔ یہی صحیح ہے یہی تحقیق و توثیق ہے کہ احادیث میں وضو پر وضو کرنے کو مطلقاً فرمایا گیا ہے۔ عبادت کے ساتھ مقید و مشروط نہیں کیا گیا ہے اور علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے حدیث میں ہے من طہر کتب لہ عشر حسنات رواہ الترمذی وغیرہ جس نے وضو پر وضو کیا اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

اور دوسری حدیث میں ہے لولا ان اشق علی امتی لامرتھم عند کل صلوٰۃ بوضوء ولو کالتوا غیر محدثین رواہ احمد اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے وقت وضو کا حکم فرماتا اگرچہ وہ بے وضو نہ ہوتے تیسری حدیث میں ہے الوضوء علی الوضوء نور علی نور (رواہ رزین) وضو پر وضو کرنا نور پر نور ہے چونکہ احادیث مذکورہ مطلق تھیں ان میں یہ قید نہ تھی کہ پہلا وضو کر کے عبادت کر لو تو دوسرا وضو کرو لہذا ہمارے علمائے کرام نے اس پر اتفاق فرمایا اور عامہ کتب فقہ میں مطلق ہی تحریر ہوا۔
در مختار میں ہے والحدث شرط للثانی لا للاول فیکون الغسل علی الغسل والتیمم علی التیمم عبثا والوضوء علی الوضوء نور علی نور یعنی حدث ثانی کے لیے شرط ہے نہ اول کے لیے پس غسل پر غسل اور تیمم پر تیمم بیکار و بے فائدہ ہوگا اور وضو پر وضو نور علی نور ہوگا بعینہ حدیث ثالث کے لفظ اٹھا کر رکھ دیے کسی قسم کا ان میں تغیر و تبدل نہیں کیا کوئی قید نہیں لگائی بلکہ آگے جا کر تثلیث غسل اعضائے وضو میں فرمایا ولو زاد لطمأنینۃ القلب او لقصد الوضوء علی الوضوء لا بأس به وهذا فی الفتح وغیرہ یعنی وضو میں ہر عضو کو تین تین بار دھونا مسنون ہے اگر کسی نے تسکین خاطر یا وضو پر وضو کرنے کی غرض سے ہر عضو کو تین بار سے زیادہ دھویا تو کوئی حرج نہیں ہے مندوب ہے صاحب رد المحتار نے اس کی علت میں فرمایا لانہ نور علی نور وفیہ اشارۃ الی ان ذلک مندوب وکلمۃ لا بأس قد تستعمل فی المندوب یعنی وضو کرتے میں تین تین بار سے زیادہ اعضائے وضو پر وضو کرنے کی نیت سے دھونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مندوب ہے کہ نور علی نور ہے اور کلمہ لا باس سے اس کے مندوب ہونے کیطرف اشارہ ہے کہ وہ کبھی ندب کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں پہلے

وضو سے عبادت کرنا تو در کنار تبدیل مجلس بھی نہ ہوئی پورے وضو پر وضو بھی نہ ہوا ابتدا ہی سے ہر عضو کو تین بار ایک وضو کی نیت سے دھویا پھر زائد علی الثلث دوسرے وضو کی نیت سے دھویا اور وہ مندوب و مستحب ہو گیا نہ مکروہ ہوا نہ ممنوع ٹھہرا کما ہو ظاہر من اطلاق عامۃ الکتب مگر چونکہ بعض متاخرین نے اس میں کلام کیا تھا اسے بلا فصل محض اسراف خیال کر کے ممنوع و مکروہ ٹھہرایا تھا بعض نے عبارت سراج سے دھوکا کھایا تھا لہٰذا دیگر علمائے کرام نے اس کی تشریح فرما کر رفع کلام و دفع شبہ اسراف کیا کہ اگر پہلے وضو سے فارغ ہو کر اسی جگہ یا دوسری جگہ دوسرا وضو بہ نیت وضو علی الوضو کیا تو جائز و مستحب اور اگر قبل فراغ وضوء اول دوسرا وضو کیا جیسے ہر عضو کو تین بار ایک وضو کے لیے اور تین بار دوسرے وضو کے لیے ساتھ ساتھ دھویا یا ایک ہی جگہ بلا فصل تین چار بار وضو کیا تو یہ مکروہ ہے نہ تکرار وضو بلا فصل عبارت وغیرہ رد المحتار میں ہے قولہ او یقصد الوضوء علی الوضوء ای بعد الفراغ من الاول بحر وفی التاتارخانیۃ عن الناطفی ولو زاد علی الثلث فھو بدعۃ وھذا اذا لم یفرغ من الوضوء اما اذا فرغ ثم استانف الوضوء فلا یکرہ بالاتفاق اھ ومثلہ فی الخلاصۃ وعارض فی البحر دعوی الاتفاق بما فی السراج من انہ مکروہ فی مجلس واحد و اجاب فی النہر بان ما مر فیما اذا اعادہ مرۃ واحدۃ وما فی السراج فیما اذا کررہ مرارا ولفظہ فی السراج لو تکرر الوضوء فی مجلس واحد مرارا لم یستحب بل یکرہ لما فیہ من الاسراف وقال سیدی عبد الغنی نابلسی ان المفھوم من اطلاق الحدیث مشروعیتہ ولو بلا فصل بصلوۃ او مجلس اخر ولا اسراف فیما ھو مشروع اما لو کررہ ثالثا او رابعا فیشترط لمشروعیتہ

الفصل بما ذكرو الا كان اسراف تامل ملخصا یعنی اگر ایک وضو کرکے دوسرا وضو بارادۂ وضو علی الوضو کیا تو مکروہ نہیں ہے اور تاتارخانیہ میں ناطفی سے ہے کہ تین بار سے زیادہ اعضائے وضو کو دھونا بدعت ہے۔ جب کہ پہلے وضو سے فارغ نہ ہوا ہو یعنی ہر عضو کو شروع ہی سے تین بار سے زیادہ دوسرے وضو کی نیت سے دھویا ہو، اور جو پہلے وضو سے فارغ ہو کر دوسرا وضو کیا تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے اسی طرح خلاصہ میں لکھا ہے مگر بحر میں دعوئ اتفاق پر عبارتِ سراج سے معارضہ کیا ہے کہ وہ ایک مجلس میں مکروہ ہے اس کا جواب نہر میں یہ دیا ہے کہ جواز بلا کراہت ایک بار اعادہ کرنے میں ہے اور سراج میں بار بار اعادہ کرنے کو مکروہ لکھا ہے کہ لفظ سراج یہ ہیں۔ اگر ایک جگہ چند بار وضو کیا تو مستحب نہیں ہے مکروہ ہے کہ اس میں اسراف ہے اور سیدی عبد الغنی نابلسی فرماتے ہیں کہ اطلاق حدیث سے وضو پر وضو کرنے کی بلا فصل نماز و مجلس آخر مشروعیت ثابت ہے اور امر مشروع میں اسراف نہیں ہوتا ہاں اگر تین چار بار کیا تو اسکی مشروعیت و جواز کے لیے فصل بہ نماز و مجلس آخر چاہیے ورنہ اسراف ہوگا۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے

اما لو زاد لطمانية القلب عند الشك او بنية وضوء آخر فلا باس به قال فی الخلاصة وان غسل مواضع الوضوء اربع مرات يكره قال الفقيه ابو جعفر لا يكره الا اذا رأى السنة فيما وراء الثلث وهذا اذا لم يفرغ من الوضوء فان فرغ ثم استانف الوضوء لا يكره بالاتفاق انتهى وهو يفيد ان تجديد الوضوء من غير ان يؤدى بالاول عبادة غير مكروه۔

یعنی اگر اعضائے وضو تین بار سے زیادہ اطمینان قلب کے لیے یا دوسرے وضو کی نیت سے دھوئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ

اگر اعضائے وضو کو چار بار دھویا تو مکروہ ہے کہا فقیہ ابو جعفر نے کہ مکروہ نہیں ہے مگر جبکہ ماسوائے ثلث کو سنت خیال کرے یا قبل فراغ وضوء اول کرے اور جو وضوء اول سے فارغ ہو کر پھر وضو کیا تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ پھر سے وضو کرنا قبل اس کے کہ وضوء اول سے کوئی عبادت کی ہو مکروہ نہیں ہے خزانۃ الروایات میں ہے فان فرغ ثم استانف لا یکرہ بالاتفاق اگر پہلے وضو سے فارغ ہو کر پھر وضو کیا تو کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ پس ان تصریحات سے ظاہر کہ دوسرا وضو پہلے وضو سے فارغ ہو کر اسی جگہ یا دوسری جگہ کرنا اگرچہ بلا فصل ہو بیچ میں کوئی عبادت نہ کی ہو بالاتفاق جائز و مشروع ہے اور امر مشروع میں اسراف نہیں (تو شبہ اسراف بیجا) اور اگر دوسرا وضو قبل فراغ وضوء اول کیا یا ایک جگہ بیٹھکر بلا فصل دو بار سے زیادہ تین چار پانچ بار کیا تو ممنوع و مکروہ ہے نہ تکرار بلا فصل تو عبارت سراج سے استدلال فضول فتاوی رضویہ کی بحث اسراف مار وضو میں یہ مسئلہ بھی نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

علماء کرام نے دو صورتیں ارشاد فرمائی ہیں جن میں غرض صحیح ہونیکے سبب اسراف نہ ہو (۱) یہ کہ وضو علی الوضو کی نیت کرے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ (۲) اگر وضو کرتے میں کسی عضو کی تثلیث میں شک واقع ہو تو کم پر بنا کر کے تثلیث کامل کرے اگرچہ واقع میں چار پانچ چھ بار ہو جائے یہ اسراف نہیں کہ اطمینانِ قلب حاصل کرنا غرض صحیح ہے کافی امام حافظ الدین نسفی میں ہے هذا (ای الوعید الحدیث من زاد علی هذا او نقص فقد تعدی وظلم) اذا زاده معتقدا ان السنۃ هذا فاما لو زاد لطمأنينة القلب عند الشك او بنية وضوء اخر فلا بأس به

لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر بترك ما یریبہ الی ما لا یریبہ
فتح القدیر میں قول ھدایۃ الوعید لعدم رؤیتہ سنہ کے تحت
میں ہے فلو زاد لطمانیۃ القلب عند الشك او بنیۃ وضوء اٰخر
فلا باس بہ فان الوضوء علی الوضوء نور علی نور وقد امر بترك
ما یریبہ الی ما لا یریبہ حلیہ میں ہے الوعید علی الاعتقاد المذکور
دون نفس الفعل وعلی ھذا مشی فی الھدایۃ ومحیط رضی
الدین والبدائع ونص فی البدائع انہ الصحیح لان من لم یری
سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقد ابتدع فیلحقہ
الوعید وان کانت الزیادۃ علی الثلاث لقصد الوضوء او
لطمانیۃ القلب عند الشك فلا یلحقہ الوعید وھو ظاھر
وھل لو زاد علی الثلث من غیر قصد لشئ کما ذکرہ یکرہ الظاھر
نعم لانہ اسراف یعنی تین بار سے زیادہ یا کم دھونے پر جو وعید
حدیث میں ہے وہ جب ہے کہ باعتقاد سنت ایسا کرے اور جو طمانیت
قلب کے لیے وقت شک زیادتی کرے یا دوسرے وضو کے ارادہ سے
زیادتی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم نے شک دفع کرنے کو فرمایا ہے فتح میں تحت قول ہدایہ لعدم
رویۃ سنۃ ہے کہ اگر شک کے وقت اطمینان قلب کے لیے یا دوسرے
وضو کی نیت سے تین بار سے زیادہ اعضائے وضو کو دھویا تو حرج نہیں
کہ وضو پر وضو نور پر نور ہے اور دفع شک کا حکم کیا گیا ہے حلیہ میں ہے
کہ وعید باعتقاد مذکور ہے نہ نفس فعل پر اسی کو ہدایہ اور محیط اور بدائع
میں اخذ کیا ہے اور بدائع میں اسے صحیح لکھا ہے اس لیے کہ جس نے
سنت رسول اللہ کو خیال نہ کیا اس نے بدعت کی اسے وعید
لاحق ہو گی اور جو اعضائے وضو کو تین بار سے زیادہ بارادہ وضو آخر

یا وقت شک اطمینانِ قلب کے لیے دھویا تو اُسے وعید لاحق نہیں اور یہ ظاہر ہے ہاں اگر بلا قصدِ صحیح زیادتی کی تو مکروہ اور اسراف ہے اسی طرح نہایہ و معراج الدرایہ و مبسوط و سراج الوہاج و برجندی و درمختار و عالمگیری وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے خلاصہ میں اعضائے وضو چار بار دھونے کی کراہت میں دو قول نقل کر کے فرمایا ھٰذا اذا لم یفرغ عن الوضوء فان فرغ ثم استانف الوضوء لا یکرہ بالاتفاق تین بار سے زیادہ اعضائے وضو کو دھونا مکروہ جب ہے کہ وضو اول سے فارغ نہ ہوا ہو اور زیادتی کرے اور جو پہلے وضو سے فارغ ہو کر پھر وضو کیا تو بالاتفاق مکروہ نہیں۔ بعینہٖ اسی طرح تاتارخانیہ میں امام ناطفی سے ہے کما فی الشامی اس سے ثابت کہ ایک وضو سے فارغ ہو معًا بہ نیتِ وضو علی الوضو دوسرا وضو شروع کر دینا ہمارے یہاں بالاتفاق جائز ہے اور کسی کے نزدیک مکروہ نہیں جب ائمہ ثقات نے ہمارے علما کا اتفاق نقل کیا اور دوسری جگہ سے خلاف ثابت نہیں تو پھر اس میں بحث کی کیا گنجائش ھٰذا ما اقتصرت علیہ ومن شاء التفصیل فلیرجع الیہ

مسئلہ اگر ختنہ نہ ہوا ہو تو مرد کا بھی حکم ہے کہ کھال کے اندر پانی ڈالنا فرض ہے (منیہ بر حاشیہ) **اصلاح** حق یہ ہے کہ اگر قلفہ کی کھال بآسانی اوپر کو چڑھ جاتی ہو اُسے اوپر چڑھانے میں کوئی حرج تکلیف نہ ہوتی ہو تو کھال کو چڑھا کر حشفہ کو دھونا فرض ہے اگر چڑھا کر حشفہ نہ دھویا جائے گا غسل نہ ہوگا اور اگر بہ آسانی اوپر کو نہ چڑھتی ہو اُسے چڑھانے میں حرج و تکلیف ہو تو اس کا دھونا اس کے اندر پانی پہنچانا فرض نہیں کہ شرعًا جن چیزوں کے دھونے میں حرج ہو وہ غسل سے ساقط ہیں ان کا دھونا ان میں پانی پہنچانا

فرض نہیں ہے جیسے کہ آنکھ بند سوراخ واخل قلفہ در مختار میں ہے لا یجب غسل ما فیہ حرج کعین وثقب انضم ولا داخل قلفۃ بل یندب ہو الاصح قالہ الکمال وعللہ بالحرج فسقط الاشکال وقال المسعودی ان امکن فتح القلفۃ بلا مشقۃ یجب والا لا یعنی جس جگہ پانی پہنچانے میں حرج ہو وہاں پانی پہنچانا واجب نہیں جیسے آنکھ اور بند سوراخ اور جلدِ ذکر میں بھی پانی پہنچانا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے یہی صحیح تر ہے امام ابن الہمام نے بھی فرمایا ہے اور اس کی علت حرج بیان فرمائی ہے اور کہا مسعودی نے کہ اگر بلا مشقت جلدِ ذکر کا کھلنا اور چڑھنا ممکن ہو تو اس میں پانی پہنچانا واجب ہے ورنہ نہیں۔ رد المحتار میں اس کے تحت ہے مشی علیہ فی الامداد وبہ یحصل التوفیق بین القولین لانہ اذا امکن فتقہا ای بان امکن قلبہا وظہور الحشفۃ منہا فلا حرج فی غسلہا فیجب والا بان لم یکن فیہا سوی ثقب یخرج منہ البول فلا یجب للحرج یعنی یہی امداد میں ہے کہ اگر جلدِ ذکر کھلنا ممکن ہو تو اس میں پانی پہنچانا واجب ہے ورنہ نہیں۔ اور اس سے دونوں قول میں توثیق ہوتی ہے کہ اگر جلدِ ذکر کا کھلنا اور چڑھانا ممکن ہو تو اس کے دھونے میں حرج نہیں پس اس کا دھونا واجب ہوگا۔ اور اگر اس میں صرف سوراخ ہو اور اس کا کھلنا اور چڑھنا ممکن نہ ہو تو اسے دھونا واجب نہیں کہ اس میں حرج ہے اور حرج شرعاً مدفوع مراقی الفلاح میں ہے کہ یفترض غسل داخل قلفۃ لا عسر فی فتحہا علی الصحیح وان تعسر لا یکلف بہ کثقب انضم للحرج یعنی صحیح مذہب میں جس ذکر کی کھال چڑھانا کھولنا مشکل و دشوار نہ ہو اس کے اندر دھونا فرض ہے

اور جو دشوار ہو تو اس کے اندر دھونے کی تکلیف نہ دی جائے گی۔ جیسے بند سوراخ میں یعنی اس کے اندر دھونا پانی پہنچانا فرض نہ ہوگا بلکہ مستحب ہوگا۔ فتاوے عالمگیری میں ہے الاقلف اذا اغتسل من الجنابۃ ولم یدخل الماء داخل الجلدۃ جاز کذا فی المحیط وفی الواقعات الناطفی وھو المختار کذا فی تاتارخانیہ یعنی اگر غیر ختنہ شدہ نہایا اور جلد ذکر میں پانی نہ گیا تو جائز ہے اسی طرح محیط میں ہے اور واقعات ناطفی میں اسے مختار بتایا گیا ہے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے ملتقی اور اس کی شرح منتقی و مجمع الانہر میں ہے ولا ادخال الماء جلدۃ الاقلف ای لا یجب بل یندب وھو الاصح لانہ فی ادخالہ حرجا۔ قالہ صاحب الفتح یعنی جلد ذکر میں پانی داخل کرنا واجب نہیں ہے مستحب ہے اور یہ صحیح تر ہے کہ اس کے داخل کرنے میں حرج ہے صاحب الفتح القدیر نے یوں ہی کہا ہے فتاوی خانیہ وبزازیہ میں ہے اقلف اغتسل ولم یدخل الماء تحت الجلدۃ جاز لانہ خلق یعنی غیر مختون نہایا اور جلد ذکر میں پانی نہ گیا تو جائز ہے کہ وہ پیدائشی ہے۔

مسئلہ اگر ناخن میں آٹا لگ کر سوکھ گیا اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچا تو غسل نہیں ہوا جب یاد آوے اور آٹا دیکھے تو آٹا چھڑا کر پانی ڈالے اور اگر پانی پہنچانے سے پہلے کوئی نماز پڑھی ہو تو اس کو لوٹائے۔

مسئلہ ماتھے پر افشاں چنی ہے یا بالوں میں اتنا گوند لگا ہے کہ بال اچھی طرح نہ بھیگیں گے تو گوند خوب چھڑا ڈالے اور افشاں دھو ڈالے اگر گوند کے نیچے پانی نہ پہنچے گا اوپر ہی اوپر سے بہہ جائے گا تو غسل نہ ہوگا اگر مسی کی دھڑی جمائی ہے تو اس کو چھڑا کر کلی کرے نہیں تو غسل نہ ہوگا۔

اصلاح مسائل مذکورہ میں غسل نہ ہونے نماز لوٹانے کا حکم خلاف تحقیق

ہے حق یہ ہے کہ اگر وضو میں اعضائے وضو پر یا غسل میں بدن کے کسی حصہ پر کوئی ایسی چیز لگی رہ جائے جس کے باعث اس جگہ پانی نہ پہنچ سکے اور اس کی آدمی کو عموماً یا خصوصاً ضرورت پڑتی رہتی ہو اور اس کی نگہداشت اور دیکھ بھال میں حرج و دقت ہو جیسے آٹا۔ تیل۔ کیچل۔ گارا۔ مٹی پان۔ مسّی۔ مہندی کا جرم مکھی۔ مچھر کی بیٹ تو وضو و غسل ہو جائیگا اس وضو اور غسل سے جو نماز پڑھی ہوگی وہ صحیح ہوگی۔ اس کا لوٹانا واجب نہ ہوگا۔ ہاں بعد اطلاع اُسے چھڑا کر اس جگہ کو دھونا ضرور ہوگا یہ نہ ہو کہ اسے ویسے ہی لگا چھوڑ دیا جائے کہ آخر چھڑانے میں تو کوئی حرج ہی نہیں حرج تو تعاہد میں تھا وہ بعد اطلاع نہ رہا اب اس کا دھونا لازم ہوا فتاوی رضویہ میں ہے جس چیز کی آدمی کو عموماً یا خصوصاً ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اس کے ملاحظہ و احتیاط میں حرج ہے اس کا ناخن کے اندر یا اوپر یا اور کہیں لگا رہ جانا اگرچہ جرم دار ہو اگرچہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچ سکے جیسے پکانے گوندھنے والوں کے لیے آٹا رنگریز کے لیے رنگ کا جرم عورتوں کے لیے مہندی کا جرم کاتب کے لیے روشنائی مزدور کے لیے گارا مٹی عام لوگوں کے لیے کوئے یا پلک میں سرمہ بدن کا میل۔ مٹی غبار مکھی۔ مچھر کی بیٹ وغیرہا کہ ان کا رہ جانا فرض اعتقادی کی ادا کو مانع نہیں در مختار میں ہے۔ لا یمنع الطہارة خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ وحناء ولو جرمہ بہ یفتی ودرن ودھن ودسومة وتراب وطین ولو فی ظفر مطلقا ای قرویا او مدنیا فی الاصح بخلاف نحو عجین ولا یمنع ما علی ظفر صباغ رد المحتار میں ہے لکن فی النہر لو فی اظفارہ عجین فالفتوی علی انہ مغتفر اھ یعنی مکھی کی بیٹ مہندی کا جرم جس کے نیچے پانی نہ پہنچے مانع طہارت نہیں ہے اسی پر فتوی ہے ۔ اور میل۔ چربی چکنائی۔ مٹی کیچڑ اگرچہ ناخن

میں بھری ہو مانع طہارت نہیں بخلاف آٹے کے مگر نہر الفائق میں ہے کہ اگر
ناخن میں آٹا بھرا ہے تو فتوے اس پر ہے کہ معاف ہے غسل وضو ہو جائے گا
پھر اگر افشاں اور گوند والے مسئلہ میں حرج و دِقّت نہ بھی مانی جائے. جب
بھی ایسے بے چھڑائے وضو و غسل ہو جائے گا اعادہ نماز واجب نہ ہوگا کہ
عورتیں گوند کا رقیق پانی محض ان بالوں کے جمانے اور پراگندگی دور کرنے
کے لیے لگاتی ہیں جو چوٹی میں نہیں آتے ہیں مانگ سے پراگندہ رہتے
ہیں نہ اتنا گاڑھا کہ دوسری جگہ لگ کر سوکھ کر جرم پیدا کرے اور مانع نفوذ
آب ہو کہ زیادہ گاڑھا سوکھکر تڑخ کر چھوٹ جاتا ہے. کیا روشنائی نہیں
دیکھی گئی کہ جب وہ گاڑھی گاڑھی سرکیوں وغیرہ پر لگائی جاتی ہے تو گوند ہی
کے باعث وہ خود بخود سوکھ کر تڑخ کر سرکیوں سے جدا ہو جاتی ہے اسی
لیے ان سرکیوں کے نیچے کپڑا بچھا دیا جاتا ہے کہ کپڑے ہی پر جھڑ کر گرے
ضائع نہ ہو اور افشاں جو خفیف ذرے ابرک وغیرہ کے ہوتے ہیں وہ
بھی اسی گوند کے پانی یا لعاب بہدانہ سے جمائے جاتے ہیں اور ظاہر کہ جب
وضو و غسل میں چہرہ پر پانی پڑا تو یہ رقیق گوند و لعاب خود بخود پانی پاتے ہی
پھول کر بہ جائے گا اور افشاں اس کے ساتھ جائے گی نہ کہ پانی ڈال کر اس
پر ہاتھ پھیرا جائے و لک مستحب کیا جائے کہ ملنے اور ہاتھ پھیرنے سے تو رہا
سہا بھی چھوٹ جائے گا نہ کہ تین بار پانی ڈالا جائے اور ہاتھ پھیرا جائے کیا
نہیں دیکھا گیا کہ نکتوں پر جو گوند لگا ہوتا ہے چند سکنڈ پانی میں ڈالنے سے
دُھل جاتا ہے اور بعد بھیگنے کے کاغذ پر نہیں جمکتا ہے تو افشاں اور گوند کے
نیچے پانی نہ پہنچنے کی تقریر ہی غلط و بیکار جس پر مسئلہ کا دارو مدار اور اگر ان مشاہدات
سے انکار تو ایسے مواقع پر محض غلبہ ظن وصول آب کا اعتبار کما فی الدر
المختار حیث قال والمعتبر غلبة ظنه بالوصول اور گوند میں یقین نہ
سہی تو گمان غالب ہی سہی کہ وہ پانی پڑتے ہی دھل جائے گا پھر ملنے سے

نام کو بھی نہ رہے گا۔ پھر غسل شعر میں تین قول ہیں اول یہ کہ عورتوں کو صرف بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے نہ بالوں میں خواہ بال گندھے ہوں یا کھلے اور یہی ظاہر مذہب ہے اور ظاہر احادیث کے موافق ہے دوم یہ کہ اگر گندھے ہوں تو جڑوں میں اور کھلے ہوں تو بالوں میں پانی پہنچانا واجب ہے۔ سوم یہ کہ گندھے ہوں یا کھلے انہیں دھونا اور نچوڑنا واجب ہے اور ہر ایک قول کی طرف ایک جماعت اکابر علماء نے میل فرمایا اور اپنا مختار بنایا۔ رد المحتار میں ہے فی المسئلۃ ثلثۃ اقوال کما فی البحر والحلیۃ الاول الاکتفاء بالوصول الی الاصول ولو منقوضا فظاھر الذخیرۃ انہ ظاھر المذھب ویدل علیہ ظاھر الاحادیث الواردۃ فی ھذا الباب الثانی التفصیل المذکور ومشی علیہ جماعۃ منھم صاحب المحیط والبدائع والکافی الثالث وجوب بل الذوائب مع العصر صحح وتمام تحقیق ھذہ الاقوال فی الحلیۃ وقال فیھا اخرا الی ترجیح قول الثانی وھو ظاھر المتون یعنی اس مسئلہ میں تین قول ہیں جیسا کہ بحر اور حلیہ میں ہے اول صرف بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا اگرچہ کھلے ہوں ذخیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ظاہر مذہب ہے اور اس پر ظاہر احادیث دال ہیں دوسرے تفصیل مذکورہ اور اس پر ایک جماعت چلی ہے ان میں سے صاحب محیط و بدائع و کافی ہیں تیسرے گندھے ہوئے بالوں کا بھگونا نچوڑنا اور یہ صحیح کیا گیا ہے اور پوری تحقیق ان اقوال کی حلیہ میں ہے اور آخر کو اس میں قول ثانی کو ترجیح دی ہے اور یہ ظاہر متون ہے۔ اور ظاہر کہ قول اول پہ عورتوں کو بال دھونا ہی فرض نہیں نہ کہ گوندھ چھوٹا کر دھوئیں نہ دھوئیں تو غسل و نماز ہی نہ ہو اور قول دوم پہ گندھے ہوئے بالوں کو دھونا فرض نہیں بغیر دھوئے غسل جائز تو گوندھ کا

ان پر لگا رہنا کب مانع اور کھلے ہوں تو وہی پانی پڑنا اور ملنا ازالہ گوند
کو کافی یا دفعا للحرج معافی ولکن انی الثالث ھذا ما ظہر لی
فی ھذا المقام بتوفیق اللہ الملک العلام۔
مسئلہ اگر ہاتھ پیر پھٹ گئے اور اس میں موم روغن یا اور کوئی دوا
بھری تو اس کے اوپر سے پانی بہا لینا درست ہے **اصلاح** پھٹے ہوئے
ہاتھ پیروں میں موم روغن وغیرہ دوا بھر کر اوپر سے پانی بہا لینا اس وقت
درست ہے جب کہ اس جگہ پانی پہنچانا ضرر تکلیف دیتا ہو اور جو اس
جگہ پانی پہنچانا ضرر و تکلیف نہ دیتا ہو تو محض اوپر سے پانی بہا لینا
کافی نہ ہوگا بلکہ اسے چھڑا کر اس جگہ پانی پہنچانا واجب ہوگا۔ اگر اس
جگہ پانی نہ پہنچایا جائے گا وضو و غسل نہ ہوگا اور محض تیل کی طرح ملا ہوگا
تو ہو جائے گا۔ غنیۃ شرح منیہ میں ہے واذا کان برجلہ شقاق فجعل
فیہ الشحم او المراھم ان کان لا یضرہ ایصال الماء یجوز غسلہ
ووضوئہ وان کان یضرہ یجوز اذا امر الماء علی ظاہر الخ
یعنی اگر پھٹے ہوئے پاؤں میں چربی یا مرہم بھرا ہو اور اسے پانی پہنچانا
مضر نہ ہو تو اسے دھوئے اور پانی پہنچائے اور جو مضر ہو تو اس پہ پانی
بہائے مراقی الفلاح و طحطاوی میں ہے ولو ضرہ شقوق رجلیہ
جاز اامرار الماء علے الدواء الذی وضعہ فیہما وان ضرہ
امراء الماء علی الدواء مسح علیہ وان ضرہ ایضا ترکہ وانکان
لا یضرہ شی من ذلک تعین بقدر ما لا یضرہ حتی لو کان
یضرہ الماء البارد دون الحار وھو قادر علیہ لزمہ استعمال
الحار ثم محل الجواز امرار الماء علی الدواء اذا لم یزد علی
راس الشقاق فان زاد تعین غسل ما تحت الزائد کما فی
ابن امیر الحاج ومثلہ فی الدر عن المجتبی یعنی اگر پاؤں کی

پھٹن کو پانی مضر ہو تو لگی ہوئی دوا پر پانی بہانا جائز ہے اور جو دوا پر پانی
بہانا بھی مضر ہو تو مسح کرے اور جو مسح بھی مضر ہو تو چھوڑ دے غرض کہ شئے
مضر کو چھوڑ دے اور بے مضر کو اختیار کرے حتیٰ کہ سرد پانی نقصان کرتا ہو نہ گرم
اور گرم پر قادر ہو تو گرم پانی سے دھونا لازم اور یہ جواز صرف موضع دوا جائے
پھٹن پر ہے۔ جائے پھٹن سے زیادہ اچھی جگہ پر دوا لگی ہو تو اسے دھونا
پڑے گا۔ مسئلہ چھت پر نجاست پڑی ہے اور پانی برسا اور پرنالہ
چلا تو اگر آدھی یا آدھی سے زیادہ چھت ناپاک ہے تو وہ پانی نجس ہے۔
اور اگر چھت آدھی سے کم ناپاک ہے تو وہ پانی پاک ہے۔ اصلاح چھت
کتنی ہی نجس ہو کتنی ہی اس پر نجاست پڑی ہو اگرچہ پرنالہ کے پاس ہو جب
مینھ کا پانی چھت سے بہتا ہوا پرنالہ سے گزرتا ہوا آئے گا پاک ہو گا تاوقتیکہ
اس کے رنگ بو مزے میں تغیر نہ آئے یہی صحیح و معتمد ہے فتاویٰ رضویہ میں ہے
چھت پر کتنی ہی نجاستیں پڑی ہوں یا عین پرنالہ میں ہوں اور مینھ کا پانی کہ چھت
پر سے بہتا اس پرنالہ سے گزرتا اترا ناپاک نہ ہو گا۔ جب تک کہ نجاست
سے اس کے رنگ یا مزے یا بو میں فرق نہ آئے یہی صحیح و معتمد ہے۔ بدائع
میں ہے۔ ان کانت الانجاس متفرقۃ علی السطح ولم تکن عند
المیزاب ذکر عیسیٰ ابن ابان انہ لا یصیر نجسا ما لم یتغیر وحکمہ
حکم الماء الجاری الخ یعنی اگر چھت پر نجاست پھیلی ہو اور پرنالہ کے موہنہ
میں نہ ہو تو عیسے ابن ابان نے ذکر کیا ہے کہ پانی نجس نہ ہو گا۔ جب تک کہ متغیر
نہ ہو اور وہ حکم میں جاری پانی کے ہے۔

بابِ خیر

فہرست مضامین کتاب

بعونہٖ تعالیٰ

یہ مبارک رسالہ ہدایت قبالہ (جس میں بہشتی زیور کے ان مسائل کی تردید و تصحیح کی گئی ہے جو غلط اور خلاف تصریحات فقہائے کرام یا اپنے اطلاق کے باعث حکم شرع کو متغیر کرنے والے تھے)

مسمےٰ بہ

اصلاحی بہشتی زیور

حصہ دوم و سوم و چہارم

جناب مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب سنی حنفی قادری بریلوی نے بغرض رفاہ عام و فائدہ اہل اسلام

الفقیہ پرنٹنگ پریس ہال بازار امرت سر میں باہتمام حکیم معراج الدین احمد پرنٹر چھپا اور مولوی حشمت علی محلہ گڑھیا پبلشر نے شہر بریلی سے شائع کیا۔

اصلاحِ بہشتی زیور

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ اگر پورے دس دن رات حیض آیا تو جب سے خون بند ہو جائے اسی وقت سے صحبت درست ہے چاہے نہا چکی ہو یا ابھی نہ نہائی ہو۔

اصلاح اگرچہ پورے دس دن رات حیض آنے کے بعد غسل سے پہلے صحبت کرنا جائز و حلال ہے مگر کراہت سے خالی نہیں مستحب یہ ہے کہ غسل کے بعد صحبت کی جائے اور جہاں دسوں دن رات ٹھہرا گیا ہے وہاں بقدر غسل اور رُکا جائے مراقی الفلاح و فتاوے عالمگیری میں ہے والمستحب ان لا یطاھا حتی تغتسل ھکذا فی المحیط یعنی غسل تک اُس سے وطی نہ کرنا مستحب ہے یونہی محیط میں ہے درمختار میں ہے ویحل وطؤھا اذا انقطع حیضھا لاکثرہ بلا غسل وجوبا بل ندبا۔ جس حائضہ کا حیض پورے دس روز میں منقطع ہوا ہو اُس سے وطی بلا غسل حلال ہے وطی کے لیے غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کہ بعد غسل کرے۔

مسئلہ اگر دس دن سے کم حیض آیا اور ایسے وقت خون بند ہوا کہ نماز کا

وقت بالکل تنگ ہے کہ جلدی اور پھرتی سے نہا دھو ڈالے تو نہانے کے
بعد بالکل ذرا سا وقت بچے گا جس میں صرف ایکدفعہ اللہ اکبر کہکر نیت
باندھ سکتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں پڑھ سکتی تب بھی اس وقت کی
نماز واجب ہو جائیگی اور قضا پڑھنی پڑیگی اصلاح صحیح یہ ہے کہ
اگر دس روز سے کم حیض آیا اور نماز کے اخیر وقت بند ہوا تو اگر نہانے
کپڑے پہننے اور تکبیر تحریمہ کہنے کی مقدار وقت ہو تو اس وقت کی نماز
حائضہ پر واجب ہوگی اور اگر اتنا وقت نہ ہو صرف نہانے کا ہو کپڑے
پہننے تکبیر کہنے کا نہ ہو یا نہانے اور کپڑے پہننے کا ہو تکبیر کہنے کا نہ ہو
یا نہانے اور تکبیر کہنے کا ہو کپڑے پہننے کا نہ ہو یا صرف تکبیر کہنے کا ہو
نہانے اور کپڑے پہننے کا نہ ہو تو ان سب صورتوں میں اس وقت کی
نماز واجب نہ ہوگی حاشیہ شرنبلالی علی الدرر میں بحر سے اور طحطاوی
حاشیہ مراقی الفلاح میں مجتبیٰ سے منقول ہے والصحیح ان یعتبر مع
الغسل لبس الثیاب یعنی صحیح یہ ہے کہ غسل کے ساتھ کپڑے پہننے
کا بھی اعتبار ہے در مختار میں ہے ویقضی علیھا زمن یسع الغسل
ولبس الثیاب والتحریمۃ یعنی من اخر وقت الصلاۃ قال فی رد المحتار
فتقضی الصلاۃ ان بقی قدر الغسل والتحریمۃ فلا یکفی ادراک
قدر الغسل فقط بل لابد من ادراک زمن التحریمۃ
ایضا ای لبس الثیاب کما مر حیث قال ثم لا یخفی ان لبس
الثیاب مثل التحریمۃ اذ لا تجب الصلاۃ بدونہ یعنی بعد
انقطاع حیض اتنا وقت گزرے کہ جس میں نہانے کپڑے پہننے اور تکبیر
تحریمہ کہنے کی گنجایش ہو تو اس وقت کی نماز حائضہ پر قضا ہوگی ورنہ
صرف بقدر غسل وقت ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ تکبیر کہنے اور
کپڑے پہننے کی مقدار وقت ہونا ضروری ہے کہ بدون کپڑے پہنے بھی

نماز واجب نہیں۔

مسئلہ اور اگر رات کو پاک ہوئی اور پورے دس دن رات حیض آیا ہے تو اگر اتنی ذراسی رات باقی ہو جس میں ایکدفعہ اللہ اکبر بھی نہ کہہ سکے تب بھی صبح کا روزہ واجب ہے اور اگر دس دن سے کم حیض آیا ہے تو اگر اتنی رات باقی ہو کہ پھرتی سے غسل تو کرے گی لیکن غسل کے بعد ایک دفعہ بھی اللہ اکبر نہ کہہ پاویگی تو بھی صبح کا روزہ واجب ہے الخ (صفحہ ۹ سطر ۲ بیان احکام حیض) **اصلاح** صحیح اور تحقیق یہ ہے کہ حائضہ پر نماز و روزہ واجب ہونے کے لیے اخیر وقت کا اعتبار اور تکبیر تحریمہ کا مطلقاً اور غسل کا اکثر مدت پر طہر میں اور اقل مدت پر حیض میں شمار کیا گیا ہے یعنی اگر حائضہ کو حیض پورے دس روز آئے اور اخیر وقت نماز یا سحری کے بند ہوا اور بعد بند ہونے کے لمحہ بھر صرف اللہ اکبر کہنے کی مقدار نماز یا سحری کا وقت باقی ہو تو اُس وقت کی نماز اور صبح کا روزہ واجب ہوگا اور اگر حیض بند ہونے کے بعد لمحہ بھر تکبیر کہنے کی قدر بھی نماز یا سحری کا وقت باقی نہ ہو تو نہ اُسوقت کی نماز فرض ہوگی اور نہ صبح کا روزہ فرض ہوگا۔

اور جو دس روز سے کم حیض آئے اور اخیر وقت نماز یا سحری کے بند ہو اور بعد بند ہونے کے نہالے اور کپڑے پہننے اور تکبیر تحریمہ کہنے کی مقدار نماز یا سحری کا وقت باقی ہو تو اُس وقت کی نماز اور صبح کا روزہ واجب ہوگا اور اگر نہانے کپڑے پہننے تکبیر کہنے کی مقدار نماز یا سحری کا وقت باقی نہ ہو صرف غسل کا ہو تو اُس وقت کی نماز اور صبح کا روزہ واجب نہ ہوگا مجمع الانہر شرح ملتقے الابحر اور شرح وقایہ میں ہے ثم المعتبر عندنا اخر الوقت فاذا حاضت فی اخر الوقت سقطت وان طهرت فی اخر الوقت وجبت فاذا كانت طهارتها لعشرة وجبت الصلاة وان كان الباقی من الوقت لمحة وان كانت لاقل منها فالكان

نقصان تین اور [illegible] روز کی
[illegible]

الباقی من الوقت مقدار مایسع الغسل والتحریمة وجبت والا فلا فوقت الغسل یحتسب ھھنا من الحیض والصائمة ان طهرت فی اللیل لعشرة ایام یصح الصوم ھذا الیوم وان کان الباقی من اللیل لحظة وان طهرت لاقل من عشرة یصح صوم ان کان الباقی من اللیل مقدار مایسع الغسل والتحریمة

یعنی ہمارے نزدیک اخیر وقت معتبر ہے پس اگر آخر وقت حائضہ ہوئی تو نماز ساقط ہوگی اور جو پاک ہوئی تو واجب۔ پس اگر پورے دس روز میں پاک ہو تو نماز واجب ہوگی اگرچہ ایک لحظہ وقت باقی ہو اور جو کم میں دس روز سے پاک ہو تو اگر وقت مقدار غسل وتکبیر کے باقی ہو تو نماز واجب ہوگی ورنہ نہ ہوگی پس وقت غسل اس جگہ حیض میں شمار ہوگا اور روزہ دار اگر رات کو پورے دس روز میں پاک ہو تو اس روز کا روزہ صحیح ہوگا اگرچہ لحظہ بھر رات باقی ہو اور جو دس روز سے کم میں پاک ہوئی تو روزہ صحیح ہوگا اگر مقدار غسل وتکبیر کے رات باقی ہو شرنبلالیہ حاشیہ درر میں ہے ھذه الاغتسال من الحیض فی الانقطاع لاقل من عشرة وان کان تمام عادتها بخلاف العشرة حتی لو طهرت فی الاولی والباقی قدر الغسل والتحریمه فعلیها القضاء تلك الصلاة وفی الثانیة یشترط ان یکون الباقی من الوقت قدر التحریمه فقط وفی المجتبی الصحیح ان یعتبر مع الغسل لبس الثیاب وهکذا صومها وتمامه فی البحر یہ غسل حیض سے ہوگا دس روز سے کم میں حیض بند ہو جانے پر اگرچہ عادت کے موافق ہو بخلاف دس روز میں بند ہونے کے حتی کہ اگر اول میں پاک ہوئی اور بقدر غسل وتکبیر وقت باقی ہو تو اس پر اس نماز کی قضا واجب ہوگی اور ثانی میں صرف بقدر تکبیر وقت باقی ہونا شرط ہے اور مجتبے میں ہے کہ صحیح مذہب میں غسل کے ساتھ کپڑے پہننے کا وقت بھی اعتبار کیا گیا ہے

اور اسی طرح حائضہ کے روزے کا حکم ہے اور پورا بیان اس کا بحر میں ہے
طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے والصحیح ان یعتبر مع
الغسل لبس الثیاب وھکذا الجواب فی الصوم اذا طہرت
قبل الفجر صحیح یہ ہے کہ غسل کے ساتھ کپڑے پہننے کا بھی اعتبار
کیا جائے اور یہی جواب روزہ میں ہے جبکہ قبل فجر پاک ہو۔ درمختار میں
ہے او یمضی علیہا زمن یسع الغسل ولبس الثیاب والتحریمۃ
یا اس پر اتنا زمانہ گزرے جس میں نہا کر کپڑے پہنکر تکبیر کہنے کی گنجائش ہو ردالمحتار
میں اسی کے تحت ہے وھو قدر ما یسع الغسل واللبس و
التحریمۃ وہ زمانہ اس قدر ہو جس میں نہانے کپڑے پہننے تکبیر کہنے کی
گنجائش ہو درمختار وردالمحتار میں ہے وھی ای التحریمۃ من الطھر
ای من زمنہ مطلقا ای سواء کان الانقطاع لاکثر الحیض
اولدون ذلک ح وکذا الغسل ای الغسل مثل التحریمۃ فی
انہ من الطھر لو الانقطاع لاکثرہ ولو لاقلہ فلا بل ھو من
الحیض لکن ھذا فی حق القربان وانقطاع الرجعۃ وجواز
التزوج باخر لا فی حق جمیع الاحکام واما فی حق بقیۃ الاحکام
فلا یشترط الغسل ففی مثل الصلاۃ او الصوم یجب علیھا وان لم
تغتسل لکن بشرط ادراک زمن التحریمۃ وفیہ اذا علمت ان زمن
التحریمۃ من الطھر مطلقا وان زمن الغسل من الحیض فی الانقطاع
لاقلہ فتقضی الصلاۃ ان بقی قدر الغسل والتحریمۃ فلا یکفی
ادراک قدر الغسل فقط بل لابد من ادراک قدر التحریمۃ
ایضا ای ولبس الثیاب کما مر ولو انقطع لعشر فتقضی الصلاۃ
ان بقی قدر التحریمۃ فقط یعنی تکبیر تحریمہ مطلقاً زمانہ طہر سے ہے خواہ حیض
اکثر مدت میں بند ہو یا کم میں اور یونہی غسل مثل تکبیر کے طہر سے ہے اگر اکثر مدت میں

بند ہو اور جو اقل مدت میں بند ہو تو طہر سے نہیں ہے بلکہ حیض سے ہے لیکن یہ حکم وطی کرنے اور رجعت منقطع ہونے اور دوسرے سے نکاح کرنے کے بارے میں ہے نہ تمام احکام میں پس باقی احکام میں غسل شرط نہیں ہے تو نماز یا روزے کے مثل اسپر واجب ہوگا اگرچہ غسل نہ کرے گر بشرطیکہ زمانہ تکبیر پائے جب یہ جان لیا کہ زمانہ تکبیر طہر سے ہے اور زمانہ غسل حیض سے ہے اقل مدت میں بند ہو جانے سے تو نماز قضا کی جائیگی اگر وقت بقدر غسل اور تحریمہ ہو پس صرف مقدار غسل وقت پانا کافی نہ ہوگا بلکہ بقدر تکبیر کہنے اور کپڑے پہننے کے وقت پانا بھی ضروری ہے جیسا کہ گزرا اور جو پورے دس روز میں بند ہو تو نماز قضا کی جائیگی اگرچہ صرف تکبیر کہنے کے قابل وقت باقی ہو

مسئلہ اگر پوری آیت نہ پڑھی بلکہ آیت کا ذرا سا لفظ یا آدھی آیت پڑھی تو درست ہے صفحہ ۱۵ سطر ۲۰ بیان احکام حیض **اصلاح** صحیح و مختار یہ ہے کہ حالت حیض و نفاس و جنابت میں قرآن عظیم بقصد قرأۃ پڑھنا مطلقاً حرام ہے خواہ پوری آیت ہو یا آدھوری یہی قول ہدایہ کافی بحر حلیہ وغیرہ میں اختیار کیا گیا ہے اور تھانوی صاحب کے قول کو بحر حلیہ میں یوں رد کیا ہے کہ ان الاحادیث لم تفصل بین الکثیر والقلیل والتعلیل فی مقابلۃ النص مردود احادیث میں پوری یا آدھی یا کم و زیادہ کی تفصیل نہیں کی گئی ہے پس احادیث کے مقابلہ میں دلیل پیش کرنا مردود و نامقبول ہے ہدایہ میں ہے لاتقرأ الحائض والنفساء والجنب شیئا من القرآن والآیۃ وما دونھا سواء فی التحریم علی الاصح حیض و نفاس و جنابت والی کوئی شئے قرآن کی نہ پڑھے اور پوری یا پوری سے کم آیت حرمت میں صحیح تر مذہب پر برابر ہے۔

جوہرۂ نیرہ میں ہے ولایجوز لحائض ولاجنب قرأۃ قرآن لقولہ علیہ السلام لایقرأ الجنب والحائض شیئا من القرآن ولانھما یباشر القرآن بعضو یجب غسلہ فلا یجوز وظاھر ھذا ان الآیۃ

حیض و نفاس و جنابت میں بقصد قرأت قرآن عظیم پڑھنا مطلقاً حرام

وما دونها سواء فی التحریمہ اور جنبی کو قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے
واسطے قول نبی علیہ السلام کے حائض وجنبی کچھ قرآن سے نہ پڑھیں
اور اس لیے کہ جس عضو سے قرآن پڑھے گا اس کا غسل واجب ہے پس
اس سے پڑھنا جائز نہ ہوگا اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پوری اور ادھوری
آیت حرمت میں برابر ہے۔ منتقی اور مجمع الانہر میں ہے ولا قراءۃ
قران ولو دون آیۃ وھو المختار حائضہ قرآن نہ پڑھے اگرچہ آیت
سے کم ہو یہی مختار ہے۔ ہدایہ اور مستخلص میں ہے ویمنع القرآن
لقولہ علیہ السلام لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئاً من القرآن
وھو حجۃ علی مالک رح فی الحائض وھو باطلاقہ یتناول دون
الآیۃ فیکون حجۃ علی الطحاوی فی اباحتہ حائض وجنب
قرآن پڑھنے سے منع کیا جائے واسطے قول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
نہ پڑھے حائض اور نہ جنب کوئی شے قرآن سے اور یہ حدیث امام مالک رح
پر حائضہ میں حجت ہے اور اپنے اطلاق کے سبب آیت سے کم
کو بھی شامل ہے پس آیت سے کم کی اباحت میں امام طحاوی پر حجت ہوگی
شرح وقایہ میں ہے ولا تقرأ القرآن لجنب ونفساء سواء کان
آیۃ او ما دونھا عند الکرخی وھو المختار حائضہ قرآن نہ پڑھے
مثل جنب ونفساء کے خواہ پوری آیت ہو یا کم نزدیک کرخی رحمۃ اللہ
علیہ کے اور یہی مختار ہے در المختار میں ہے ویحرم تلاوۃ قرآن ولو دون
آیۃ علی المختار بقصدہ مختار مذہب میں بقصد قراءۃ قرآن پڑھنا
اگرچہ آیت سے کم ہو حرام ہے مراقی الفلاح میں ہے واختلف التصحیح
بما دون الآیۃ واطلاق المنع ھو المختار لقولہ صلی اللہ علیہ
وسلم لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئاً من القرآن قال
الطحطاوی تحتہ ویؤیدہ ما اخرجہ الدارقطنی عن علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقرأ القراٰن مالم یصب احدکم جنابۃ فاذا اصابتہ فلا ولا حرفا واحدا یعنی آیت سے کم میں اختلاف تصحیح ہے اور اطلاق منع مختار ہے واسطے قول نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حائض وجنب کوئی شے قرآن سے نہ پڑھیں اور اسی کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو دارقطنی نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قرآن پڑھو جب تک کہ تمھیں جنابت نہ پہنچے اور جب جنابت پہنچے تو کوئی حرف نہ پڑھو

مسئلہ مرغی بطخ اور مرغابی کی بیٹ اور گدھے خچر اور سب حرام جانوروں کا پیشاب یہ سب چیزیں نجاست غلیظہ ہیں (صفحہ ۱۲ سطر ۳ بیان تطہیر نجاست) **اصلاح** مرغابی کی بیٹ یقیناً پاک ہے نہ نجاست غلیظہ ہے نہ خفیفہ اُسے مرغی و بطخ کی بیٹ کی طرح نجاستِ غلیظہ کہنا غلط ہے کہ جس جانور کو عرف میں مرغابی کہتے ہیں وہ ہوا میں بیٹ کرنیوالا اڑنیوالا حلال جانور ہے اور جو ہوا میں بیٹ کرنے والے اڑنے والے حلال جانور ہیں ان کی بیٹ پاک ہے بلکہ حرام پرندوں کی بیٹ بھی نجاستِ غلیظہ نہیں نجاست خفیفہ ہی یا پاک ہے علی اختلاف القولین تو پھر مرغابی کی بیٹ کو نجاست غلیظہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے واما مایذرق فی الھواء فما یوکل کالحمام والعصفور خرؤہ طاہر وما لا یوکل کالصقر والحدأۃ والرخم فخرؤہ نجس مخفف درمختار میں ہے واما مایذرق فی الھواء فان ماکولا فطاہر والا فمخفف یعنی حلال پرندوں ہوا میں بیٹ کرنے والوں مثل کبوتر چڑیا وغیرہ کی بیٹ پاک ہے اور حرام پرندوں کی جیسے چیل کوا وغیرہ کی نجاست خفیفہ ہے ردالمحتار میں ہے اما الکان یطیر ولا یعیش بین الناس فکالحمامۃ بحر عن البزازیۃ یعنی جو جانور اڑتے اور آدمیوں میں نہیں رہتے ہیں وہ مثل کبوتر کے ہیں

مرغابی وغیرہ حلال پرندوں کی بیٹ پاک ہے

ان کی بیٹ پاک ہے اور کبوتر کی بیٹ کی پاکی خود تھانوی صاحب کو مسلم ہے تو مرغابی کی پاکی بھی مسلم ہونا چاہیئے تھی مگر شاید مرغابی مرغیوں اور بطخوں کی طرح تھانہ بھون کے گھروں میں پلتی آدمیوں میں رہتی بستی ہوگی یا درمختار وغیرہ کی نجاست غلیظہ والی مثال (کبطٍ واوز) سے دھوکا ہوا ہوگا اوز کو مرغابی خیال کیا ہوگا - جب تو مرغابی و بطخ کے ساتھ شمار فرمایا اور اسکی بیٹ کو مرغی و بطخ کی طرح نجاست غلیظہ ٹھہرایا ورنہ لغت و کلام فقہا سے تو صاف ظاہر ہے کہ اوز مرغابی نہیں ہے بط ہے اور بط و اوز ہم معنی لفظ ہیں ایک ہی جانور پر اطلاق کیے جاتے ہیں جیسے لیث و اسد علامہ شامی ردالمحتار میں تحت قولہ کبط و اوز فرماتے ہیں فسر فی القاموس کلا منھما بالآخر فھما مترادفان یعنی قاموس میں بط کی اوز کے ساتھ اور اوز کی بط کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے پس وہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اسی لیے صراح وغیرہ میں اوز کے معنی بط ہی لکھے ہیں اور اس کے آگے مزید ایضاح کے لیے مرغ آبی فارسی لفظ بترکیب اضافی لکھا ہے تاکہ خوب معلوم ہو جائے کہ اوز بط کو کہتے ہیں اور بط پانی پر رہنے والا دریا تالابوں پر بسر کرنے والا جانور ہے (حتی کہ اس کے بیان میں لکھا ہے کہ وہ پانی کو بہت محبوب رکھتی ہے اور اس کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی پانی پر تیرتا پھرتا ہے اور یہی اوز سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے یہاں پلی تھیں جب وہ کوفہ تشریف لے چلے تو مفارقت سے بیقرار تھیں قدموں پر لوٹتی تھیں جسے ہم بڑی بط بولتے ہیں اور اسی کی ایک نوع کو چھوٹی بط کہتے ہیں) نہ یہ کہ اوز کو مرغابی کہتے ہیں یوں تو اگر اوز کے معنی مرغابی ٹھہرائے جائیں گے تو بلحاظ معنی ترکیبی جسقدر مرغ آبی ہونگے دریاؤں تالابوں پر بسر کرنیوالے پرند ہونگے سب کی بیٹ نجاست غلیظہ ٹھہریگی خواہ وہ حلال ہوں یا حرام اور فقہائے کرام کا ما یذرق ویطیر فی الھواء والاجزیہ بیکار و بیفائدہ

ٹھہریگا حالانکہ یہ جزیہ بیکار نہ کبیطہ وادز والی مثال بے فائدہ دونوں اپنے اپنے محل و معنی میں ٹھیک ہیں انھیں غلط معنی پہنانا اور بیجا استعمال کرنا محض سمجھ کا قصور ہے۔ نفائس اللغات میں ہے مرغابی مرغ آب را گویند عموماً و بعربی طیر الماء و بفارسی ماغ گویند و بطخ نوعے از مرغابی کہ درخانہ پرورند و اوز بکسر ہمزہ و بفتح واؤ و زاء معجمہ مشددہ در آخر گویند صاحب حیوۃ الحیوان گوید کو چک را البط و بزرگ را اوز گویند۔ اللہ تعالےٰ ہمارے فقہائے کرام پر رحم فرمائے اور اپنے دامن رحمت میں انھیں چھپائے کہ وہ ہمیں ہر شئے چھان بین کر کے گئے ہر مسئلہ واضح فرما گئے ابھی در مختار و رد المحتار سے گزرا کہ جو حلال جانور اُڑنے اور ہوا میں بیٹ کرنیوالے ہوں آدمیوں میں رہنے بسنے والے نہوں اُن کی بیٹ پاک ہے اور جو ہوا میں اُڑنے بیٹ کرنیوالے نہیں ہیں آدمیوں میں رہتے ہیں جیسے مرغی بطخ وغیرہ اُن کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے اور پر ظاہر کہ مرغابی ہوا میں اُڑنے والا جانور ہے زمین سے سو ڈیڑھ سو گز بلند اڑتا ہے آدمیوں میں نہیں بستا ہی گھروں میں مرغی و بط کی طرح نہیں پالا جاتا ہی تو پھر اسکی بیٹ مرغی و بطخ کی طرح کیسے نجاست غلیظہ ہو سکتی ہے۔ پھر چونکہ بعض مرغابیاں جو بچ پنجوں میں بطخ کے مشابہ ہوتی ہیں لہذا رفع اشتباہ کیلیے فقہائے کرام نے بط و اوز میں اہلی کی قید اور بڑھائی تاکہ اشتباہ باقی نہ رہے اور وہ حکم بط و اوز سے نکل جائیں۔ در المنتقیٰ میں ہے وخرء طیور ماکولۃ کحمام طاہر الا الدجاجۃ والبط الاہلی وما یطیر فکالحمام۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے وکذا خرء البط والاوز الاہلی بخلاف البری الطیار فان فیہ ضرورۃ لانہ یذرق فی الہواء۔ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے فی البحر عن البزازیۃ البط ان کان لیعیش بین الناس و لا یطیر فی الہواء فکالدجاجۃ وان کان بخلاف ذلک فکالحمام منتہیٰ یفید ان خرء الاوز العراقی طاہر کالحمام۔ یعنی بیجال حلال

پرندوں کی مثل کبوتر کے پاک ہے مگر مرغی اور بطخ جو گھروں میں پلی آدمیوں میں رہتی اور اڑتی نہیں ہے اس کی بیٹ ناپاک ہے اور جو ایسی نہ ہو جنگلی اڑنے والی ہو جیسے بط عراقی تو اس کی بیٹ مثل کبوتر کے پاک ہے تو معلوم ہوا کہ مرغابی کی بیٹ اگرچہ اسے بط اوز ہی کہا جائے پاک ہے۔ تھانوی صاحب کا اس کی بیٹ کو نجاست غلیظہ کہنا اور بط کو مطلق بلا قید اہلی و بری کے تحریر کرنا غلط ہے۔

مسئلہ اگر نجاست ایسی چیز میں لگی ہو جس کو نچوڑ نہیں سکتے ہیں جیسے تخت چٹائی۔ زیور۔ رسی یا چینی وغیرہ کے برتن۔ بوتل۔ جوتہ وغیرہ تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ دھو کر ٹھہر جاوے جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے پھر دھوئے پھر جب پانی ٹپکنا موقوف ہو تب پھر دھوئے اسی طرح تین دفعہ دھوئے تب وہ چیز پاک ہو جاویگی۔ (صفحہ ۱۳ سطر ۳۰ بیان تطہیر نجاست) **اصلاح** تھانوی صاحب کا اشیائے مذکورہ کے پاک کرنے کا یہ طریقہ بتانا اور سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا نیز نجاست مرئیہ و غیر مرئیہ کی اس میں قید نہ لگانا محض غلط اور خلاف تصریحات فقہائے کرام ہے کہ یہ طریقہ صرف ان چیزوں کے پاک کرنے کا ہے جو نجاست جذب کر لیتی ہیں اور نچوڑنے میں نہیں آتی ہیں نہ دنیا بھر کی چیزوں کا اور ظاہر کہ اشیائے مذکورہ میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بالکل نجاست جذب نہیں کرتی ہیں جیسے زیور چینی وغیرہ کے برتن بوتل اور بعض ایسی ہیں جو کم جذب کرتی ہیں جیسے تخت جوتہ اور بعض ایسی ہیں جو خوب جذب کرتی ہیں جیسے رسی۔ چٹائی اگرچہ چٹائی بھی کئی طرح کی ہوتی ہے تو پھر سب کے پاک کرنے کا ایک طریقہ بتانا جاذب و غیر جاذب میں کچھ فرق نہ کرنا نجاست مرئیہ و غیر مرئیہ کی تفصیل نہ کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جس چیز میں نجاست لگی ہوگی یا تو وہ نجاست بالکل جذب نہ کرے گی جیسے سونے چاندی

پیتل رانگ وغیرہ کے غیر منقش وغیر مسلوکر زیور اور نہ کانچ شیشہ بلور پتھر تانبے پیتل لوہے المونیا وغیرہ دھاتوں کے بنے نقش برتن مٹی کے پرانے استعمالی ظروف جن کے مسام بند ہوگئے ہوں یا وہ شے نجاست کم جذب کریگی جیسے بدن چمڑے کا موزہ جوتہ یا خوب نجاست جذب کرے گی جیسے کپڑا ٹاٹ دری چٹائی باندھوں کی بُنی چارپائی وغیرہ پس اول میں نجاست مرئیہ لگی ہو یا غیر مرئیہ صرف اتنا دھولے سے کہ نجاست زائل ہو جائے ایکبار میں زائل ہو یا دو تین چار پانچ بار میں پاک ہو جائیگا نہ اُسے نچوڑنے کی ضرورت نہ تین بار دھونے اور ہر بار اتنا ٹھہرنے کی حاجت کہ ٹپکنا بند ہو جائے یہی حکم دوسری قسم کی چیزیں پاک کرنے کا ہو کہ پانی اس قلیل نجاست جذب شدہ کو نکالے گا۔ اور تیسری قسم کی چیزوں میں اگر نجاست مرئیہ لگی ہو اور وہ نچوڑنے میں آسکتی ہوں تو نجاست دور کرنے اور نچوڑنے کی ضرورت اگرچہ ایکبار میں ہو یا دس بار میں اور اگر نجاست غیر مرئیہ لگی ہو تو تین بار دھونا اور ہر بار نچوڑنا اور آخر کو خوب نچوڑنا شرط ورنہ پاک نہ ہوگا اور اگر وہ نچوڑنے میں نہ آسکتی ہوں اور نجاست غیر مرئیہ لگی ہو تو تین بار دھونا اور ہر بار کے بعد تقاطر بند ہو لے تک ٹھہرنا کافی یہ وہی قسم ہے جو تھانوی صاحب نے لکھی ہے اور ہر قسم کی چیزیں اس کے تحت میں داخل کی ہیں ردالمحتار میں ہے

وحاصله كما فى البدائع ان المتنجس اما ان لا يتشرب فيه اجزاء النجاسة اصلا كالاوانى المتخذة من الحجر والنحاس والخزف العتيق او يتشرب فيه قليلا كالبدن والخف والنعل او يتشرب كثيرا ففى الاول طهارته بزوال عين النجاسة المرئية او بالعدد على ما مر وفى الثانى كذلك لان الماء يستخرج ذلك القليل فيحكم بطهارته اما فى الثالث فان كان مما يمكن عصره كالثياب فطهارته بالغسل والعصر الى زوال المرئية وفى غيرها بتثليثهما وان كان مما لا ينعصر

كالحصير المتخذ من البردى ونحوه ان علم انه لم يتشرب فيه بل اصاب ظاهره يطهر بازالة العين او بالغسل ثلاثا بلا عصر وان علم تشربه كالخزف الجديد والجلد المدبوغ بدهن النجس و الحنطة المنتفخة بالنجس فعند محمد لا يطهر ابدا وعند ابی یوسف ينقع فی الماء ثلاثا ويجفف كل مرة والاول اقيس والثانی اوسع

اھ وبہ يفتی یعنی حاصل اس کا جیسا کہ بدائع میں ہے یہ ہے کہ نجس چیز یا تو اس میں اجزائے نجاست بالکل جذب نہ ہونگے جیسے پتھر تانبہ پیتل اور مٹی کے پرانے استعمالی برتن یا تھوڑے جذب ہونگے جیسے بدن۔ موزہ۔ جوتہ یا بہت جذب ہونگے پس پہلی صورت میں وہ شے عین نجاست مرئیہ زائل ہو جانے سے پاک ہو گی یا تین بار دھونے سے جیسا کہ گزرا۔ اور ثانی صورت میں بھی اسیطرح پاک ہو گی کہ پانی اس تھوڑی نجاست کو نکال دیگا پس اس کی پاکی کا حکم دیا جائے گا اور تیسری صورت میں اگر وہ شے نچوڑ سکتی ہے جیسے کپڑا تو پاکی اس کی زوال عین نجاست مرئیہ تک دھونے اور نچوڑنے سے ہو گی اور نجاست غیر مرئیہ میں تین بار دھونے سے ہو گی اور جو وہ شے نہ نچڑ سکتی ہو جیسے چٹائی اور اسکی مثل چیزیں تو اگر اس میں اجزائے نجاست نہ جذب ہونے کا علم ہو بلکہ اس کے اوپر ہی نجاست لگی ہو تو وہ عین نجاست دور کرنے یا تین بار دھونے سے پاک ہو گی اور جو اس میں نجاست جذب ہونے کا علم ہو جیسے مٹی کے نئے برتن اور نجس تیل میں چمڑا پکا ہوا اور گیہوں نجاست میں پھولے ہوئے تو وہ نزدیک امام محمدؒ کے کبھی پاک نہ ہو گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین بار پانی میں بھگونے اور ہر بار خشک کرنے سے پاک ہونگی مذہب اول موافق قیاس کے ہے اور ثانی واسع تر ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے یجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن ازالتها به الكانت مرئية بازالة عينها واثرها ولا يعتبر فيه العدد كذا فی

المحیط فلو زالت عینها بمرة اکتفابها ولو لم تزل بثلاث تغسل الی ان تزول کذا فی السراجیة وان کانت غیر مرئیة یغسلها ثلاث مرات کذا فی المحیط ویشترط العصر فی کل مرة فیما ینعصر و یبالغ فی المرة الثالثة وما لا ینعصر یطهر بالغسل ثلاثا والتجفیف فی کل مرة هذا اذا تشربت النجاسة وان کثیرا وان لم تتشرب فیه او تشربت قلیلا یطهر بالغسل ثلاثا هکذا فی المحیط السرخسی
پانی اور ہر بہنے والی پاک چیز سے کہ ازالہ نجاست اس سے ممکن ہو نجاست پاک کرنا جائز ہے پس اگر نجاست مرئیہ ہو تو اُس کا عین و اثر دور کرنے سے پاک ہو گی اور ان میں عدد کا اعتبار نہ کیا جائیگا جیسا کہ محیط میں ہے پس اگر عین نجاست ایکبار میں زائل ہو جائے تو اسی پر اکتفا کی جائیگی اور جو تین بار میں زائل نہ ہو تو زائل ہونے تک دھوئی جائیگی جیسا کہ سراجیہ میں ہے اور اگر وہ غیر مرئیہ ہو تو اُسے تین بار دھوئیں جیسا کہ محیط میں ہے اور ہر بار نچوڑنا اور تیسری بار زیادہ نچوڑنا نچڑنے والی چیز میں شرط ہے اور جو چیز نچڑ نہ سکے وہ تین بار دھونے اور ہر بار قطرہ بند ہونے تک ٹھہرنے سے پاک ہو گی اگر نجاست اس میں جذب ہو گئی ہو اگرچہ زیادہ ہو اور جو اُس میں نجاست جذب نہ ہوئی ہو یا تھوڑی ہوئی ہو تو تین بار دھونے سے پاک ہو گی ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے در المنتقی و مجمع الانہر میں ہے ویطهر غیر المرئی بالغسل ثلاثا والعصر کل مرة ان امکن عصرہ والا یمکن کالخشب والحصیر ونحوهما فیطهر بالتجفیف کل مرة حتی ینقطع التقاطر لا الجفاف الحقیقی وهذا اذا کان تشرب النجاسة والا فیطهر بالغسل فقط بشرط ذهاب الاثر کما فی المحیط نجاست مرئیہ تین بار دھونے اور ہر بار نچوڑنے سے پاک ہو گی اگر اُس کا نچوڑنا ممکن ہو اور جو نہ ہو جیسے لکڑی۔ چٹائی اور اُس کی مثل چیزیں تو وہ بجائے نچوڑنے کے قطرہ بند

ہونے تک ٹھہرنے سے پاک ہو گی جبکہ اس میں نجاست گھس گئی ہو ورنہ صرف تین بار دھونے سے پاک ہو گی بشرطیکہ اس کا اثر زائل ہو جائے۔

مسئلہ اگر کوئی گلاب یا عرق گاؤزبان یا اور کسی عرق سے یا سرکہ سے دھوئے تو بھی چیز پاک ہو جائیگی (صفحہ ۱۴ سطر ۴ بیان تطہیر نجاست)

اصلاح اشیائے مذکورہ سے ازالۂ نجاست و حصول طہارت تو ہو گا مگر بے ضرورت ان سے ازالۂ نجاست کرنا نجس چیز دھونا ممنوع و مکروہ ہے اگر پانی ہوتے ہوئے کوئی اُن سے ازالۂ نجاست کریگا بدن کپڑا وغیرہ دھوئیگا تو پاک تو ہو جائیگا مگر گنہگار ہو گا اضاعت مال کا وبال سر پر لدے گا لہذا بلا ضرورت ایسی چیزوں سے ازالۂ نجاست کرنا نجس بدن یا کپڑا وغیرہ دھونا نہ چاہیے۔ ردالمحتار میں حلیہ سے منقول ہے ویکرہ ان ازالۃ النجاسۃ بالمائع المذکور لما فیہ من اضاعۃ المال عند عدم الضرورۃ یعنی مذکورہ بالا بہنے والی چیز سے نجاست پاک کرنا مکروہ ہے کہ اس میں اضاعتِ مال بے ضرورت ہے۔

مسئلہ ہڈی اور نجاست جیسے گوبر لید وغیرہ اور کوئلہ کنکر سے استنجا کرنا برا اور منع ہے (صفحہ ۸ سطر ۹ بیان استنجا) **اصلاح** کنکر سے استنجا کرنا برا و منع بتانا اور اسے مثل دیگر اشیاء ممنوعہ شمار کرکے ممنوعات میں داخل کرنا غلط و محض تحکم ہے کہ نہ اس کے بارے میں خاص طور سے کوئی نہی وارد ہوئی ہے نہ کتب فقہ میں اسکی تصریح کی گئی ہے اور نہ وہ گوبر و لید کی طرح نجس ہے نہ پکی اینٹ و شیشہ وغیرہ کی مثل کھرکھرا ہی کہ مقام نجاست چھلنے کا خوف و اندیشہ ہو نہ کوئلہ اور ہڈی کی طرح جنون کی خوراک نہ طعام و چارہ کی طرح کسی ذی روح کی غذا ہے نہ کاغذ کی طرح محترم ہے نہ کپڑے وغیرہ کی طرح قیمتی ہے کہ جس کی بنا پر اس سے استنجا ممنوع و برا ٹھہرے وہ تو حجریات میں سے ہے اور حجر سے استنجا کرنا بلا کراہت

سب کے نزدیک جائز ہے اسی باعث کتب فقہ میں اس کا ذکر بھی نہ آیا نام
بھی نہ لیا گیا کہ وہ حجر میں داخل تھا تو پھر اس سے استنجا ممنوع و برا بتانا
کیسے صحیح ہو سکتا ہے اگر صحیح ہے تو تھا تو ابر ھانکم ان کنتم صادقین
مسئلہ جب سورج ڈوب گیا تو مغرب کا وقت آگیا پھر جب تک پچھم
کی طرف آسمان کے کنارے پر سرخی باقی رہے تب تک مغرب کا وقت
باقی رہتا ہے پھر جب وہ سرخی جاتی رہے تو عشا کا وقت شروع ہو گیا (صفحہ ۲
سطر ۱۲ بیان اوقات نماز) **اصلاح** اس قول سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی سرخی غائب
ہونے کے بعد مغرب کی نماز پڑھیگا تو نہ ہوگی اور عشا پڑھے گا تو ہو جائے گی حالانکہ
صحیح و مفتی بہ مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سرخی غائب ہونے
کے بعد مغرب کی نماز صحیح و جائز اور عشا کی ناجائز تاوقتیکہ سیاہی افق آسمان
پر نہ آجائے کہ اُن کے نزدیک سرخی کے بعد جو سفیدی مغرب کی طرف ظاہر
ہوتی ہے اُس کے رہنے تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور اُس کے غائب
ہونے اور سیاہی آنے پر مغرب کا وقت ختم اور عشا کا وقت شروع ہوتا ہے
تو جس نے سرخی غائب ہونے کے بعد سفیدی میں نماز مغرب پڑھی ہو گئی
اور عشا پڑھی تو نہ ہوئی۔ یہی مذہب صدیق اکبر و معاذ ابن جبل و ابوہریرہ
و عبداللہ ابن عباس و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے اور اسی کو
اکابر علما امیر المومنین عمر ابن عبدالعزیز و اوزاعی و مزنی و ابن منذر و
خطابی و مبرد و ثعلب وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اختیار کیا ہے بعض کتب
میں جو قول صاحبین مفتی بہ مرجوع الیہ لکھا ہے اُسے محققین نے رد کر کے امام
کے مذہب کو صحیح و مفتی بہ و احوط و اوثق و راجح فرمایا ہے۔ صاحب بحر وغیرہ
نے قول امام ہی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ قول امام سے بلا ضرورت نہیں
پھرا جائیگا اور نہ دوسرے قول پر عمل کیا جائیگا نہ اس کے مفتی بہ
ہونے پر التفات کیا جائیگا نیز بوجہ اختلاف و تعارض آثار و اخبار

[illegible]

سرخی غائب ہوتے ہی وقت مغرب ختم اور وقت عشا شروع ہونیکا بھی
حکم نہیں کرسکتے تا وقتیکہ خروج وقت مغرب اور دخول وقت عشا کا یقین نہو
وھو فی معرض الاختلاف بعد فکیف یحکم بہ قطعا رد المحتار میں ہے
وصرح فی المجمع بان علیہ الفتوی وردہ المحقق فی الفتح
بانہ لا یساعدہ روایۃ ولا درایۃ الخ وقال تلمیذہ العلامۃ القاسم
فی تصحیح القدوری ان رجوعہ لم یثبت لما نقلہ الکافۃ عن لدن الائمۃ
الثلاثۃ الی الیوم من حکایۃ القولین ودعوی عمل عامۃ الصحابۃ
بخلافہ خلاف المنقول قال فی الاختیار الشفق البیاض وھو
مذھب الصدیق ومعاذ بن جبل وعائشۃ رضی اللہ تعالی عنہم
قلت رواہ عبد الرزاق عن ابی ھریرۃ وعن عمر بن عبد العزیز
ولم یرو البیھقی فی الشفق الاحمر الا عن ابن عمر وتمامہ فیہ واذا
تعارضت الآثار والاخبار فلا یخرج وقت المغرب بالشک کما
فی الھدایۃ وغیرھا قال العلامۃ القاسم فثبت ان قول الامام
ھو الاصح ومشی علیہ فی البحر موئیدا لہ بما قدمناہ عنہ من انہ
لا یعدل عن قول الامام الا لضرورۃ الخ یعنی مجمع میں قول صاحبین
پرفتوی ہونے کی تصریح کی گئی ہے اور اُسے محقق امام ابن الہمام نے
فتح میں رد کردیا ہے کہ اس کی نہ کوئی روایت موافقت کرتی ہو اور نہ عقل
اور اُن کے شاگرد علامہ قاسم نے تصحیح قدوری میں کہا کہ امام صاحب کا رجوع
قول صاحبین کی طرف ثابت نہیں ہوا ہے کہ زمانہ ائمہ ثلاثہ سے آج
تک سب نے دو ہی قول نقل کیے ہیں، اور عمل صحابہ کا اس کے خلاف
دعوی کرنا خلاف منقول ہے اختیار میں ہے کہ شفق بیاض ہے اور وہ مذہب
صدیق اکبر ومعاذ ابن جبل وعائشہ رضی اللہ تعالے عنہم کا ہے۔ میں
کہتا ہوں کہ اسے عبد الرزاق نے ابی ہریرہ اور عمر ابن عبد العزیز سے

روایت کیا ہے اور بیہقی نے شفق احمر میں سوا ابن عمرو کے اور کسی سے روایت نہیں کی اور جبکہ آثار و اخبار متعارض ہوئے تو وقت مغرب شک سے خارج نہ ہوگا جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے علامہ قاسم نے کہا ہے کہ ثابت ہوا یہ کہ قول امام ہی صحیح تر ہے اور بحر میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی کی تائید کی ہے ساتھ اس کے جو ہم نے بیان کیا۔ مجمع الانہر میں ہے قال ابن نجیم ان الصحیح المفتی به قول صاحب المذهب لا قول صاحبیه واستفید منه انه لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام ولا یعدل عنه الی قولهما الا بموجب من ضعف او ضرورة وقال واستفید منه ایضا ان بعض المشائخ وان قال الفتوی علی قولهما وکان دلیل الامام واضحا ومذهبه ثابتا لا یلتفت الی فتواه یعنی ابن نجیم فرماتے ہیں کہ قول امام صحیح و مفتی به ہے نہ قول صاحبین اور اس سے معلوم ہوا کہ فتویٰ نہ دیا جائے مگر قول امام پر اور اس سے عدول نہ کیا جائے قول صاحبین کی طرف مگر کسی ضرورت و ضعف کی وجہ سے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مشائخ نے اگرچہ کہا ہے کہ فتویٰ قول صاحبین پر ہے اور دلیل امام واضح ہے اور انکا مذہب ثابت ہے تو ان کے فتوے کی طرف التفات نہیں کیا جائیگا غنیہ شرح منیہ میں بعد نقل احادیث فرمایا فقد جعل آخر وقت المغرب واول وقت العشاء حین یغیب الافق وغیبوبة الافق بسقوط البیاض الذی بعد الحمرة والا کان بادیا ثم من المشایخ من افتی بروایة الاسد ابن عمرو الموافقة لقولهما قال الشیخ کمال الدین ابن الهمام ی لا تساعده روایة ولا درایة اما الاول فلانه خلاف الروایة الظاهرة واما الثانی فلما مر من دلیله ولانه حیث تعارضت الاخبار لم ینقض الوقت القائم بالشک وقد نقل مذهبه عن ابی بکر الصدیق ومعاذ ابن جبل وعائشة وابن عباس

فی روایۃ دابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وبہ قال عمر بن عبد العزیز
والاوزاعی والمزنی وابن منذر والخطابی واختارہ المبرد والثعلب
ولاینکر اطلاقہ علی الحمرۃ غیر ان النظر افاد الترجیح البیاض ھنا اذ
حیث تردد انہ فی الحمرۃ والبیاض فالاحتیاط فی الایقاع الوقت الموجود
للشک فی انقضائہ ودخول ما بعدہ ولا وقت مھمل بینہما فبخروج
وقت المغرب یدخل وقت العشاء اتفاقاً یعنی مغرب کا آخر وقت اور عشا
کا اول وقت افق غائب ہونے پر کہا گیا ہے اور افق بعد سرخی کے سفیدی غائب
ہو جانے پر ہوتا ہے ورنہ درمیان میں فاصل وقت نکلے گا۔ پھر
بعض مشائخ نے روایت اسعد ابن عمرو پر جو موافق قول صاحبین ہے
فتویٰ دیا ہے۔ شیخ کمال الدین ابن الہمام کہتے ہیں کہ اس کی نہ کوئی روایت
موافقت کرتی ہے اور نہ عقل آول تو اس لیے کہ خلاف روایت ہے اور
ثانی بوجہ دلیل مذکورہ امام کے اور اس لیے کہ جب روایات متعارض ہوئیں تو
وقت موجودہ شک سے منقوض نہ ہوگا اور تحقیق مذہب امام ابوبکر صدیق ومعاذ
ابن جبل وعائشہ وابن عباس اور ایک روایت میں ابی ہریرہ رضی اللہ
تعالےٰ عنہم سے نقل کیا گیا ہے اور یہی قول عمر ابن عبدالعزیز اور اوزاعی اور مزنی
اور ابن منذر وخطابی کا ہے اور اسی کو مبرد اور ثعلب نے اختیار کیا ہے اور
سرخی پر بھی شفق کے اطلاق کا انکار نہیں کیا گیا ہے مگر یہ کہ نظر اس جگہ ترجیح
سفیدی کو دیتی ہے اس لیے کہ جب سرخی وسفیدی میں تردد ہوا تو احتیاط
وقت موجود کے باقی رکھنے میں ہے کہ اس کے خارج ہونے اور اس کے
مابعد کے داخل ہونے میں شک ہے اور درمیان میں کوئی فاضل وقت نہیں ہے
پس وقت مغرب خارج ہوتے ہی وقت عشا بالاتفاق داخل ہو جائے گا۔
کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے واذا تعارضت الآثار والاخبار بقی
ماکان علی ماکان ووقت المغرب کان ثابتاً بیقین فلا یخرج

بالشك ووقت العشاء لم یکن ثابتا بیقین فلا یدخل بالشك فقول ابی حنیفۃ اوثق لان الاصل فی باب الصلوٰۃ ان لا یثبت منہا رکن ولا شرط الا بما فیہ یقین یعنی جب احادیث و روایات متعارض ہوئیں تو جو وقت موجود تھا وہی باقی رہے گا اور وقت مغرب یقیناً ثابت تھا پس وہ شک سے خارج نہ ہوگا اور وقت عشا یقیناً ثابت نہ تھا پس شک سے داخل نہ ہوگا۔ پس قول امام زیادہ مضبوط و معتمد ہے کہ باب صلاۃ میں اصل یہ ہے کہ اُس کا کوئی رکن اور شرط ثابت نہ ہو مگر اُس شے سے جس میں یقین ہو۔ یوہیں ہندیہ میں ینابیع سے اُس میں اسرار و مبسوط شیخ الاسلام سے ہے۔ پس ان تصریحات فقہائے کرام سے ظاہر و باہر ہوگیا کہ مذہب امام حق و صحیح ہے مغرب کا وقت سفیدی غائب ہونے تک باقی رہتا ہے اور سیاہی آنے پر ختم ہوتا ہے اور عشا کا وقت شروع ہوتا ہے تو اگر کوئی شخص سرخی غائب ہونے کے بعد سفیدی غائب ہونے سے پہلے نماز مغرب پڑھیگا ہو جائیگی اور عشا پڑھے گا تو نہ ہوگی خانیہ میں ہے لو صلی العشاء بعد ماغاب الحمرۃ ولم یغب البیاض المعترض الذی یکون بعد الحمرۃ لا تجوز عندہ یعنی اگر کسی نے سرخی غائب ہونے کے بعد اور سفیدی غائب ہونے سے پہلے نماز عشا پڑھی تو صحیح نہیں۔

مسئلہ آدھی رات کے بعد عشا کا وقت مکروہ ہو جاتا ہے اور ثواب کم ملتا ہے اس لیے اتنی دیر کرکے نماز نہ پڑھے (صفحہ ۲۲ سطر ۱۶ بیان اوقات نماز) **اصلاح** فقہائے کرام نے آدھی رات کے بعد نماز عشا مکروہ ہونے کی علت تقلیل جماعت بیان فرمائی ہے پس اگر وہ آدھی رات کے بعد نماز پڑھنے میں پائی جائیگی نماز مکروہ ہوگی ورنہ نہیں اور ظاہر کہ عورتیں گھر میں بے جماعت نماز پڑھتی ہیں تو تھانوی صاحب کا انھیں اس حکم سے

سرفراز کرنا اُن کی نماز کو آدھی رات کے بعد مکروہ و کم اجر بتانا محض غلط و حکم بلا وجود علت ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں مردوں پر بھی یہ حکم صحیح نہ ہوگا۔ اور انھیں بھی آدھی رات کے بعد نماز عشا پڑھنا مکروہ نہ ہوگا۔ مثلاً کسی محلہ میں اکثر دوکاندار اور کم غیر دوکاندار ہیں۔ دوکاندار آدھی رات کے قریب اپنی اپنی دوکانیں بڑھا کر آتے اور کھاتے وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز عشا پڑھتے ہیں اور غیر دوکاندار بغرض تکثیر جماعت اپنی نماز دوکانداروں کے آنے تک موخر کرتے ہیں پھر سب اکھٹے ہو کر نماز پڑھتے ہیں تو یہ تاخیر موجب کراہت و تقلیل ثواب نہ ہوگی کہ اس میں تقلیل جماعت نہ ہوئی بلکہ تکثیر جماعت ہوئی اور غیر دوکانداروں کو انتظار جماعت و تکثیر جماعت کا علاوہ نماز کے ثواب ملا یا کسی محلہ میں شام سے جلسۂ وعظ آدھی رات کے بعد تک رہا اور بعد ختم جلسہ اہل محلہ و اہل جلسہ نے اکھٹے ہو کر نماز عشا پڑھی یا کوئی نابینا یا مفلوج یا مقطوع الرجلین یا ایسا مریض ہے کہ مسجد تک چلکر جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا یا کوئی امام میں نقص شرعی ہونیکے سبب اکیلے نماز پڑھتا ہے یا صلوا فی رحالکم کے مواقع پر لوگ اکیلے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں یا اُنکے سوا اور کسی عذر کے باعث نماز عشا میں تاخیر ہوئی تو اُن سب صورتوں میں آدھی رات کے بعد نماز عشا پڑھنا مکروہ نہ ہوگا۔ لعدم علۃ الکراھۃ وھو تقلیل الجماعۃ در مختار میں ہے فان اخرھا ای مازاد علی النصف کرہ لتقلیل الجماعۃ اما الیہ فمباح یعنی نماز عشا نصف رات سے زیادہ دیر میں پڑھنا بوجہ تقلیل جماعت مکروہ ہے اور نصف تک مباح ہے۔ ردالمحتار میں اس کے تحت ہے یفید ان المصلی فی بیتہ یؤخرھا لعدم الجماعۃ فی حقہ رملی ای لو اخرھا لا یکرہ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں نماز پڑھنے والے کو نصف رات سے زائد دیر میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے کہ اس کے حق میں تقلیل جماعت نہیں غنیہ شرح منیہ میں ہے وتاخیرھا الی ما بعد نصف اللیل الی

طلوع الفجر مکروہ اذا کان بغیر عذر اما اذا کان بعذر فالضرورات تبیح المحظورات یعنی بے عذر نماز عشا نصف رات سے زیادہ موخر کرنا مکروہ ہے اور جو کسی عذر کے باعث ہو تو مکروہ نہیں کہ ضرورات ممنوعات کو مباح بنا دیتی ہیں۔ نیز خود حضور اقدس سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آدھی رات کے بعد نماز عشا پڑھنا ثابت کما روی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ علیہ السلام اخرہا حتی ذہب ثلثا اللیل وروت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہ علیہ السلام اعتم بہا حتی ذہب عامۃ اللیل کما فی الغنیۃ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دو تہائی رات گئے نماز عشا پڑھی اور بعض دفعہ اکثر رات گئے نماز پڑھی۔ تو تھانوی صاحب کا بعد آدھی رات کے نماز عشا کو مطلقاً مکروہ و بلا تحقق علت ممنوع بتانا اور عام طور سے ہر شخص کے لیے یہ حکم دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے بلکہ عورتوں کے لیے تو رات گئے ہی نماز عشا پڑھنا بہتر ہے تاکہ وہ بعد نماز دنیوی گفتگو میں مشغول نہ ہو سکیں نماز پڑھتے ہی سو رہیں اور کراہت سمرہ سے بچیں وھو علۃ استحباب التاخیر فی العشاء کما فی رد المحتار۔

مسئلہ سورج نکلنے اور ٹھیک دوپہر کو اور سورج ڈوبتے وقت کوئی نماز صحیح نہیں ہے البتہ اگر عصر کی نماز نہ پڑھی ہو تو سورج ڈوبتے وقت بھی پڑھ لے اور ان تینوں وقت سجدۂ تلاوت بھی مکروہ اور منع ہے (صفحہ ۲۳ سطر ۲ بیان اوقات نماز) **اصلاح** تھانوی صاحب کا اوقات مذکورہ میں کوئی نماز صحیح نہ بتانا سب کی صحت کی نفی کرنا محض غلط ہے کہ بعض نمازیں ایسی ہیں جو اُن اوقات میں بلا کراہت جائز و صحیح ہیں اور شرعاً انھیں ان اوقات میں بھی پڑھ لینے کی اجازت ہے جیسے نماز فجر وقت طلوع عوام کے لیے جائز و صحیح ہے بلکہ اُنھیں اس وقت پڑھنے سے روکنا باز رکھنا منع ہے درمختار میں ہے وکرہ صلاۃ مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلہا لانھم یترکون

طلوع و غروب و زوال کے وقت نماز پڑھنے کا حکم

والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیۃ یعنی وقت طلوع نماز مکروہ ہے مگر عوام کو اُس وقت نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے کہ اداے جائز بعض کے نزدیک ترک کرنے سے اولی ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ وفی مراقی الفلاح ولا تمنع کسالی القوم من صلاۃ الفجر وقت الطلوع لانھم قد یترکونھا بالمرۃ والصحۃ علی قول المجتھد اولی من الترک یعنی سورج نکلتے وقت نماز فجر پڑھنے سے کاہلوں کو منع نہ کیا جائے کہ وہ منع کرنے سے ترک کردیں گے اور صحیح نزدیک بعض مجتہدین کے ترک کرنے سے اولی ہے۔ اور جیسے جمعہ کے دن وقت استوا نماز پڑھنا امام ابی یوسفؒ کے نزدیک جائز و صحیح ہے درمختار وغیرہ میں ہے وکرہ صلاۃ مع شروق واستواء الا یوم الجمعۃ علی قول الثانی المصحح المعتمد کذا فی الاشباہ ونقل الحلبی عن الحاوی ان علیہ الفتوی یعنی ٹھیک دوپہر کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر جمعہ کے دن قول صحیح اور معتمد پر ایسا ہی اشباہ میں ہے اور علامہ حلبی نے حاوی سے نقل کیا ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے اور جیسے نماز جنازہ کہ اگر ان اوقات میں آئے اور اُس پر نماز پڑھی جائے تو بلا کراہت جائز و صحیح بلکہ اسپر اسی وقت نماز پڑھنا افضل اور دیر کرکے پڑھنا مکروہ درر و مجمع الانہر میں ہے فان حضرت فیھا جازت بلا کراھۃ لانھا ادیت کما وجبت اذ الوجوب بالحضور وھو افضل والتاخیر مکروہ یعنی اگر اوقات مکروہہ میں جنازہ آئے تو اُسپر بلا کراہت نماز پڑھنا جائز ہے کہ جیسے واجب ہوئی تھی ویسی ہی ادا کی گئی کہ واجب حاضر ہونے سے ہوئی اور اُسیوقت نماز پڑھنا افضل ہے اور دیر کرکے پڑھنا مکروہ ہے درمختار میں ہے فلو وجبتا فیھا لم یکرہ فعلھما وفی التحفۃ الافضل ان لا تؤخر قال فی رد المحتار تحتہ فانہ

اذا کان الافضل عدم التاخیر فی الجنازۃ فلا کراھۃ اصلا وما فی

التحفة اقرہ فی البحر والنہر والفتح والمعراج بحدیث ثلاث لا یؤخرن
منها الجنازة اذا حضرت یعنی نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت انھیں وقتوں
میں واجب ہو تو انھیں ادا کرنا مکروہ نہیں ہے تحفہ میں ہے کہ نماز جنازہ
مؤخر نہ کرنا افضل ہے پس جبکہ نماز جنازہ موخر نہ کرنا افضل ہوا تو اصلا کراہت
نہیں ہے اور جو تحفہ میں ہے اُسی کا اقرار بحر و نہر و فتح و معراج میں کیا ہے کہ
حدیث میں ہے۔ تین چیزیں ہیں کہ اُن میں دیر نہ کی جائے اُن میں سے ایک جنازہ
ہے جبکہ حاضر ہو۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت کہ اگر انھیں اوقات میں آیۂ سجدہ پڑھی
گئی اور سجدہ کیا گیا تو بلا کراہت جائز اگرچہ وقت مستحب میں کرنا اچھا تھا درر
و مجمع الانہر میں ہے اما اذا تلاها فیها جاز اداؤها بلا کراهة لکن الا
فضل تاخیرها لیودیها فی الوقت المستحب یعنی اگر اوقات مکروہ میں آیۂ
سجدہ پڑھی تو بلا کراہت سجدہ کرنا جائز ہے مگر دیر کرکے کرنا افضل ہے تاکہ
وقت مستحب میں ادا ہو۔ کفایہ میں ہے اما لو تلاها فی وقت مکروہ
وسجدها فیه جاز بلا کراهة یعنی اگر آیت سجدہ وقت مکروہ میں پڑھی اور
اسی وقت سجدہ کیا تو بلا کراہت جائز ہے اور بعض نمازیں ایسی ہیں جو بکراہت
واسارت جائز و صحیح ہیں جیسے نوافل اور قضاء نوافل جو ان اوقات میں شروع
کرکے فاسد کیے ہوں اور نذر جو انھیں اوقات کے ساتھ مقید ہو کہ یہ سب
نمازیں اگر ان اوقات میں شروع کی گئیں اور پڑھ لی گئیں تو ہو جائیں گی مگر
مع الکراہۃ و اسارت اگرچہ ان اوقات میں اُن کا شروع کرنا منع اور شروع
کرکے توڑنا اور پھر وقت غیر مکروہ میں اُنھیں قضا کرنا واجب تھا درمختار
میں ہے وصح مع الکراهة تطوع بدأ به فیها ونذر اداؤها وقد
نذرها فیها وقضاء تطوع بدأ به فیها فافسده لوجوبه ناقصا ثم
ظاهر الروایة وجوب القطع والقضاء فی کامل کما فی البحر یعنی
اوقات مذکورہ میں جو نوافل شروع کیے اور نذر مانی ہوئی پوری کی اور فاسد

کیے ہوئے نوافل کو قضا کیا تو صحیح مع الکراہتہ ہے کہ وہ ناقص ہی واجب ہوئے تھے
پھر ظاہر الروایتہ میں قطع کرکے کامل وقت میں پڑھنا واجب ہے جیساکہ بحرالرائق میں
ہے اور بعض ایسی ہیں جن کا ان اوقات میں شروع کرنا ہی صحیح نہیں اور اگر پہلے
سے شروع کرلی گئی ہوں تو ان وقتوں کے آنے سے باطل جیسے فرائض
سوائے عصر یوم اور واجبات اور قضائے فرائض و واجبات اور نماز جمعہ اور
نماز جنازہ جو پہلے سے حاضر ہوا اور سجدۂ تلاوت جو پہلے سے واجب ہوا
ہو اور سجدۂ صلاتیہ اور سجدۂ سہو اور نماز عیدین کہ اگر ان اوقات میں
پڑھی جائیں گی تو صحیح نہ ہونگے وقت غیر مکروہ میں پھر پڑھنا ہونگے تو ذمہ سے
ساقط ہونگے ورنہ نہیں در مختار میں ہے وینعقد النفل بشروع فیها
بکراهة التحریم لا ینعقد الفرض وما یلحق به کواجب لعینه کوتر وسجدة
تلاوة وصلاة جنازة تلیت الآیة فی کامل وحضرت الجنازة قبل
لوجوبه کاملا فلا یتادی ناقصا یعنی طلوع و غروب و استواء کے وقت نوافل
پڑھنا جائز بکراہتہ تحریمی ہیں نہ فرض اور واجب لعینہ جیسے وتر و سجدۂ تلاوت
کہ جس کی آیتہ وقت کامل میں پڑھی گئی ہو اور نماز جنازہ کہ ان اوقات سے پہلے
حاضر ہوا ہو کہ وہ کامل واجب ہوئے تھے پس ناقص نہ ادا کیے جائیں۔

مسئلہ اگر کسی ایسی جگہ ہے کہ قبلہ معلوم نہیں ہوتا کہ کدھر ہے اور نہ وہاں کوئی
ایسا آدمی ہے جس سے پوچھ سکے تو اپنے دل میں سوچے جدھر دل گواہی دے
اس طرف پڑھ لیوے اگر بے سوچے پڑھ لیوے گی تو نماز نہ ہوگی۔ بلکہ اگر بعد
میں معلوم ہو جائے کہ ٹھیک قبلہ ہی کی طرف پڑھی ہے تب بھی نماز نہیں ہوئی
اور اگر وہاں آدمی تو موجود ہے لیکن پردہ اور شرم کے مارے پوچھا نہیں ایسی
طرح نماز پڑھ لی تو بھی نماز نہیں ہوئی ایسی شرم نہ کرنا چاہیئے بلکہ پوچھ کے
نماز پڑھے (صفحہ ۲۷ سطر ۱۵ بیان قبلہ رخ) اصلاح صحیح یہ ہے کہ اگر
کوئی شخص بغیر تحری بے سوچے کسی طرف نماز پڑھ لے اور نماز سے فارغ

ہونے کے بعد ٹھیک قبلہ کی طرف نماز پڑھنا معلوم ہو جائے تو بالاتفاق اُسکی نماز جائز و صحیح ہو گی اعادہ واجب نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر قبلہ جاننے والے کے روبرو بے پوچھے کسی طرف سوچکر نماز پڑھ لی اور نماز پڑھنے کے بعد ٹھیک قبلہ کی طرف نماز پڑھنا معلوم ہو گیا تو بھی نماز جائز ہو گی اعادہ واجب نہ ہو گا پس تھانوی صاحب کا یہ فرمانا کہ اگر بے سوچے نماز پڑھ لیگی تو نماز نہ ہو گی بلکہ اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ ٹھیک قبلہ ہی کی طرف نماز پڑھی ہے تب بھی نماز نہیں ہوئی اور یہ کہنا کہ اگر وہاں آدمی موجود ہے لیکن پردہ اور شرم کے مارے پوچھا نہیں اسی طرح نماز پڑھ لی تو بھی نماز نہیں ہوئی محض غلط ہے درمختار میں ہے وان شرع بلا تحر لم یجز وان اصاب الا اذا علم اصابته بعد فراغه فلا یعید اتفاقا یعنی بے اٹکل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اگرچہ ٹھیک قبلہ ہی کیطرف ہو مگر جبکہ ٹھیک قبلہ کی طرف نماز پڑھنا بعد فراغ معلوم ہو جائے تو جائز ہے اس کا اتفاقاً اعادہ نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے لو شرع بلا تحر لم تجز صلاته ما لم یتیقن بعد فراغه انه اصاب القبلة الخ وفیه حتی لو کان بحضرته من یسأله فتحری ولم یسأله ان اصاب القبلة جاز لحصول المقصود والا فلا الخ بے اندازہ نماز شروع کی تو جائز نہیں ہوئی جب تک کہ بعد فراغ ٹھیک قبلہ کی طرف پڑھنے کا یقین نہ ہو سکے کہ اگر سامنے اس کے وہ ہو جس سے پوچھ سکتی تھی پھر اٹکل سے نماز پڑھی اور سوال نہیں کیا تو اگر ٹھیک قبلہ کی طرف پڑھی جائز ہے ورنہ نہیں۔ مجمع الانہر و حاشیہ شرنبلالی علی الدرر میں ہے واذا لم یسأله وتحری وصلی فان اصاب القبلة جاز والا فلا وفیه وان شرع بلا تحری لا تجوز وان اصاب هذا فی اثناء الصلاة واما اذا تبین بعد الفراغ فجائزة بالاتفاق لحصول المقصود ة یعنی اگر سوال نہ کیا اور سوچکر کسی طرف نماز پڑھ لی تو اگر ٹھیک قبلہ کی طرف پڑھی جائز ہے ورنہ نہیں اور جو بے سوچے پڑھی تو جائز نہیں

اگرچہ ٹھیک قبلہ ہی کی طرف پڑھی ہو یہ حکم اثنائے نماز کا ہے اور جو بعد فراغ ٹھیک قبلہ کی طرف نماز ادا ہونا ظاہر ہو تو بالاتفاق جائز ہے بوجہ حصول مقصود کے مراقی الفلاح میں ہے وان شرع من اشتبهت علیه بلا تحر فعلم بعد فراغه من الصلاۃ انه اصاب صحت الخ یعنی جسپر قبلہ مشتبہ ہو وہ اگر بے سوچے نماز پڑھے اور بعد فراغ ٹھیک قبلہ کی طرف نماز پڑھنا معلوم ہو جائے تو صحیح ہے۔ غنیہ شرح المنیہ وفتاوی قاضی خاں میں ہے ولو اشتبهت علیه القبلة وکان بحضرته من یسأله هٰهنا من اهل ذلك المكان فلم یسأله فتحری وصلی فان اصاب القبلة جازت صلاته لحصول ما هو المقصود من السوال والا ای وان لم یصب القبلة فلا یجوز صلاته یعنی جسے قبلہ نہ معلوم ہو اور اُس کے سامنے اسی جگہ کے رہنے والوں میں سے وہ شخص ہو جس سے سوال کر سکتا ہے اور سوال نہیں کیا اور سوچ کر نماز پڑھ لی تو اگر ٹھیک قبلہ کو پڑھی تو جائز ہے بوجہ حصول مقصود کے سوال سے اور جو ٹھیک قبلہ کی طرف نہیں پڑھی تو جائز نہ ہوئی۔

مسئلہ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتی ہوئی سر کو اُٹھاوے جب خوب کھڑی ہو جاوے تو پھر اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدہ میں جاوے (صفحہ ۲۷ سطر ۱۸ بیان طریقۂ نماز) **اصلاح** اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں اول یہ کہ تنہا نماز پڑھنے والا خواہ مرد ہو یا عورت رکوع سے اُٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لك الحمد دونوں کہے دوسری یہ کہ صرف ربنا لك الحمد کہے تیسری یہ کہ صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے روایت اول و دوم کو فقہائے کرام نے صحیح فرمایا ہے اور اول کو دوم سے زیادہ صحیح و معتمد بتایا ہے اور من حیث الدلیل اسے ترجیح دی ہے لہذا عامہ متون میں وہی اختیار کی گئی ہے اور وہی مشہور و معروف و معمول ہو رہی ہے

اور تیسری روایت یعنی رکوع سے اُٹھتے وقت صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہنا جو تھانوی صاحب نے اختیار کی ہے نہ اُسے متون نے اختیار کیا ہے نہ اُسے کسی نے تصحیح فرمایا نہ ظاہر الروایہ بتایا ہے بلکہ اُسے نوادر کی روایت کہا ہے اور غیر لائق عمل و اعتماد قرار دیا ہے لہذا تھانوی صاحب کے قول پر عمل نہ کرنا چاہیئے اور منفرد کو تسمیع و تحمید دونوں کہنا چاہیے۔ منیہ اور اسکی شرح غنیہ اور شرح وقایہ اور ملتقی الابحر اور کنز اور اُس کی شرح عینی و مستخلص وغیرہ میں ہے والمنفرد یجمع بینھما تنہا نماز پڑھنے والا دونوں کو جمع کرے یعنی تسمیع اور تحمید دونوں کہے نور الایضاح اور اُسکی شرح مراقی الفلاح میں ہے لشمر رفع رأسه واطمأن قائلاً سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد لو اماما او منفردا متفق علیہ علی الاصح یعنی صحیح تر مذہب امام میں امام یا اکیلا شخص رکوع سے سر اُٹھا کر اطمینان سے کھڑا ہو کر سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد کہے در مختار میں ہے ویجمع بینھما لو منفردا علی المعتمد مذہب معتمد میں اکیلا نماز پڑھنے والا تسمیع و تحمید دونوں کہے ہدایہ میں ہے ویجمع بینھما فی الاصح وان کان یروی الاکتفاء بالتسمیع ویروی بالتحمید صحیح تر روایت میں دونوں کو جمع کرے اگرچہ صرف تسمیع اور صرف تحمید کی بھی روایت کی گئی ہے۔ عنایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے قولہ فی الاصح احتراز عن القولین الآخرین المذکورین بعدہ احدھما الاکتفاء بالتسمیع والثانی الاکتفاء بالتحمید وھو روایۃ لنوادر یعنی قول صاحب ہدایہ فی الاصح قولین آخرین سے احتراز ہے ایک ان میں کا اکتفا بالتسمیع ہے اور دوسرا اکتفا بالتحمید اور اکتفا بالتسمیع والی روایت نوادر کی ہے نقایہ شرح مختصر وقایہ میں ہے ویجمع المنفرد بینھما ای بین التسمیع والتحمید وھذا بالاتفاق علی ما روی الحسن یعنی اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں کو جمع

کرے یعنی تسمیع و تحمید دونوں بالاتفاق کہے بنابر روایت حسن کے مجمع الانہر و منتقیٰ میں ہے وفی المجمع والهداية والمحيط الاصح الجمع وقال صدر الشهيد وعليه الاعتماد یعنی مجمع اور ہدایہ اور محیط میں ہے کہ صحیح تر جمع کرنا ہے اور صدر الشہید نے کہا ہے کہ اسی پر اعتماد ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے وان كان منفردا فالاصح انه ياتي بهما كذا فى المحيط وعليه الاعتماد كذا فى التاتارخانية یعنی اگر تنہا نماز پڑھتا ہو تو صحیح تر یہ ہے کہ دونوں کو پڑھے ایسا ہی محیط میں ہے اور اسی پر اعتماد ہے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے حاشیہ شرنبلالی میں بحر الرائق سے منقول ہے وحيث اختلف التصحيح كما رأيت فلا بد من الترجيح فالمرجح من حيث المذهب ما فى المتن والمرجح من جهة الدليل ما صححه فى الهداية والقول الثالث فى المنفرد انه ياتى بالتسميع لا غير وهو رواية المعلى عن ابى حنيفة رح قال صاحب البحر وينبغى ان لا يعول عليه ولم ار من صححها اھ یعنی جب تصحیح مختلف ہوئی تو ترجیح ضروری اور مرجح من حیث المذہب روایۃ متن ہے اور من حیث الدلیل وہ روایت ہے جس کی تصحیح صاحب ہدایہ نے کی ہے (یعنی تسمیع و تحمید دونوں کہنا) اور قول ثالث یعنی منفرد صرف تسمیع کہے یہ روایت معلّٰی کی امام صاحب سے ہی صاحب بحر اس کی بابت فرماتے ہیں کہ اسپر اعتماد کرنا لائق نہیں ہے اور نہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ اسکی تصحیح کسی نے کی ہو۔

مسئلہ اور جب کلمہ پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بناکر کلمہ کی انگلی اٹھادے اور سلام پھیرنے تک اسی طرح اٹھائے رکھے (صفحہ ۲۹ سطر ۲ بیان طریقہ نماز) اصلاح وقت تلفظ کلمہ شہادت کلمہ کی انگلی کو اٹھاکر اشارہ کرنا تو ضرور مسنون ہے اور اکثر احناف کرام و آئمہ عظام خصوصاً سیدنا امام اعظم اور ان کے صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب

تنبیہ [illegible] انگلی [illegible]

ہے مگر سلام پھیرنے تک اسی طرح اُنگلی اُٹھائے رکھنا کسی سے منقول نہیں اور نہ اس کا کوئی قائل ہے اگر ہوتا تو ضرور کتب فقہ میں اس کا ذکر آتا کوئی نہ کوئی تو ذکر کرتا۔ بلکہ حنفیوں کے سوا بھی اس کا کوئی قائل نہیں کسی کا یہ مذہب نہیں ہاں امام مالک رح اخیر شہادت تک اُنگلی متحرک رکھنے اور بعض شافعی اُنگلی اُٹھائے رکھنے کے ضرور قائل ہیں نہ اس کے کہ سلام پھیرنے تک اُٹھی رہے اور بالفرض اگر وہ لوگ سلام پھیرنے تک اُنگلی اُٹھائے رہنے کے قائل ہوتے بھی تو ہمیں اُن کا قول کب حجت ہو سکتا تھا اور ہمیں کب اُن کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت تھی۔ ہمیں تو یہاں تک تعلیم کیا گیا ہے کہ اگر ہم سے کوئی دیگر ائمہ کا مذہب پوچھے تو اپنا ہی بتائیں کما فی الدر المختار وغیرہ۔

ہمیں تو ہمارے ائمہ نے اشارہ کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھتے وقت چھنگلی اور اُس کے برابر والی انگلی کو بند کر کے بیچ کی اُنگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر کلمہ کی اُنگلی کو لا الٰہ پر اُٹھائیں اور الا اللہ پر رکھدیں یہی طریقہ مسنون ہے اور عامہ کتب فقہ میں مسطور اور معمول و مشہور ہے اس کا خلاف کہیں نظر نہ آیا مگر اس کتاب میں نہ معلوم تھانوی صاحب نے یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کیا ہے یا دل سے گڑھا ہے۔ کبیری و صغیری و نور الایضاح و در مختار و غیرہ کتب فقہ میں صفت اشارہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ویرفعها عند النفی ویضعها عند الاثبات کلمہ کی اُنگلی لا الٰہ پر اُٹھائے اور الا اللہ پر رکھے رد المحتار میں محیط وغیرہ معتمدات حنفیہ سے منقول ہے وفی المحیط انها سنة يرفعها عند النفی ویضعها عند الاثبات وهو قول ابی حنیفة و محمد وكثرت به الآثار والاخبار فالعمل به اولی اھ فهو صريح فی ان المفتی به هو الاشارة بالمسبحة مع عقد الاصابع علی الكيفية المذكورة یعنی اشارہ کرنا سنت ہے لا الٰہ کہتے وقت کلمہ کی

انگلی اُٹھائے اور الا اللہ پر رکھے اور یہ قول ابحنیفہؒ کا ہے اور اس قول کے موافق بہت سی احادیث و روایات و اقوال صحابہ ہیں پس یہ قول صاف بتارہا ہے کہ کیفیت مذکورہ پر کلمہ کی اُنگلی سے اشارہ کرنا مع بند کرنے اور حلقہ بنانے اور اُنگلیوں کے مفتی بہ ہے وحررت فیہا لیس لنا سوے القولین الاول وھو المشہور فی المذھب بسط الاصابع بدون الاشارۃ۔ الثانی بسط الاصابع الی حین الشہادۃ فیعقد عندھا ویرفع السبابۃ عند النفی ویضعھا عند الاثبات وھذا ما اعتمدہ المتاخرون لثبوتہ عن النبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم بالاحادیث الصحیحۃ ولصحۃ نقلہ عن ائمتنا الثلاثۃ یعنی میں نے اس بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے اُس میں لکھدیا ہے کہ ہم حنفیوں کا اس بارے میں سوائے دو قول کے اور کوئی قول نہیں اول قول جو مشہور ہے یہ ہے کہ اُنگلیاں بدون اشارے کے بچھی رکھے اشارہ نہ کرے اور دوسرا قول یہ ہے کہ کلمۂ شہادت تک انگلیاں بچھی رکھے اور کلمۂ شہادت پڑھتے وقت انھیں عقد کرے اور کلمہ کی انگلی لا الٰہ پڑھتے وقت اُٹھائے اور الا اللہ کہتے وقت رکھے یہی طریقہ ائمہ متاخرین کے نزدیک معتمد ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اُس کا صحیح ثبوت ہے اور ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے صحیح منقول ہے کفایہ وعنایہ حواشی ہدایہ میں ہے و عن الحلوائی یقیم اصبعہ عند قولہ لا الٰہ ویضع عند قولہ الا اللہ لیکون النصب کالنفی والوضع کالاثبات یعنی اپنی انگلی کو لا الٰہ کہتے وقت اُٹھائے اور الا اللہ کہتے وقت رکھے تاکہ نصب مثل نفی کے اور وضع مثل اثبات کے ہو شرنبلالی حاشیۂ درر میں ہے والصحیح انہ یشیر بالمسبحۃ وحدھا فیرفعھا عند قولہ لا الٰہ ویضعھا عند قولہ الا اللہ لیکون اشارۃ الی ان

النفی والاثبات فی الرفع والوضع یعنی صحیح یہ ہے کہ صرف کلمہ کی
انگلی سے اشارہ کرے پس لا الٰہ کہتے وقت اسے اُٹھائے اور الا اللہ
کہتے وقت اُسے رکھے مراقی الفلاح میں ہے وتسن الاشارۃ فی
الصحیح وتکون بالمسبحۃ ای السبابۃ من الیمنی فقط یشیر بھا عند
انتہائہ الی الشہادۃ فی التشہد یرفعہا ای المسبحۃ عند النفی
ویضعہا عند الاثبات یعنی صحیح یہ ہے کہ اشارہ کرنا مسنون ہے
اور وہ دہنے ہاتھ کے کلمہ کی انگلی سے تشہد میں کلمہ شہادت پر پہنچنے کے
وقت ہو۔ نفی کے وقت انگلی اُٹھائے اور اثبات پر رکھے محقق علی
الاطلاق مولانا مولوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات
ترجمہ مشکوٰۃ اور شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں وصورت اشارت
آنست کہ بر دارد آنرا نزد تلفظ بکلمۂ لا الٰہ یا نزد تکلم باللہ ومشہور آنست
کہ بر دارد این انگشت را بر نفی و بنہد نزد اثبات واز بعض ائمہ شافعیہ
منقول ست کہ بر داشتہ دارد آنرا تا آخر شہادت مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری میں ہے قال الطیبی یرفعہا عند قولہ
الا اللہ لیطابق القول الفعل علی التوحید اھ وعندنا یرفعہا
عند لا الٰہ ویضعہا عند الا اللہ لمناسبۃ الرفع للنفی وملائمۃ
الوضع للاثبات ومطابقۃ القول والفعل حقیقۃ یعنی طیبی نے کہا
ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت انگلی اُٹھائے تاکہ قول وفعل توحید
پر مطابق ہوں اور ہمارے نزدیک لا الٰہ پر اُٹھائے اور
الا اللہ پر رکھے تاکہ رفع نفی کے اور وضع اثبات کے مناسب اور قول
وفعل میں حقیقۃً مطابقت ہو۔

اب ذرا بنظر انصاف علمائے کرام کی یہ تصریحات دیکھی جائیں کہ جن سے
صاف صاف ظاہر ہے کہ کلمہ کی اُنگلی لا الٰہ پر اُٹھائی جائے اور الا اللہ پر

رکھی جائے بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مسئلہ میں ذرا بھی شک و شبہہ نہ رکھا اور صاف لکھدیا کہ ہم حنفیوں کا سوائے اس کے اور کوئی قول نہیں ہے یہی مسنون ہے یہی صحیح و معتمد ہے اور یہی مشہور و معمول ہے ہر جگہ پنجوقتہ نمازوں میں اسی طرح اشارہ کیا جاتا ہے جس سے ہر شخص آگاہ ہے تو پھر اس طریقہ کے مقابلہ میں تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ سلام پھیرنے تک انگلی اٹھائے رہے کیا وقعت رکھتا ہے اور کیسے قابل عمل ہو سکتا ہے۔

مسئلہ سجدہ کے وقت اگر ناک اور ماتھا دونوں زمین پر نہ رکھے بلکہ فقط ماتھا زمین پر رکھے اور ناک نہ رکھے تو بھی نماز درست ہے (صفحہ ۱۳۱ سطر ۱۳ بیان طریقہ نماز) **اصلاح** سجدہ میں ناک اور ماتھا دونوں زمین پر رکھنا ضروری ہیں ان میں سے ایک پر اکتفا کرنے یعنی صرف ماتھا زمین پر رکھنے اور ناک نہ رکھنے یا ناک رکھنے اور ماتھا نہ رکھنے سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو گی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ سجدہ میں ناک و پیشانی زمین پر رکھا کرتے تھے اور اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہاں اگر ناک یا پیشانی میں کوئی عذر ہو جس سے حرج و نقصان ہوتا ہو تو صرف ماتھے یا ناک سے سجدہ کر لینا بھی جائز ہے بے عذر ایک پر اکتفا کرنا بلا کراہتہ جائز نہیں بعض کتب میں جو جواز بلا کراہت تحریر ہوا ہے محققین فقہا نے اسکی تضعیف فرمائی ہے لہذا وہ قابل عمل نہیں۔ در مختار و ملتقی الابحر میں ہے فان اقتصر علی احدھما جاز مع الکراہت سجدے میں اگر صرف ناک یا ماتھے پر اقتصار کیا تو جائز مع الکراہتہ ہے مجمع الانہر میں شرح المجمع سے منقول ہے السجود علی الجبھۃ جائز اتفاقا لکنہ یکرہ ان لم یکن علی الانف عذر وعلیہ روایۃ الکنز وکرہ باحدھما وما قالہ فی الکنز دکاہ نے بیلعی ایضا عن المفید والمزید یعنی ماتھے سے سجدہ

کرنا بالاتفاق جائز ہے لیکن مکروہ ہے اگر ناک پر کوئی عذر نہ ہو اور اسی بنا پر کنز میں صرف ماتھے یا ناک سے سجدہ کرنے کو مکروہ لکھا ہوا اور قول کنز کے موافق زیلعی نے بھی مفید اور مزید سے حکایت کی ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے وان وضع جبهته دون الانف جاز سجوده بالاجماع ولكن ان كان ذالك من غير عذر يلزم منه الحرج فى موضع الانف يكره على ما ذكر فى المزيد والمفيد وذكر فى التحفة والبدائع انه لا يكره والاول اظهر لما فيه من مخالفة مواظبته عليه السلام یعنی اگر صرف پیشانی سے سجدہ کیا ناک سے نہ کیا تو بالاجماع جائز ہے لیکن اگر یہ بلا عذر ہو کہ جس سے ناک میں کوئی حرج لازم آئے تو مکروہ ہے جیسا کہ مزید و منیہ میں ذکر کیا گیا ہے اور تحفہ و بدائع میں غیر مکروہ لکھا ہے اور اول اظہر ہے کہ اس میں مواظبت نبی علیہ السلام کی مخالفت ہے۔ ہندیہ میں ہے ولو وضع احدهما فقط ان كان من عذر لا يكره وان كان من غير عذر فان وضع جبهته دون الانف جاز اجماعا ويكره الخ یعنی اگر سجدے میں دونوں میں سے ایک رکھا تو اگر کسی عذر کے سبب ہو تو مکروہ نہیں اور جو بے عذر ہو تو اگر صرف ماتھا رکھا ناک نہ رکھی تو بالاجماع جائز اور مکروہ ہے علامہ شامی صاحب درمختار کے قول مذکور کی تحقیق میں اقوال فقہا نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں فالدليل يقتضى وجوب السجود على الانف ايضا كما هو ظاهر الكنز والمصنف فان المكروه عند الاطلاق للتحريم وبه صرح فى المفيد والمزيد فما فى البدائع والتحفة والاختيار من عدم كراهة ترك السجود على الانف ضعيف وهذا الذى حط عليه كلام صاحب الحلية فقال بعد ما اطال فى الاستدلال فالاشبه وجوب وضعهما معا وكراهة ترك وضع كل تحريما الخ یعنی دلیل ناک سے سجدہ کرنیکے وجوب کو چاہتی ہے

جیسا کہ ظاہر کنز اور قول مصنف ہے کہ مکروہ وقت اطلاق کے تحریم کے لیے ہوتا ہے اور اسی کی تصریح منفید و مزید مین ہے پس تحفہ اور بدائع اور اختیار میں جو اسے غیر مکروہ لکھا وہ ضعیف ہے اور اسی پر کلام صاحب حلیہ واقع ہوا ہے کہ اس نے بعد طویل کرنے استدلال کے فرمایا کہ ماتھے اور ناک دونوں سے سجدہ کرنا اشبہ ہے اور ایک سے کرنا مکروہ تحریمی ہے مراقی الفلاح میں ہے ویجب ضم الانف ای ما صلب منہ مع الجبھۃ فی السجود للمواظبۃ علیہ یعنی سجدے میں پیشانی کے ساتھ ناک کو یعنی اُس کی سخت ہڈی کو ملانا واجب ہے بوجہ ہمیشگی کرنے کے اسپر۔ تو پھر تھانوی صاحب کا مطلقاً یہ کہدینا کہ صرف ماتھے سے سجدہ کرلینا بھی جائز ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

مسئلہ قصداً یا بھولے سے نماز میں بول اُٹھے تو نماز جاتی رہی (صفحہ ۳۴ سطر ۶ بیان مفسدات نماز) **اصلاح** صحیح یہ ہے کہ محض بول اُٹھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی جب تک کہ قبل تشہد نہ بولے اور بولنے کی آواز خود نہ سنے پس اگر کوئی نماز میں قبل تشہد اسقدر آہستہ بولا کہ محض لب و زبان کو جنبش ہوی بولنے کی آواز کان میں نہ گئی اگرچہ حرف صحیح ادا ہوئے یا بولنے کی آواز کان میں تو آئی مگر حرف صحیح ادا نہ ہوئے صاف صاف سمجھ میں نہ آئے جیسے کوئی کتے بلی کو چمکارے گدھے گھوڑے کو تخ تخ بیل ڈنگر کو ہنکارتے کہ جس سے حروف ہجاۃ پیدا نہ ہوں اور بہ تکرار یا دوبارہ نہ ہو یا بولنے کی آواز کان میں آئی اور حرف بھی صحیح ادا ہوئے مگر یہ بولنا بعد تشہد پڑھنے یا بقدر تشہد بیٹھنے کے تھا تو ان سب صورتوں میں عمداً بولے یا سہواً نماز فاسد نہ ہوگی بلاشبہ جائز و صحیح ہوگی۔ ہاں اگر تشہد سے پہلے عمداً یا سہواً یا خطاءً اس طرح بولا کہ بولنے کی آواز کان میں گئی اور حرف بھی صحیح ادا ہوئے صاف سمجھ میں آئے تو ضرور نماز نہ ہوگی پھر سے پڑھنا پڑیگی پس تھانوی صاحب کا

مسئلہ کو مطلق لکھنا اور صرف یہ کہدینا کہ نماز میں بول اُٹھے تو نماز جاتی رہی
صحیح نہیں فتاوی عالمگیری میں ہے هذا اذا تكلم على وجه يسمع منه
فاما اذا تكلم على وجه لا يسمع منه ان كان بحيث يسمع منه
نفسه تفسد صلاته كذا في المحيط وان لم يسمع وصحح الحروف
لا تفسد كذا في الزاهدي یعنی اگر اس طرح کلام کیا کہ سنا گیا تو
نماز فاسد ہو گی اور جو اس طرح کلام کیا کہ سُنا نہ گیا مگر خود سُنا تو بھی
نماز فاسد ہو گی ایسا ہی محیط میں ہے اور جو خود بھی نہ سُنا صرف
حروف صحیح ہو گئے تو نماز فاسد نہ ہو گی ایسا ہی زاہدی میں ہے غنیہ میں بعد تحقیق
مسئلہ ہی فعلم ان السماع من غير تصحيح الحروف غير مفسد لانه مجرد الصوت
وكذا تصحيح الحروف بدون سماع غير مفسد لانه مجرد ايماء الى الحروف
بالعضلات على ما مر وانما المفسد حصول كلا الامرين تصحيح الحروف وكونها مسموعا
هو الصحيح ونقل عن القنية وشرح القدوري للزاهدي والخلاصة
انه لو استعطف هرة او كلبا او ساق حمارا او ادفقه على لغة
اهل الرستاق من مجرد الصوت ليس معه حروف مهجاة لا
تفسد وفي الحقائق لو صحح الحروف ولم يسمع نفسه لا تفسد اتفاقا
یعنی اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سماع بے تصحیح حروف مفسد نہیں کہ وہ صرف
آواز ہے اور یوہیں تصحیح حروف بے سماع مفسد نہیں کہ محض حروف
کی طرف اشارہ ہے اور مفسد نماز دونوں باتوں یعنی تصحیح حروف اور
ان کا سننا ہی صحیح ہے اور قنیہ و شرح قدوری للزاہدی اور خلاصہ
سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر نماز میں بلی کتے کو چمکارا یا گدھے کو بازاریوں کی طرح چلایا
یا ز دکا جس میں صرف آواز بے حروف ہجا نکلی تو نماز فاسد نہ ہو گی اور حقائق
میں ہے کہ اگر حرف صحیح ہوئے اور سُنے نہ گئے تو نماز بالاتفاق فاسد
نہ ہو گی درمختار میں ہے ويفسدها التكلم عمده وسهوه قبل قعوده

قدر التشهد ولو استعطف كلبا او هرة او ساق حمارا لا تفسد
لانه صوت لا هجاء له یعنی نماز میں قبل تشہد عمداً یا سہواً کلام کرنا مفسد
نماز ہے اور جو بلّی کتّے کو چمکارا یا گدھے کو چلایا ٹکارا تو فاسد نہ ہوگی کہ
وہ محض آواز بے حرف ہجّا ہے۔

مسئلہ نماز میں آہ یا اوہ یا اُف یا ہائے کہے تو نماز جاتی رہتی ہے۔
(صفحہ ۴۳ سطر ۳، بیان مفسدات نماز) **اصلاح** نماز میں الفاظ مذکورہ بولنے
سے اس شخص کی نماز فاسد ہوگی جو اپنے نفس کا مالک ان الفاظ کے نہ بولنے
پر قادر ہو اور جو اپنے نفس کا مالک نہ ہو ان الفاظ کے نہ بولنے پر قادر نہ ہو
بیساختہ اس کی زبان سے نماز میں یہ الفاظ نکل جاتے ہوں۔ جیسے مریض تو
نماز فاسد نہ ہوگی۔ در مختار میں ہے الا لمریض لم یملك نفسه من انين
وتاوه الخ ہندیہ میں ہے وكذا الانين والتاوه اذا كان بعذر
بان كان مريضا لا يملك نفسه الخ حاشیہ شرنبلالی علی الدرر میں ہے
قال الكمال اذا كان المريض لا يملك نفسه عنه لا تفسد كالعطاس
وعلى هذا يحمل قول ابی یوسفؒ فی الانين اذا كان لا يمكن الاحتراز
منه یعنی الفاظ مذکورہ بولنے سے نماز فاسد ہو جائیگی مگر مریض کی جو اپنے
نفس کا مالک نہ ہو ان الفاظ سے اسے بچنا ممکن نہ ہو تو اُس کی نماز فاسد
نہ ہوگی جیسا کہ ڈکار لینے سے اسی پر قول امام ابو یوسفؒ حمل کیا جائے گا
جبکہ اس سے بچنا ناممکن ہو۔ بلکہ اگر بھلے چنگے آدمی کی زبان سے نماز میں
بہشت و دوزخ وغیرہ امور اخروی کا ذکر سُنکر یہ الفاظ نکل جائیں گے
تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ غنیہ وغیرہ عامہ کتب میں ہے واللفظله والانين
والتاوه من وجع او مصيبة لا من ذكر الجنة والنار یعنی اُون
اُف ہائے آہ۔ آوہ درد و مصیبت سے ہو تو نماز نہ ہوگی اور جنت
دوزخ کے یاد کرنے سے ہو تو ہو جائے گی۔

مسئلہ قرآن شریف میں دیکھ دیکھکر پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

(صفحہ ۳۰ سطر ۱۳ بیان مفسدات نماز) **اصلاح** قرآن عظیم میں دیکھکر پڑھنا
مفسد نماز جب ہی ہے کہ غیر حفظ شدہ کو قرآن ہاتھ میں لیکر دیکھکر پڑھے کہ اگر حفظ شدہ
کو بغیر قرآن شریف ہاتھ میں لیئے دیکھکر پڑھا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔
مراقی الفلاح میں ہے واما اذا کان حافظا له ولم یحمله فلا تفسد لانتفاء
العمل والتلقی یعنی جو دیکھکر پڑھا ہے اگر اسکا حافظ ہو اور بے اٹھائے قرآن
کے اسے پڑھا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی کہ عمل و تلقی دونوں منتفی ہیں در مختار میں
ہے الا اذا کان حافظا لما قرأه وقرأه بلا حمل یعنی جو دیکھکر پڑھا ہے اسکا
حافظ ہو اور بے قرآن اٹھائے پڑھا ہو تو نماز فاسد نہیں رد المحتار میں ہے
لان هذه القرأة مضافة الی حفظه لا الی تلقنه من المصحف ومجرد النظر
بلا حمل غیر مفسد لعدم وجهی الفساد وهذا استثناء من اطلاق المصنف
وهو قول الرازی وتبعه السرخسی وابو نصر الصفار وجزم به فی الفتح
والنهایة والتبیین قال فی البحر وهو وجیه کما لا یخفی ولذا جزم به
الشارح یعنی حفظ شدہ کو بے قرآن ہاتھ میں لیے دیکھکر پڑھنا مفسد نماز نہیں
ہے کہ یہ پڑھنا حفظ کی طرف مضاف ہوگا نہ قرآن سے سیکھنے کیطرف اور
بے اٹھائے صرف نظر کرنا مفسد نہیں ہے بوجہ نہ ہونے دونوں وجہ عدم فساد
کے اور یہ اطلاق مصنف سے استثنا ہے اور وہ قول رازی کا ہے اور
سرخسی و ابو صفار نے اس کا اتباع کیا ہے اور فتح اور نہایہ اور تبیین
میں اسپر جزم کیا ہے اور صاحب بحر نے اسے وجیہ کہا ہے
جیسا کہ ظاہر ہے اسی لیے شارح نے اسپر جزم فرمایا۔ غنیہ شرح
منیہ اور شرنبلالیہ حاشیہ درر میں ہے هذا اذا لم یکن حافظا لما
قرأه فان کان حافظا لا تفسد بالاجماع یعنی قرآن دیکھکر
پڑھنا مفسد نماز جب ہے کہ اس پڑھے ہوئے کا حافظ نہ ہو اور جو حافظ

ہو تو بالاجماع نماز فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو پہلے اللہ میاں سے صلاح لے لیوے (صفحہ ۵۴ سطر ۲ بیان نماز استخارہ) **اصلاح** ایک عالم کے قلم سے اس عبارت کا نکلنا ان الفاظ کا سرزد ہونا نہایت تعجب خیز ہے کہ عالم کا کام تو عوام کو ایسے الفاظ بولنے سے منع کرنا ہے نہ کہ خود بول کر انھیں بتانا اور سکھانا۔ کیا اللہ کے ساتھ میاں کا لفظ لگاکر بولنا اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کو اطلاق کرنا یا کسی سے یوں کہنا کہ تم اپنے کام میں اللہ تعالیٰ سے مشورہ لیلو صلاح لیلو جائز ہے نہیں نہیں ہرگز نہیں سوء ادب سے خالی اور ایہام سے عاری نہیں کہ میاں اردو میں کئی معنی کے لیے بولا جاتا ہے۔(۱) عورتیں اپنے شوہر کو میاں کہتی ہیں (۲) بازاری عورتوں کا مالک میاں کہلاتا ہے (۳) علم موسیقی جاننے والے کو میاں کہتے ہیں (۴) خواجہ سراؤں کو میاں کہکر پکارا جاتا ہے (۵) اپنے ہمسر یا کم رتبہ والے کو اس سے خطاب کرتے ہیں (۶) نوکر غلام باندی اپنے آقا و مالک کو میاں کہتے ہیں (۷) فقیر اور درویش کو میاں کہتے ہیں (۸) ماں باپ اولاد کو بڑے چھوٹوں کو شفقۃً میاں کہتے ہیں (۹) شعراء کے تخلص پر میاں لگایا جاتا ہے جیسے میاں مصحفی (۱۰) دیہاتی آدمی کو میاں جی کہتے ہیں (۱۱) بچوں کے معلم کو میاں جی کہتے ہیں (۱۲) ہندو مسلمانوں کو میاں جی کہتے ہیں (۱۳) اولاد اپنے باپ دادا کو میاں - میاں بھائی - بھائی میاں کہتی ہے (۱۴) کبھی تعظیماً بھی کسی کے لیے بول دیا کرتے ہیں (لغت جلال والزیادۃ من عندی) اور ظاہر کہ ان میں سے کسی معنے کر اللہ کے ساتھ اسے لگاکر بولنا جائز نہیں بلکہ بعض معنے کے لحاظ سے تو کفر سے خالی نہیں۔ ہاں باعتبار معنے تعظیمی کے اللہ کے ساتھ اسے لگاکر بول سکتے تھے جیسے تعالےٰ و تقدس و عزوجل وغیرہ الفاظ تعظیمی لگاکر بولتے ہیں مگر اس حال میں تو اسے

(حاشیہ:) نامیمان کتاب کی ...

اللہ کے ساتھ تعظیماً بھی لگا کر نہیں بول سکتے کہ صریح ایہام ہوگا دوسرے معنی کی طرف بھی ذہن جائیگا اور قرآن عظیم میں ہمیں صاف تعلیم فرمایا گیا ہے کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی شان میں موہم لفظ نہ بولیں اگرچہ مستقیم المعنی ہی ہوں۔ کما قال تعالیٰ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا اسیطرح اللہ سے صلاح لے لو مشورہ لے لو بھی نہیں کہہ سکتے کہ سوء ادب سے خالی نہیں۔

مسئلہ جہاں جہاں کلام مجید کے کنارے پر سجدہ لکھا رہتا ہے اس آیۃ کو پڑھکر سجدہ کرنا واجب ہوجاتا ہے (صفحہ ۵۵ سطر ۵ بیان سجدۂ تلاوت) اصلاح صحیح مذہب میں محض آیۂ سجدہ کے پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا ہے تاوقتیکہ پڑھنے کی آواز پڑھنے والا خود نہ سنے اس کے کان میں نہ جائے اور حروف صحیح ادا نہ ہوں۔ ہاں اگر کوئی عارضہ مانع سماعت ہو جیسے بہرا پن شور وغل تو بقدر سماعت آواز سے پڑھنا معتبر ورنہ محض ہونٹ و زبان ہلانے سے سجدہ واجب نہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے رجل قراء اٰیۃ السجدۃ لا یلزم السجدۃ بتحریک الشفتین وانما تجب اذا صحح الحروف وحصل به الصوت سمع هوا وغیرہ اذا قرب اذنه فمه کذا فی فتاوی قاضیخان یعنی کسی شخص نے آیۂ سجدہ پڑھی تو محض ہونٹ ہلانے سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا وہ جب واجب ہوگا کہ حرف صحیح ادا ہوں اور آواز نکلے سبب جسے وہ خود یا اس کا غیر اس کے مونھ کے برابر کان لگاکر سنے ایسا ہی فتاوی قاضیخاں میں ہے درمختار میں ہے ویجب بسبب تلاوۃ اٰیۃ من اربع عشر اٰیۃ بشرط سماعها وان لم یوجد السماع کتلاوۃ الاصم قال فی رد المحتار تحته فکونه بحیث یسمع نفسه لولا العوارض او یسمعه من قرب اذنه الی فمه شرط کما هو مذهب الهندوانی وهو الصحیح یعنی سجدۂ سہو چودہ آیتوں میں سے ایک آیۃ کے پڑھنے سے

واجب ہوتا ہے بشرطیکہ اُسے سُنے اگرچہ بالفعل نہ سنائی دے جیسے بہرے کا
پڑھنا پس پڑھنا اُس کا اس طرح پر کہ خود سُنے اگر کوئی عارضہ نہ ہو یا اُس کے
پاس والا اُس کے مونھ سے کان لگا کر سنے شرط ہے جیسا کہ وہ مذہب ہندوانی
ہے اور وہی صحیح ہے

مسئلہ سجدہ کی آیت پڑھکر اگر ترت رکوع میں چلی جاوے اور رکوع میں یہ
نیت کرے کہ میں سجدۂ تلاوت کی طرف سے بھی رکوع کرتی ہوں تب بھی وہ
سجدہ ادا ہو جاویگا۔ (صفحہ ۵۶ سطر ۱۲ بیان سجدۂ تلاوۃ) اصلاح عبارت
مذکورہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر رکوع میں جاکر سجدہ تلاوت کی نیت کی تو کافی ہے
اور سجدہ ادا ہو جائے گا حالانکہ رکوع میں جاکر سجدہ کی نیت کرنا کافی نہیں
اور نہ اس نیت سے سجدہ ادا ہو کہ ظاہر مذہب میں رکوع کرتے وقت تکبیر سے پہلے نیت
سجدہ کا اعتبار کیا گیا ہے نہ تکبیر کے بعد رکوع میں جاکر جیسا کہ نماز میں تکبیر سے
پہلے یا تکبیر کہتے وقت نیت کا اعتبار ہے نہ بعد تکبیر اگرچہ اللہ کے بعد
اور اکبر سے پہلے ہو ہندیہ میں ہے ولو قرأ آیة السجدة فی الصلاة
فاراد ان یرکع بها یحتاج الی النیة عند الرکوع فان لم توجد
منه النیة عند الرکوع لا یجزیه عن السجدة وهو الاظهر کذا
فی شرح ابی المکارم۔ ولا یعتد بالنیة المتاخرة عن التکبیر
کذا فی التبیین یعنی نماز میں سجدہ کی آیت پڑھی اور رکوع میں اُسے ادا کرنیکا
ارادہ کیا تو وقتِ رکوع نیت سجدہ کی حاجت ہے اگر رکوع کرتے وقت
نیت سجدہ نہ کرے گا تو کافی نہ ہوگا اور تکبیر کے بعد نیت کرنے کا اعتبار
نہیں ہے یہی ظاہر تر ہے ایسا ہی تبیین اور شرح ابی المکارم میں ہے۔

مسئلہ ریل پر نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے کہ چلتی ریل پر نماز پڑھنا
درست ہے اور اگر کھڑے ہو کر پڑھنے سے سر گھومے یا گرنے کا خوف
ہو تو بیٹھکر پڑھے مسئلہ نماز پڑھتے میں ریل پھر گئی اور قبلہ دوسری طرف

ہو گیا تو نماز ہی میں گھوم جائے اور قبلہ کی طرف موںھ کر لے (صفحہ ۴۴ سطر ۵
بیان نماز سفر) اصلاح چلتی ریل پر نماز پڑھنے کا نہ یہ حکم ہے اور نہ چلتی
ریل پر اس طرح نماز پڑھنا درست ہے اگر پڑھی جائیگی تو قطعاً نہ ہو گی اور
پھر سے پڑھنا پڑے گی۔ اگر پھر سے نہ پڑھے گا فرض ذمہ پر باقی رہے گا
اور اُسے قضا کرنا واجب ہو گا کہ ریل مثل اور سواریوں کے ایک سواری ہی
اور ہر سواری پر نماز پڑھنے کا یہ حکم ہے کہ اگر اوقاتِ نماز میں بقدر نماز اُن
کا ٹھہرنا ٹھہرانا ممکن ہو اور اُن سے اُتر کر نماز پڑھنے پر قادر ہو تو اُن پر سوائے
نوافل کے کوئی نماز فرض و واجب و سنت فجر پڑھنا صحیح نہیں کہ نماز کے
واسطے شروع سے ختم تک اتحاد مکان و جہت قبلہ شرط ہے حتیٰ کہ اگر ایک
جگہ قبلہ رخ ہو کر نماز شروع کی اور ختم سے پہلے جہتِ قبلہ بدل گئی تو
نماز نہ ہوئی اور ظاہر کہ چلتی ریل میں اختتام نماز تک ایک جگہ رہنا پوری نماز
قبلہ رُخ پڑھنا ممکن نہیں لہذا چلنے میں اُس پر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہاں اگر
اُسکا اوقات نماز میں بقدر نماز ٹھہرنا ممکن نہ ہو یا حالت قیام میں اُس پر سے
اُتر کر یا اُس میں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر کسی عذر صحیح شرعی کے باعث نماز
پڑھنے پر قادر نہ ہو تو چلتی ریل میں نماز پڑھ سکتا ہے در مختار میں سواری
پر نماز پڑھنے کا حکم بیان کر کے فرمایا هذا كله فى الفرض والواجب
بانواعه وسنة الفجر بشرط ايقافها للقبلة ان امكنه والا فبقدر
الامكان لئلا يختلف بسيرها المكان واما النفل فتجوز على المحمل
والعجلة مطلقا یعنی سواری پر فرض واجب سنت فجر پڑھنا جائز ہے
بشرطیکہ اُس کا قبلہ رخ ٹھہرانا ممکن ہو ورنہ بقدر امکان کرے تاکہ
نماز میں اُس کے چلنے سے مکان نہ بدلے اور نفل نماز گاڑی اور سواری
پر مطلقاً جائز ہے رد المحتار میں ہے والحاصل ان كلا من اتحاد المكان
واستقبال القبلة شرط فى صلاة غير النافلة عند الامكان

تحقیق ریل اور گھوڑا گاڑی وغیرہ سواری پر نماز پڑھنے کا حکم

لا یسقط الا بعذر فلو امکنه ایقافها مستقبلا فعله رد ۱
نقل فی شرح المنیة عن الامام الحلوائی انه لو انحرف عن القبلة
وهو فی الصلاۃ لا تجوز صلاته یعنی صاحب درمختار کے قول کا
حاصل یہ ہے کہ نفل نماز کے سوا تمام نمازوں کے لیے ایک جگہ اور قبلہ رخ
ہونا بقدر امکان شرط ہے یہ نہیں ساقط ہوگا مگر بعذر پس اگر سواری کا
قبلہ رخ ٹھہرا کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو قبلہ رخ ٹھہرا کر پڑھے۔
اسی لیے شرحِ منیہ میں امام حلوائی سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر نماز پڑھنے میں
سواری قبلہ سے پھر جائیگی تو نماز نہ ہوگی۔ اور ظاہر کہ ریل کا اوقاتِ نماز
میں بقدرِ نماز کہیں نہ کہیں ٹھہرنا اُسپر سے اُتر کر نماز پڑھنے پر قادر ہونا ممکن
ہے کہ پسنجر ہر چھوٹے اسٹیشن پر کم از کم پانچ منٹ اور بڑے پر کم از کم پندرہ
منٹ اور ڈاک ہر بڑے پر دس پندرہ منٹ ٹھہرتی ہے اور لوکل کا تو کچھ
ٹھیک ہی نہیں ہے جسقدر چاہے کھڑی رہے اور ان پانچ یا پندرہ
منٹ میں دو رکعت یا چار رکعت نماز فرض بخوبی پڑھے جاسکتے ہیں
اگر وضو وغیرہ لوازمات نماز کا پہلے سے انتظام کر رکھے اور ریل رکتے
ہی اُتر کر یا ریل ہی میں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر پڑھنے کا ہلی و سستی نہ کرے
اگر باوجود اس قدرت کے اپنی کاہلی و سستی اور ڈر سے کوئی چلتی ریل
میں بیٹھکر نماز پڑھے گا تو وہ شرعاً معذور نہ ہوگا اور وہ نماز نہ ہوگی
پس تھانوی صاحب نے جو ریل کو مثل کشتی کے خیال کر کے اس میں
قبلہ رخ بیٹھکر نماز پڑھنا مطلقاً جائز کر دیا ہے اور نماز میں قبلہ رخ پھیرتے
جانے کا حکم دیا ہے محض غلط و سراسر خطا ہے کہ اول تو ریل خشکی کی
سواری ہے اور کشتی دریا کی اگر کشتی کو ٹھہرایا بھی جائے تو پانی ہی پر
ٹھہریگی زمین اُسے میسر نہ ہوگی اور حالتِ قیام میں بھی دریا کی موجوں سے
متحرک رہیگی بخلاف ریل کے کہ وہ زمین پر ٹھہرتی اور مستقر رہتی ہے

دوسرے ریل ابتداء سے انتہا تک اوقاتِ نماز میں بقدرِ نماز جا بجا متعدد جگہ ٹھہرتی ہے اسپر سے اُتر کر یا اُس پر حالتِ قیام میں نماز پڑھی جا سکتی ہے جسکا بارہا مشاہدہ و تجربہ کیا گیا ہے اور کشتی جہاز اسٹیمر اوقاتِ نماز میں جا بجا نہیں ٹھہرتے ہیں خاص مقام ہی پر جاکر ٹھہرتے ہیں اور پھر ٹھہرتے بھی ہیں تو کنارے سے دور کر اُس سے اُتر کر کنارے پر جانے اور نماز پڑھکر واپس آنیکا وقت نہیں ملتا تو پھر ریل کو کشتی پر کیسے قیاس کر سکتے اور کیسے اُسکا حکم اُسے دے سکتے ہیں۔ تیسرے جہاز ہو یا کشتی بیل گاڑی ہو یا اونٹ گھوڑا ہاتھی سب میں ٹھہرنے کی قید اور ہر ایک کا یہی حکم کہ اگر اس کا ٹھہرنا یا ٹھہرانا اُسپر سے اُتر کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو اسپر بیٹھکر نماز صحیح نہیں اور اگر غیر ممکن ہو تو صحیح۔ غنیہ شرح منیہ پھر ردالمحتار میں ہے قولہ والمربوطة فی الشط کالشط فلا تجوز الصلوٰة فیها قاعدا اتفاقا وظاهر مافی الهداية وغیره الجواز قائما مطلقا ای استقرت علی الارض اولا وصرح فی الایضاح بمنعه فی الثانی حیث امکن الخروج الحاقا لها بالدابة نهر واختاره فی المحیط والبدائع بحر وعزاه فی الامداد ایضا الی مجمع الروایات عن مصفی وجزم به فی نور الایضاح وعلی هذا ینبغی ان لا تجوز الصلوٰة فیها سائرة مع امکان الخروج الی البر وهذه المسئلة کثیرة الوقوع والناس عنها غافلون یعنی کنارے پر بندھی ہوئی کشتی مثل کنارے کے ہے اُس میں بیٹھکر نماز بالاتفاق جائز نہیں ہے اور ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ اُس میں کھڑے ہو کر پڑھنا مطلقاً جائز ہے خواہ وہ زمین پر ٹھہری ہو یا نہ ٹھہری ہو اور ایضاح میں زمین پر نہ ٹھہری ہونے کی صورت میں نماز ممنوع و ناجائز ہونے کی تصریح کی ہے جبکہ اُس سے خروج ممکن ہو اور اسی کو محیط اور بدائع میں اختیار کیا ہے اور امداد نے مجمع الروایا

کی طرف جس میں مصفیٰ سے ہی منسوب کیا ہے اور نور الایضاح میں اس پر جزم
کیا ہے اس بنا پر لائق ہے کہ چلتی ہوی کشتی میں نماز جائز نہ ہو جبکہ اُس
سے خشکی میں نکلنا ممکن ہو اور یہ مسئلہ بہت زیادہ واقع ہونے والا ہے اور لوگ
اس سے غافل ہیں۔ شرح منیہ وکفایہ حاشیہ ہدایہ اور شرنبلالی حاشیہ درر
میں محیط سے ہے ولو اومأ علی الدابة وھی تسیر لم تجز اذا قدر ان یوقفھا
وان تعذر الوقف جاز اھ اگر گھوڑے وغیرہ پر چلتے میں اشارے
سے نماز پڑھی تو جائز نہیں اگر اس کے ٹھہرانے پر قادر ہو اور جو ٹھہرانا مشکل
ہو تو جائز۔ درر وغرر میں قاضیخاں سے ہے اذا صلی علی الدابة لعذر
ان لم یقدر علی ایقافھا جاز الایماء علیھا وان کانت تسیر وان قدر
لم یجز لاختلاف المکان بسیرھا اگر گھوڑے وغیرہ جانور پر کسی عذر کے
سبب نماز پڑھے تو اگر اُسے ٹھہرا کر اشارے سے نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو جائز
ہے اگرچہ چلتا ہو اور جو ٹھہرانے پر قادر ہو تو جائز نہیں کہ اس کے چلنے سے مکان
بدلے گا۔ تنویر الابصار میں ہے ولو صلی علی دابة فی محمل وھو یقدر
علی النزول لا یجوز الصلاۃ علیھا اذا کانت واقفة الخ قال فی رد المحتار
تحته وکذا لو سائرة یعنی اگر سواری پر کجاوہ میں نماز پڑھی اور وہ اترنے
پر قادر ہو تو اُس پر نماز جائز نہیں خواہ وہ ٹھہری ہو یا چلتی۔

رد المحتار میں ہے والصلاۃ علی المحمل الذی علی الدابة کالصلاۃ علیھا
فیومی علیھا بشرط ایقافھا جھة القبلة ان امکنه والا فبقدر
الامکان واذا کانت تسیر لا تجوز الصلاۃ علیھا اذا قدر علی ایقافھا
یعنی کجاوہ میں اونٹ وغیرہ پر نماز پڑھنا مثل اونٹ وغیرہ پر نماز
پڑھنے کے ہے پس اشارہ سے اُس پر نماز پڑھے بشرطیکہ اُسے قبلہ رخ ٹھہرانا
ممکن ہو ورنہ بقدر امکان کارروائی کرے اور جو وہ چلتا ہو تو اُس پر نماز جائز
نہیں ہے اگر اس کے ٹھہرانے پر قادر ہو۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے

والمعذور ان امکنه ایقاف الدابة یوقف ویصلی بالایماء ولو لم یوقفه لایجوز کذا فی المضمرات یعنی اگر معذور کو گھوڑا وغیرہ جانور ٹھہرانا ممکن ہو تو ٹھہرا کر اشارے سے نماز پڑھے اگر نہ ٹھہرائے گا نماز نہ ہو گی۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے غنیہ شرح منیہ میں ہے وجاز له الایماء بالفرض علی الدابة واقفة مستقبل القبلة ان امکنه ذلك والا فبقدر الامکان یعنی فرض اشارہ سے گھوڑے پر ٹھہرا کر قبلہ رخ پڑھنا جائز ہیں اگر ٹھہرنا اور قبلہ رخ ہونا ممکن ہو ورنہ بقدر امکان کرے۔

اور جب ہر بری و بحری سواری کا ایک حکم اور ہر ایک میں امکان ایقاف کی شرط تو پھر چلتی ریل میں بیٹھکر مطلقاً نماز جائز کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے بلکہ مقیس علیہ کے صریح خلاف ہے۔

چوتھے لوگوں کی آسانی کے واسطے چلتی ریل میں بیٹھکر نماز پڑھنا تو جائز کر دیا مگر یہ خیال نہ کیا کہ اس سے زیادہ بھاری پہاڑ قبلہ رخ رہنے اور نماز میں قبلہ رخ پھرتے جانے کا ان بیچاریوں اور عوام بیچاروں کے سر پر ٹوٹتا ہے جس سے انھیں جانبر ہونا محال بلکہ خواص کو بھی دشوار گزار ہے کہ چلتی ریل میں بے آلہ قبلہ کی شناخت خصوصاً رات و ایام برسات میں ہر ایک کا کام نہیں اور تحری کا اس حال میں جواز نہیں نہ مسئلہ میں اسکی بحث اور اگر شناخت قبلہ ہو بھی جائے تو بھی قلت جگہ و کثرت مسافرین کے باعث اس پر عمل دشوار اور ساتھیوں کو نیز اپنے آپ کو طبعاً ناگوار پوری آسانی تو انھیں جبھی ہوتی کہ اتحاد مکان و قیام کی طرح جہت قبلہ کی قید بھی مسئلہ میں سے اٹھا دی جاتی بلکہ اشارے کی قید لگا کر رکوع و سجود کی زحمت بھی اُن سے دور کی جاتی **پانچویں** کشتی میں بحالت عدم دوران راس و عدم خوف سقوط کھڑے ہو کر نماز پڑھنا امام صاحب کے نزدیک افضل اور اس کا ترک موجب کراہت و اسارت اور صاحبین کے

نزدیک فرض اور مسئلہ مذکورہ میں مہر سکوت فاین القیاس درمختار میں ہے صلی الفرض فی فلک جار قاعدا بلا عذر صح لغلبۃ العجز واساء وقالا لا یصح الا بعذر وھو الاظھر برھان یعنی چلتی کشتی میں بے عذر بیٹھکر فرض پڑھے تو غلبہ عجز کی وجہ سے صحیح ہونگے اور گناہگار ہوگا اور صاحبین کے نزدیک بلے عذر صحیح نہیں اور یہی ظاہر تر ہے ہندیہ میں ہے واذا صلی فی السفینۃ قاعدا وھی تجری مع القدرۃ علی القیام تجوز مع الکراھۃ عند ابی حنیفۃ رح وقالا لا تجوز یعنی چلتی کشتی میں باوجود قیام پر قادر ہونے کے بیٹھکر نماز پڑھی تو امام صا کے نزدیک جائز مع الکراہۃ اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

بالجملہ ریل میں نماز پڑھنے کا صحیح حکم یہ ہے کہ اگر اوقات نماز میں بقدر نماز اُس کا ٹھہرنا کہیں ممکن ہو تو وقت قیام اُس میں یا اُس سے اُتر کر جس طرح ہوسکے قبلہ رُخ کھڑے ہوکر نماز پڑھے اگر باوجود اس قدرت کے چلتی ریل میں بیٹھکر نماز پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی اور پھر سے پڑھنا پڑیگی اگر پھر سے نہ پڑھے گا فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور اُس کا قضا کرنا واجب ہوگا ورنہ گنہگار مواخذہ دار رہیگا۔ اور اگر اوقات نماز میں بقدر نماز کہیں اُس کے ٹھہرنے کا ٹھکانا نہ ہو تو چلتے ہی میں بقدر امکان قبلہ رُخ کھڑے ہوکر نماز پڑھے اور اگر کھڑے ہوکر پڑھنے پر قادر نہ ہو تو بیٹھکر رکوع و سجود سے پڑھے اور اگر رکوع و سجدہ پر بھی قادر نہ ہو تو اشارے سے پڑھے اور وقت ہاتھ سے نہ جانے دے پھر اُتر کر احتیاطاً اعادہ کرے۔ مسئلہ جب آدمی مرنے لگے تو اُس کو چت لٹا دو اور اُس کے پیر قبلہ کی طرف کردو اور سر اونچا کردو کہ موُنھ قبلہ کی طرف ہوجائے (صفحہ ۶۵ سطر ۶ بیان موت) اصلاح شرعاً تو مرتے وقت قبلہ رُخ کرنا مقصود ہے اور وہ جس طرح بھی حاصل ہوجائز مگر قبلہ رُخ

وقت جانکنی مُردے کو قبلہ رُخ کرنیکا طریقہ

کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ داہنی کروٹ کے بل قبلہ رُخ کیا جائے پاؤں
اُتر کو رہیں یا دکھن کو اس میں سنت پر بھی عمل ہوا اور مقصود بھی حاصل
ہوا اور قبلہ کا ادب بھی ملحوظ رہا کہ پاؤں اس کی طرف نہ ہوئے لہذا
پہلے اسی طریقہ پر عمل کیا جائے اور مرتے وقت اسی طرح قبلہ رخ
کیا جائے ہاں اگر اس طرح قبلہ رخ کرنا ممکن نہ ہو میت کو اسطرح
قبلہ رُخ کرنے میں تکلیف ہوتی ہو تو اور کسی آسان طریقہ پر قبلہ رُخ
کیا جائے اور آسانی و جواز دونوں کو مدنظر رکھا جائے اور اگر کسی
طرح قبلہ رخ کرنا ممکن نہ ہو ہر طرح قبلہ رخ کرنے میں میت کو تکلیف
ہوتی ہو تو اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں جیسے لیٹا ہو ویسے ہی لیٹا
رہنے دیں ہندیہ میں ہے اذا احتضر الرجل وجه الی القبلة
علی شقه الایمن وهو السنة کما فی الهدایه وهذا اذا لم
یشق علیه فاذا شق ترك علی حاله کذا فی الزاهدی جان نکلتے
وقت میت کو داہنی کروٹ کے بل قبلہ رخ کیا جائے اور یہ سنت ہے
جیسا کہ ہدایہ میں ہے اگر اسی طرح قبلہ رُخ کرنا اُسے گراں نہ ہو اور جو گراں
و دشوار ہو تو جس حال پر ہو اسی پر رہنے دیا جائے در مختار شرح
تنویر الابصار اور در المنتقی شرح ملتقی الابحر میں ہے
ولیواجه المحتضر الی القبلة علی شقه الایمن وهو السنة و
اختیر الاستلقاء ویرفع رأسه متوجها الی القبلة وفی المبتغی
الاصح یوضع کیف تیسر فان شق علیه ترك علی حاله مردے
کو مرتے وقت داہنی کروٹ پر قبلہ رخ کیا جائے کہ وہ مسنون ہے اور چت
لٹا کر سر اونچا کر کے قبلہ رخ کرنا بھی مختار ہے اور مبتغی میں ہے کہ صحیح
تر یہ ہے کہ جس طرح آسان ہو کرے اور جو اسے قبلہ رُخ ہونا گراں ہو تو اس
کے حال پر اُسے چھوڑ دیا جائے مراقی الفلاح میں ہے ولیس توجیه

المحتضر علی یمینه لانه السنة وجاز الاستلقاء علی ظهره قال
الطحطاوی وهو مقید بما اذا لم یشق علیه فان شق علیه ترک علی
حاله نهر والاول افضل لانه السنة کذا فی المضمرات یعنی مرنے
کو قبلہ کی طرف دہنی کروٹ پر متوجہ کرنا سنت ہے اور چت لٹا کر قبلہ
رخ کرنا بھی جائز ہے اگر اُسپر دشوار نہ ہو ورنہ اپنے حال پر رکھا جائے۔
اور پہلا طریقہ قبلہ رخ کرنے کا افضل ہے کہ سنت ہے ایسا ہی مضمرات میں ہے۔
مسئلہ مرجانے کے بعد اُس کے پاس لوبان وغیرہ کچھ خوشبو سلگادی
جاوے اور حیض ونفاس والی عورت اور جس کو نہانے کی ضرورت ہو
اُس کے پاس نہ رہے (صفحہ ۶۶ سطر ۱۳ بیان موت) **اصلاح صحیح** یہ
ہے کہ مرتے وقت اور مرنے کے بعد جنبی مرد وعورت اور حیض ونفاس
والی عورتیں مردے کے پاس آسکتی ہیں اور اُس کے پاس حاضر ہو سکتی
ہیں کہ اگر اُنھیں اُس وقت مردے پاس آنے جانے رہنے سے روکا اور
منع کیا جائیگا تو حرج ودقت ہوگی اور حرج شرعاً مدفوع کہ بعض اوقات
گھر میں صرف زوج وزوجہ ہی ہوتے ہیں پس اگر زوج مرے اور زوجہ
حائضہ کو اُس کے پاس آنے سے ممانعت ہو تو وقت جانکنی کون اُسکی خبر لے
قبلہ رخ کرے تلقین کرے حلق میں پانی ٹپکائے اور بعد مرنے کے کون
دست و پا اعضا درست کرے آنکھیں بند کرے چادر اُڑھائے اور قبل
انقطاع حیض ونفاس غسل بیکار وبے سود لہذا فقہائے کرام نے اُن کا مردے
پاس آنا جانا رہنا مطلقاً جائز کر دیا ہے بعد مرنے کے ہو یا وقت جانکنی کہ
غنیہ شرح منیہ اور فتاوے ہندیہ وتاتارخانیہ میں ہے ولاباس بجلوس
الحائض والجنب عنده وقت الموت وقت موت مردے پاس حائض
اور جنبی کے بیٹھنے میں حرج نہیں ہے شرنبلالیہ حاشیہ درر میں ہے
قال الکمال لایمتنع حضور الجنب والحائض وقت الاحتضار

[illegible]

جانکنی کے وقت حائضہ اور جنبیہ عورت کا مردے پاس حاضر رہنا ممتنع نہیں
ہے ہاں بہتر واسطے یہ ہے کہ جنب اور حیض و نفاس والی عورت بضرورت
جان نکلتے وقت مردے پاس نہ آئیں کہ وہ وقت حضور ملائکہ ہوتا ہے
اور جہاں یہ لوگ ہوتے ہیں وہاں فرشتے نہیں آتے ہیں نہ بعد
مرنے کے کہ حضور ملائکہ ہوچکا اور مردہ خود اُس وقت حاجتمند غسل
طحطاوی میں ہے واخراجهم على سبيل الاولوية اذا كان عن
حضورهم غنى فلا ينافى ما ذكره الكاكى من انه لا يمتنع حضور الجنب
والحائض وقت الاحتضار ووجه عدم الاخراج انه
قد لا يمكن الاخراج للشفقة اوللاحتياج اليهن يعنی جنب اور
حائضہ و نفساء کا مردے پاس سے ہٹانا اولیٰ جب ہے کہ ان کی وہاں
ضرورت نہ ہو تو کاکی نے جو ان کا حضور اس وقت غیر ممتنع لکھا ہے
اُس کے منافی نہیں ہے اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ کبھی اُن کا مردہ
پاس سے ہٹانا شفقۃً یا حاجۃً ممکن نہیں ہوتا ہے

مسئلہ بعضے بعضے کفن میں عطر لگاتے ہیں اور عطر کی پھریری کان
میں رکھتے ہیں یہ سب جہالت ہے جتنا شرع میں آیا ہے اس سے زائد
مت کرو (صفحہ ۲۰ سطر ۶ بیان غسل میت) **اصلاح** مقصود تو کفن کو
خوشبودار کرنا ہے کہ حضور اقدس سرور عالم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم
اور حضور کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر حال میں خوشبو کو محبوب
و مرغوب رکھتے تھے اور تحنیط و تجمیر اکفان کا حکم فرماتے تھے۔ جس کے
معنی فقہائے کرام نے مطلق تعطر و تطییب یعنی کفن کو عطر لگانے خوشبودار
کرنے کے بیان فرمائے ہیں خواہ وہ لوبان واگر عود وعنبر کی دھونی
سے ہو یا مشک وعنبر لگانے عطر مشکی وعنبری وغیرہ ملنے سے بلکہ عطر نام
ہی اُس خوشبو کا ہے جو چند اشیاء خوشبودار سے مرکب ہو

کفن میں عطر لگانا

خوشبودار چیزوں کا جو ہر ہو جیسے عرب میں حنوط مگر تھانوی صاحب کے
نزدیک تحنیط و تجمیر تعطر و تطیب نہیں قول حضور سنت نہیں قولِ فقہا حجت
نہیں جہالت ہے خوشبو لگانے سے نفرت ہے کہ سنت ہے جب تو
کفن میں خوشبو لگانے عطر ملنے کی مسئلہ مذکورہ میں ممانعت ہے مگر
ہم سنی تو سنت ہی کی پیروی کریں گے قول و فعل حضور و صحابہ حضور کو
سنت ہی سمجھیں گے قول فقہا سے حجت پکڑیں گے اور عام مسلمانوں
کو یہی تعلیم کریں گے کہ اپنے مُردوں کے کفن کو خوب خوشبو ملو عطر لگاؤ
لوبان و اگر کی دھونی سے بساؤ کہ تمہارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم
نے یہی حکم فرمایا ہے تمہارے فقہائے کرام و علمائے عظام نے یہی بتایا
ہے۔ جو کوئی اس سے منع کرے وہ دلیل لائے ممانعت دکھائے ورنہ
شرع اس کی زبان کا نام نہیں ہے کہ جسے چاہے ناجائز بنائے اور
جسے چاہے جائز ٹھہرائے ہدایہ ہندیہ کنز البیان مستخلص الحقائق وغیرہ
عامہ کتب فقہ میں ہے واللفظ للمستخلص وتجمر الاکفان ای تعطر و تطیب
یعنی کفن کو عطر لگایا جائے خوشبودار کیا جائے غنیہ شرح منیہ ہے صفۃ
التکفین ان تبسط اللفافۃ علی بساط او حصیر او نحوہ ثم یذر علیھا
الطیب ثم یبسط علیھا الازار و یذر علیھا الطیب ثم القمیص
کذلک ثم یوضع المیت بالثوب الذی نشف فیہ فیقمص
الخ یعنی طریقہ کفن دینے کا یہ ہے کہ کسی چٹائی دری وغیرہ پہ چادر کفن
بچھائی جائے پھر اس پر خوشبو چھڑکی جائے پھر اس پر ازار بچھائی جائے
اور اس پر خوشبو ملی جائے پھر اس پر کفنی بچھائی اور اس میں خوشبو لگائی
جائے پھر اس میں میت مع اُس کپڑے کے جس سے بدن خشک کیا جائے
رکھی جائے پس کفنی پہنائی جائے اور خوشبو لگائی جائے اس عبارت
سے تو جان مانع پر اور بھی آفت ڈھائی اور صاف صاف ہر پارچہ کفن

پر خوشبو چھڑکنا ڈالنا ملنا جائز بتایا اور میت کے سر واڑھی بالوں وغیرہ اعضا
میں جدا خوشبو ملنا بتایا حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انتقال کے قریب
مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے پانی منگاکر غسل فرمایا اور کفن منگاکر پہنا اور اس
میں حنوط کی خوشبو ملی رواہ الطبرانی و ابونعیم کما سیاتی موطا
امام محمد میں ہے اخبرنا مالك اخبرنا يحيى ابن سعيد ان عمر بن
الخطاب كان يطيب بالمسك المفتت اليابس قال محمد وبهذا
ناخذ لا باس بالمسك للحى وللميت ان يتطيب وهو قول ابى
حنيفة والعامة رحمهم الله تعالى یعنی مجھے راوی مذکور نے خبر
دی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشک لگایا کرتے تھے لہذا میں بھی اسیکو اختیار
کرتا ہوں کہ زندوں اور مردوں کے مشک کی خوشبو لگانے میں مضائقہ
نہیں ہے اور یہی قول امام اعظم اور اکثر ائمہ کا ہے اس کے حاشیہ
تعلیق المجید میں ہے قوله لا باس بالمسك بل يستحب استعماله
بل استعمال الطيب مطلقا حيا وميتا لاستعماله من النبى صلى الله
تعالى عليه وسلم واصحابه حيا وميتا وفى المقامة المسكية
لجلال الدين السيوطىؒ قد طيب رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم فى حنوط عند وفاته یعنی مشک کے استعمال میں مضائقہ نہیں
بلکہ اُسے استعمال کرنا مستحب ہے بلکہ خوشبو کو مطلقاً موت زندگی میں استعمال
کرنا مستحب ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور کے اصحاب زندگی اور موت
میں خوشبو استعمال فرماتے تھے مقامہ مسکیہ جلال الدین سیوطی میں ہے
کہ نبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے وقت وفات حنوط کی خوشبو ملی گئی اور
حنوط عرب میں نام اُس خوشبو کا ہے جو چند اشیا خوش رائحہ سے مرکب
ہوتی ہے جیسے ہمارے یہاں عطر مراقی الفلاح و مجمع الانہر میں ہے ويجعل
الحنوط وهو عطر مركب من اشياء طيبة ولا باس بسائر انواعه

غیر الزعفران والورس یعنی میت کے حنوط کی خوشبو لگائی جائے اور وہ ایک عطر مرکب چند اشیا خوش رائحہ سے ہوتا ہے اور سوائے زعفران اور ورس کے ہر قسم کی خوشبو لگانا جائز ہے فظہر الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

مسئلہ اس کے بعد سربند سر اور بالوں پر ڈالدے اُس کو نہ باندھو نہ لپیٹو (صفحہ ۹ سطر ۱۲ بیان کفن) **اصلاح** خمار یعنی سربند کے ڈالنے کا یہ طریقہ نہیں ہے بلکہ وہ پشت کے نیچے بچھا کر اور سر پر لاکر سر اور چہرہ پر مثل مقنع کے ڈالی جائے کہ سینہ پر رہے اور کھلی چھوڑ دی جائے باندھی نہ جائے طول میں دو گز اور عرض میں ایک بالشت یا کچھ زائد ہو جس سے سر مع بال اور چہرہ ڈھک جائے اور باقی پیٹھ کے نیچے دبی رہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے۔ ثم یوضع الخمار علی رأسہا کالمقنعۃ مشوس آدفی حاشیۃ چلپی۔ وحد طول الخمار ذراعان وحد عرضہ شبرا۔ سربند سر پر پھیلا ہوا مثل مقنع کے ڈالا جائے دو گز لانبا اور ایک بالشت چوڑا۔

مسئلہ کفن میت یا قبر کے اندر عہد نامہ یا اپنے پیر کا شجرہ یا اور کوئی دعا رکھنا درست نہیں اسی طرح کفن یا سینہ پر کافور یا روشنائی سے کلمہ وغیرہ کوئی دعا بھی لکھنا درست نہیں (صفحہ ۷ سطر ۲ بیان کفن) **اصلاح** کفن میں یا قبر میں عہد نامہ یا شجرہ یا اور کوئی دعا رکھنا یا کفن یا عمامہ یا پیشانی یا سینہ میت پر کلمہ یا بسم اللہ یا کوئی دعا لکھنا جائز بلکہ مندوب ہے ہمارے علمائے کرام و فقہائے عظام نے اپنی تصانیف منیفہ میں اس کے جواز کی تصریح اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فعل سے اسکی تائید فرمائی اور اس میں میت کے لیے امید مغفرت بتائی بلکہ بعض متقدمین و متاخرین نے اپنے وصال کے وقت بامید مغفرت

وحصول برکت اپنی پیشانی وسینہ پر بسملہ وغیرہ کلمات متبرکہ لکھنے کی وصیت
فرمائی چنانچہ غنیہ شرح منیہ میں کفایہ شعبی سے اس میں تاتارخانیہ سے
اور منتقی شرح ملتقے پھر درمختار شرح تنویر الابصار میں ہے کتب علی
جبهة المیت او عمامته او کفنه عهد نامة یرجی ان یغفر اللّٰہ للمیت
واوصی بعضهم ان یکتب فی جبهته وصدره بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
ففعل ثم رءی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جاءتنی
ملائکة العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبهتی بسم اللّٰہ الرحمٰن
الرحیم قالوا امنت من عذاب اللّٰہ تعالیٰ یعنی کفن یا عمامہ یا پیشانی میت
پر عہد نامہ لکھنے سے میت کے لیے امید بخشش ہے اور بعض علما نے
وصیت فرمائی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم لکھی
جائے پس لکھدی گئی پھر خواب میں دکھائی دیے تو ان سے حال پوچھا
گیا فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا فرشتے عذاب کے آئے اور میری پیشانی
پر بسم اللّٰہ لکھی دیکھکر بولے تجھے عذاب الٰہی سے امان ہے وجیز امام
کردری پھر رد المحتار میں بزازیہ سے ہے ذکر الامام الصفار لو کتب علی
جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهد نامة یرجی ان یغفر
اللّٰہ تعالیٰ للمیت ویجعله امنا من عذاب القبر قال نصیر هذه
روایة فی تجویز ذلک وقد روی انه کان مکتوبا علی افخاذ
افراس فی اصطبل الفاروق حبیس فی سبیل اللّٰہ اھ یعنی اگر کفن یا
پیشانی یا عمامہ میت پر عہد نامہ لکھا جائے تو امید ہے کہ اللّٰہ تعالےٰ اُسے
بخشدے اور عذاب قبر سے محفوظ رکھے امام نصیر نے فرمایا یہ میت کے
ساتھ عہد نامہ رکھنے کی روایت ہی اور بیشک روایت کیا گیا ہے کہ عمر فاروق
اعظم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے اصطبل میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا
تھا کہ یہ راہ خدا میں وقف ہیں۔ فتاوی امام حجر مکی پھر رد المحتار میں اُسی

سے ہے کہ ان سے کسی نے کفن پر عہد نامہ لکھنے کو پوچھا آیا وہ جائز ہے
اور اُس کی کوئی اصل ہے فرمایا نقل بعضهم عن نوادر الاصول
للترمذی ما یقتضی ان هذا الدعاء له اصل وان الفقیه ابن
عجیل کان یأمر به ثم افتی بجواز کتابته قیاسا علی کتابة الله
فی نعم الزکاة واقره بعضهم بانه قیل یطلب فعله لغرض صحیح
مقصود فابیح وان علم انه یصیبه نجاسة بعض علمائے نوادر الاصول
امام ترمذی سے وہ حدیث نقل کی جو اس دعا عہد نامہ کی اصل کو چاہتی ہے
اور نیز انھیں علمائے نقل کیا ہے کہ امام فقیہ ابن عجیل اُس کے لکھنے کا حکم فرمایا
کرتے تھے پھر خود اُنھوں نے کفن پر یہ دعا لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا
اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے چوپاؤں پر لکھا جاتا ہے (لله) یہ اللہ کے لیے ہیں
اور اس فتوے کو بعض دیگر علمائے برقرار رکھا اور اس کی تائید میں
بعض دیگر علمائے نقل کیا کہ غرض صحیح کے لیے ایسا کرنا مطلوب ہوگا
اگرچہ اسے نجاست پہنچنے کا علم ہو امام ترمذی نوادر الاصول میں راوی کہ
خود حضور اقدس سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من کتب
هذا الدعاء وجعله بین صدر المیت وکفنه فی رقعة لم ینله
عذاب القبر ولا یری منکرا ونکیرا وهو هذا جو یہ دعا پرچہ کاغذ پر
لکھکر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھدے گا اس میت کو عذاب قبر نہ ہوگا
اور نہ منکر نکیر نظر آئیں گے اور وہ دعا یہ ہے لا اله الا الله والله اکبر
لا اله الا الله وحده لا شریک له لا اله الا الله له الملک وله
الحمد لا اله الا الله ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم
نیز ترمذی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ فرمایا
آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دعا
پڑھے گا فرشتہ اسے لکھکر مہر لگا کر قیامت کے لیے اٹھا رکھے گا جب

اللہ تعالیٰ اسے قبر سے اٹھائیگا فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے گا اور
ندا کی جائے گی عہد والے کہاں ہیں انھیں یہ عہدنامہ دیدیا جائے اور وہ
دعا یہ ہے اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشہادۃ
الرحمٰن الرحیم انی اعھد الیک فی ھذہ الحیاۃ الدنیا بانک
انت لا الہ الا انت وحدک لا شریک لک وان محمدا
عبدک ورسولک فلا تکلنی الی نفسی فانک ان تکلنی
الی نفسی تقربنی من السوء وتباعدنی من الخیر وانی لا اثق
الا برحمتک فاجعل رحمتک لی عھدا عندک تؤدیہ الی
یوم القیمۃ انک لا تخلف المیعاد پھر اسے روایت کرکے فرمایا
وعن طاوس انہ امر بھذہ الکلمات فکتب فی کفنہ
امام طاؤس نے ان کلمات کو کفن پر لکھنے کی وصیت فرمائی پس
وہ ان کے کفن پر لکھے گئے امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعا عہدنامہ
کی نسبت فرمایا اذا کتب ھذا الدعاء وجعل مع المیت
فی قبرہ وقاہ اللہ فتنۃ القبر وعذابہ اگر یہ دعا لکھکر میت کیساتھ
قبر میں رکھدی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے سوال قبر و عذاب قبر سے محفوظ
رکھے گا یہی امام فرماتے ہیں جو یہ دعا میت کے کفن میں لکھے اللہ تعالیٰ
اس سے عذاب قبر اٹھالے اور وہ دعا یہ ہے اللھم انی اسألک یا
عالم السر یا عظیم الخطر یا خالق البشر یا موقع الظفر یا معروف
الاثر یا ذا الطول والمن یا کاشف الضر والمحن یا الہ الاولین
والاخرین فرج عنی ھمومی واکشف عنی غمومی وصل اللھم
علی سیدنا محمد وسلم امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ میں ایک تسبیح کی
نسبت فرماتے ہیں کہ جس نے اسے لکھکر میت کے سینہ اور کفن کے
بیچ میں رکھا تو میت کو عذاب قبر نہ ہوگا اور منکر نکیر اس کے پاس

(۶) دعائے عہدنامہ کفن میں رکھنا باعث نجات عذاب قبر ہے

دعائے کفن میت پر لکھنا باعث نجات عذاب قبر

نہ آئیں گے اور وہ یہ ہے سبحٰن من ھو بالجلال موحد و بالتوحید معروف وبالمعارف موصوف وبالصفة علی لسان کل قائل رب وبالربوبیة للعالم قاھرا بالقھر للعالم جبار وبالجبروت علیم حلیم وبالحلم والعلم رءوف رحیم سبحٰنہ کما یقولون وسبحنہ کما ھم یقولون تسبیحا تخشع لہ السمٰوت والارض ومن علیھا ویحمد نی من حول عرشی اسمی اللہ وانا اسرع المحاسبین طبرانی وابو نعیم عبداللہ ابن محمد ابن عقیل سے راوی کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وقتِ وصال مولےٰ علی کرم اللہ وجہہ سے اپنے غسل کے واسطے پانی رکھوایا اور غسل فرمایا پھر کفن منگا کر پہنا اور خوشبو ملی پھر مولےٰ علی کرم اللہ وجہہ سے کہا بعد انتقال مجھے کوئی نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن کر دیں میں نے پوچھا کسی اور نے بھی ایسا کیا ہے فرمایا نعم کثیرا بن عباس وکتب فی اطراف اکفانہ یشھد کثیر ابن عباس ان لا الٰہ الا اللہ کثیر ابن عباس نے ایسا کیا ہے اور اپنے کفن کے کونوں پر لکھا تھا۔ کثیر ابن عباس شہادت دیتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ۔

حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد کے ذکر میں فرماتے ہیں چوں وقتِ رحلت قریب تر آمد فرمودند بعضے ابیات وکلمات کہ مناسب حسنی عفو ومغفرت باشند در کاغذے بنویسی و باکفن ہمراہ کنی یکے ایں رباعی سے دارم وسے کفن بیامرزد مپرس ٭ صد و افضم در کمین بیامرزد مپرس ایں شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم ٭ ای اکرم الاکرمین بیامرزد مپرس ٭ ودیگر

کتاب کی تحریر ... ... بعض کلمات ... ... لا الٰہ الا اللہ [illegible]

اس بیت سے قدمت علی الکریم بغیر زاد + من الحسنات والقلب السلیم +
فحمل الزاد اقبح کل شئی + اذا کان القدوم علی الکریم + وغیرہ موزوں کر کے در
جواب منکر نکیر بنویس ربی اللہ و نبیی محمد و شیخی الشیخ عبدالقادر الجیلانی
حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی
میں فرماتے ہیں شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان ست **بالجملہ**
ہر ذی فہم پران تصریحات سے ظاہر و روشن کہ کفن میں یا قبر میں
عہدنامہ شجرہ وغیرہ رکھنا مردے کے کفن یا عمامہ یا پیشانی یا سینہ
پر کلمہ و بسملہ وغیرہ کلمات متبرکہ یا ادعیۂ معظمہ لکھنا جائز ہے۔
رہا شجرہ اس کا جواز بھی اس سے ظاہر کہ وہ اسمائے محبوبانِ خدا و
اولیاء اللہ پر مشتمل ہوتا ہے اس سے تبرک چاہنا توسل ڈھونڈھنا
مستحسن و مندوب ہے اُسے قبر میں رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے
پس امام ترمذی کی روایت جس میں خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے کفن پر دعا لکھنے کی اجازت ہے اور حضرت کثیر ابن عباس
حضور کے چچا زاد بھائی اور صحابی کے فعل کتابت کلمہ علی الکفن کے
روبرو اور امام ابوالقاسم صفار اور امام نصیر ابن یحیی شاگرد امام
ابی یوسف و امام محمد و امام فقیہ ابن عجیل و امام طاؤس رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہم جیسے ائمہ و اجلہ علما کے اقوال کے سامنے اور صاحب غنیہ
و کفایہ و تاتارخانیہ و منتقی و در مختار و جنر کردری و بزازیہ وغیرہ
جیسے فقہائے مذہب کی تصریحات کے آگے تھانوی صاحب کا
قول کیسے صحیح و معتبر و قابل عمل ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ اُسکی
کوئی وجہ سوا گمان بے ادبی و تلوث نجاست کے نہ ہو اور اُسے
بھی علمائے کرام نے دفع فرمادیا کہ اصطبل فاروقی میں کچھ گھوڑوں کی
رانوں پہ جیس فی سبیل اللہ لکھا تھا زکوٰۃ کے جانوروں پر (للہ)

لکھا تھا تو جو احتمال نجاست و بے ادبی یہاں ہے) وہ وہاں
بھی تھا بلکہ وہ زمانہ صحابہ کرام اُس زمانہ سے بدرجہا
بہتر تھا۔ مگر کسی کو یہ شبہہ دامنگیر نہ ہوا کسی نے
اُس کی ممانعت نہ کی تو معلوم ہوا کہ احتمال امر غیر
موجود نیت صالحہ و غرض صحیح موجود فی الحال
سے مانع نہیں آتا لہذا بعض علما نے تائیداً فرمایا
کہ غرض صحیح کے لیے ایسا کرنا اگرچہ علم تلوث
نجاست ہو جائز ہے کما مر پھر بے احتمال
مذکورہ بھی جواز کی صورت تھی ممکن تھا
کہ یوں لکھا جاتا اور بتایا جاتا کہ کفن
میں مُردہ کے جسم سے ملا کر عہد نامہ
پیر کا شجرہ وغیرہ دعا نہ رکھو بلکہ اُس سے
الگ قبر میں طاقچہ وغیرہ بنا کر
رکھو کہ اس میں تلوث نجاست
اور بے ادبی کا شبہہ بھی نہیں
مگر یوں لکھتے تو کیسے اور
بتلاتے تو کیسے کہ مقصود
تو مطلقاً منع کرنا
تھا اور وہ

اس صورت میں بھی فوت تھا اُس پر بھی اگر کوئی احتیاط پسند مزید
احتیاط کے لیے اجتناب کرے تو کرے شرعاً اجازت ہی ہے ہذا تلخیص
ما فی فتاوی الرضویہ فمن شاء التفصیل فلیرجع الیہ

اصلاح مسائل بہشتی زیور

حصہ[1] سوم

مسئلہ اگر کوئی روزے کی نذر کرے تو نذر کر لینے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے اور قضا اور کفارہ کے روزے بھی فرض ہیں اور اسکے سوا اور سب روزے نفل ہیں رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں البتہ عید اور بقرعید کے دن اور بقرعید کے بعد تین دن روزہ رکھنا حرام ہے (صفحہ ۲ سطر ۲ روزہ کا بیان) **اصلاح** نذر اور کفارہ کے روزے میں کلام فقہا مضطرب ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ نذر کا روزہ واجب ہے نہ فرض کہ فرضیت کے لیے دلیل قطعی چاہیئے اور آیۃ ولیوفوا نذورھم بوجہ تخصص قطعی نہ رہی اسی لیے اسکے منکر کی تکفیر نہیں کیجاتی ہے اور نہ اسکی فرضیت پر اجماع بالتواتر منقول ہے اگر ہے تو بطریق شہرت اور احاد اور اس سے وجوب ثابت ہوگا نہ فرضیت نیز اگر صوم نذر فرض ہوتا تو صلاۃ منذورہ بھی فرض ہوتی اور مثل دیگر فوائت کے بعد نماز عصر قضا کیجاتی حالانکہ وہ بعد صلاۃ عصر ممنوع کما فی ردالمحتار اسیطرح کفارہ کا روزہ واجب ہے نہ رمضان کیطرح فرض اعتقادی کہ اسکے منکر کی تکفیر کی جائے اگر فرض ہوتا تو ضرور اس کے منکر کی تکفیر کیجاتی نیز فرضیت کے لیے دلیل قطعی چاہیئے یا اجماع اور صوم کفارہ کی فرضیت پر نہ کوئی دلیل قطعی ہے نہ اجماع بالتواتر پھر کیسے وہ فرض ہو سکتا ہے پس تھانوی صاحب کا نذر و کفارے کے روزے کو فرض لکھنا اور فرض و واجب میں فرق نہ کرنا خلاف تحقیق اور عوام کے قلوب میں غیر فرض کو فرض بنا کر ڈالنا ہے شرح وقایہ میں ہے وصوم النذر والکفارۃ واجب نذر و کفارے

نذر اور قضا و کفارہ کا روزہ فرض ہے یا واجب

[1] مطبوعہ ابوالعلائی پریس آگرہ)

کا روزہ واجب ہے کنز میں ہے وصح صوم رمضان وھو فرض والنذر
المعین وھو واجب رمضان کا روزہ فرض ہے اور نذر معین کا روزہ واجب
ہے ہدایہ و درر میں ہے والمنذور واجب لقولہ تعالیٰ ولیوفوا
نذورھم الخ صوم نذر واجب ہے واسطے قول اللہ تعالیٰ
کے اور چاہیے وہ اپنی نذریں پوری کریں ملتقی الابحر اور اس کی شرح
مجمع الانہر میں ہے وصوم المنذور والکفارۃ واجب لم تنعقد
الاجماع علی فرضیۃ واحد منہما بل علی وجوبہ ای ثبوتہ
عملا لا علما فلھذا لا یکفر جاحدہ کما فی الاصلاح یعنی
نذر و کفارہ کا روزہ واجب ہے ان میں سے کسی کی فرضیت پر اجماع
منعقد نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے وجوب پر یعنی ثبوت اس کا عملاً ہو
نہ علماً اسی وجہ سے اس کے منکر کی تکفیر نہیں کیجاتی ہے جیسا کہ اصلاح
میں ہے در المنتقی شرح ملتقی میں ہے وصوم المنذور والکفارۃ
واجب لدخول الخصوص فی دلیل الاول وعدم انعقاد
الاجماع علی فرضیۃ الثانی الخ وتمام الکلام فی الدر المختار
ورد المحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار صوم نذر و کفارہ
واجب ہے کہ اول کی دلیل میں خصوص داخل ہوا ہے اور فرضیت
ثانی پر اجماع نہیں ہے پھر رمضان و قضاء رمضان اور کفارہ و نذر کے
روزے کو فرض بتا کر یہ کہدینا کہ اس کے سوا اور سب روزہ نفل
ہیں کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ نفلی روزہ بعد شروع اور اسکی قضا بعد
افساد اور صوم اعتکاف بھی واجب ہے نہ نفل رد المحتار میں ہے ومن
الواجب صوم التطوع بعد الشروع فیہ وصوم قضائہ عند
الافساد وصوم الاعتکاف یعنی نفلی روزہ بعد شروع کے
اور اس کی قضا بعد توڑنے کے اور صوم اعتکاف واجب سے ہے

مسئلہ اگر رات کو روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا بلکہ صبح ہو گئی تب بھی یہی خیال رہا کہ میں آج کا روزہ نہ رکھونگی پھر دن چڑھے یہ خیال آگیا کہ فرض چھوڑ دینا بڑی بات ہے اس لیے اب روزہ کی نیت کر لی تب بھی روزہ ہو گیا (صفحہ ۲ سطر ۲۰ بیان روزہ رمضان) اصلاح پھر دن چڑھے خیال آنے کے بعد اب سے روزہ کی نیت کرنا صحیح نہیں اور نہ اس سے روزہ ادا ہو کہ دن میں روزے کی نیت کرنے والے کو صبح صادق سے روزہ کی نیت کرنا چاہیے یعنی پھر دن چڑھے یا زوال سے پہلے اگر روزہ کی نیت کرلے تو یوں نیت کرے کہ میں صبح صادق سے روزہ دار ہوں ردالمحتار میں سراج سے ہے واذا نوی الصوم من النہار ینوی انہ صائم من اولہ حتی لو نوی قبل الزوال انہ صائم من حین نوی لا من اولہ لا یصیر صائما اور اگر روزے کی نیت دن میں کرے تو یوں نیت کرے کہ وہ ابتدائے دن سے روزہ دار ہے

حتی کہ اگر قبل زوال یوں نیت کی کہ وہ اب سے روزہ دار ہے نہ ابتدا سے تو روزہ دار نہ ہوگا یعنی اس نیت سے اس کا روزہ نہ ہوگا جوہرہ نیرہ اور فتاوے عالمگیری میں ہے واذا نوی من النہار ینوی انہ صائم من اولہ حتی لو نوی انہ صائم من حین نوی لا من اول النہار لا یصیر صائما۔ ترجمہ مثل عبارت اول۔

مسئلہ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ میں جب کسی روزہ کی نیت کریگی تو رمضان ہی کا روزہ ہوگا کوئی اور روزہ صحیح نہ ہوگا۔ (صفحہ ۳ سطر ۱۴ بیان روزہ رمضان) اصلاح تھانوی صاحب کا بلا استثنائے مرض وسفر عام طور سے یہ کہہ دینا کہ رمضان میں کسی روزہ کی نیت کریگی تو رمضان ہی کا روزہ ہوگا کوئی اور روزہ نہ ہوگا صحیح نہیں کہ مسافر و مریض اگر رمضان میں بہ نیت نفل یا واجب آخر روزہ رکھیں گے

دن چڑھے روزہ کی نیت کرنا صحیح نہیں

رمضان میں کوئی دوسرا روزہ صحیح نہیں

تو وہی ہوگا رمضان میں اس کا شمار نہ ہوگا۔ اگرچہ بعض نے اسمیں اختلاف کیا ہے مگر اکثر کا یہی قول ہے اور بعض نے اسی کو ظاہر الروایہ کہا ہے اور صحیح بتایا ہے تنویر الابصار میں ہے فیصح صوم رمضان بنیۃ النفل وبخطاء فی وصف فی اداء رمضان الا من مریض ومسافر بل یقع عما نوی وعلیہ الاکثر قال فی الدر المختار تحتہ وھو الاصح سراج وقیل بانہ ظاھر الروایۃ فلذا اختارہ المصنف رمضان کا روزہ نفل کی نیت سے اور وصف میں خطا کرنے سے صحیح ہوتا ہے مگر مریض ومسافر بلکہ وہ جس کی نیت کریں گے وہی ہوگا اور اسپر اکثر ہیں اور یہی صحیح تر ہے اور اسے ظاہر الروایۃ کہا گیا ہے اسی وجہ سے مصنف نے اسے اختیار کیا ہے درر وغرر میں ہے وصح بنیۃ النفل و بخطاء الوصف فی اداء رمضان الا من مریض ومسافر بل عما نوی (ترجمہ مثل عبارت اول) پھر یہ اختلاف بھی مریض ومسافر کے نفلی روزہ رکھنے میں ہے یعنی اگر مریض ومسافر رمضان میں نفلی روزہ رکھیں گے تو بعض کے نزدیک نفلی نہ ہوگا رمضان میں شمار ہوگا۔ اور ایسے ہی واجب آخر مریض کا رمضان میں شمار ہوگا۔ نہ مسافر کا کہ مسافر کا روزہ بہ نیت واجب آخر کسی کے نزدیک رمضان میں شمار نہ ہوگا۔ جسکی نیت کرے گا اسی میں شمار ہوگا۔ اگرچہ صحیح مذہب میں مریض ومسافر دونوں کا روزہ بہ نیت واجب آخر رمضان میں شمار نہ ہوگا۔ وفیہ کلام طویل لخصہ فی رد المحتار وتمامہ فی البحر وعلیہ اکثر المتون والشروح قال فی الھدایۃ وعند ابی حنیفۃ اذا صام المریض والمسافر بنیۃ واجب آخر یقع عنہ قال فی العنایۃ تحتہ ناقلا عن الایضاح وکان بعض اصحابنا یفرق بین المریض والمسافر ولیس بصحیح والصحیح التسویۃ وھو قول الکرخی واختارہ المصنف وقال فی

الوقاية وشرحه ومختصرحه ويصح اداء رمضان بنية واجب اخر الا فی مرض وسفر بل عما نوی ای اداء رمضان یصح بنیة واجب اخر الا فی المرض او السفر فانه یقع من ذلك الواجب ہدایہ میں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اگر مریض یا مسافر نے رمضان میں کسی اور واجب کی نیت سے روزہ رکھا تو اسی واجب کا ہوگا۔ عنایہ میں اس کے تحت الیضاح سے نقل کیا کہ ہمارے بعض اصحاب مریض و مسافر میں فرق کرتے ہیں اُن کا فرق کرنا صحیح نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ مریض اور مسافر اس میں برابر ہیں یہی قول امام کرخی کا ہے اور مصنف نے اختیار کیا ہے۔ شرح وقایہ اور مختصر وقایہ میں ہے کہ رمضان کو دوسرے واجب کی نیت سے ادا کرنا صحیح ہے مگر مرض و سفر میں جس کی نیت ہوگی وہی ہوگا۔ ملتقی الابحر میں ہے ولو نوی المریض والمسافر فیه واجب اخر وقع عما نوی وفی شرحه وهو الصحیح وقال الشرنبلالی فی حاشیته علی الدرر ناقلا عن الایضاح والمبسوط شیخ الاسلام وفتاوے والوالجی وقاضی خان اذا صام المریض والمسافر بنیة واجب اخر یقع منه عند ابی حنیفة رحمه یعنی اگر مریض و مسافر نے رمضان میں دوسرے واجب کی نیت کی تو اسے واجب سے ہوگا یہی صحیح ہے اور شرنبلالی حاشیہ درر میں ایضاح اور مبسوط شیخ الاسلام اور فتاوی والوالجی اور فتاوی قاضی خاں سے منقول ہے کہ اگر مریض و مسافر نے دوسرے واجب کی نیت سے رمضان میں روزہ رکھا تو اسی واجب سے ہوگا بالجملہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر رمضان میں صحیح مقیم آدمی مرد ہو یا عورت بہ نیت نفل یا واجب آخر روزہ رکھے گا تو نہ ہوگا رمضان ہی میں اس کا شمار ہوگا اور اگر مریض یا مسافر رمضان میں نفلی

روزہ رکھے گا تو بعض کے نزدیک نہ ہوگا رمضان کا ہوگا اور اکثر کے نزدیک نفلی ہی ہوگا رمضان میں اس کا شمار نہ ہوگا۔ اور اگر مریض یا مسافر رمضان میں بہ نیت واجب آخر روزہ رکھے گا تو صحیح مذہب میں اس واجب ہی کا ہوگا۔ رمضان میں اس کا شمار نہ ہوگا پس تھانوی صاحب کو باستثنائے مریض و مسافر مسئلہ تحریر کرنا چاہیئے تھا۔

مسئلہ حیض کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے جو روزے جاتے رہے ہوں رمضان کے بعد جہاں تک جلدی ہوسکے اُن کی قضا رکھ لے دیر نہ کرے بیوجہ قضا رکھنے میں دیر لگانا گناہ (صفحہ ۵ سطر ۱۵ بیان قضا روزہ کا) **اصلاح** رمضان کا چھوٹا ہوا روزہ فوراً بعد قدرت رکھنا مستحب ہے اور تاخیر کرنا دیر کرکے رکھنا مثلاً اُسی سال نہ رکھنا۔ دوسری یا تیسری یا چوتھی سال رکھنا بھی مباح ہے تاخیر میں کوئی گناہ نہیں ہے بخلاف نماز کے کہ وہ اگر ترک ہوجائے تو فوراً قضا کرنا چاہیئے بے عذر اس میں تاخیر جائز نہیں لان وجوبه على التراخي ووجوبها على الفور كما في عامة الكتب۔ قال الشرنبلالي في حاشيته على الدرر ولا يجب القضاء على الفور بل يستحب ان لا يؤخر بعد القدرة على القضاء ولا اثم بالتاخير وبتضيق الوجوب في آخر عمره وهذا بخلاف قضاء الصلوٰة فانه على الفور ولا يباح التاخير الا لعذر ذكره في البحر عن الوالوالجي شرنبلاليہ حاشیۂ درر میں ہے کہ روزہ کی قضا فوراً واجب نہیں ہے بلکہ مستحب یہی کہ قضا پر قادر ہونے کے بعد دیر نہ کرے اور دیر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور وجوب آخر عمر تک تنگ ہوگا اور روزہ کی قضا کا حکم نماز کی قضا کے خلاف ہے کہ نماز کی قضا فوراً واجب ہے اس میں بلا عذر دیر کرنا جائز نہیں ہے۔ بحر میں ولوالجی سے اسے ذکر کیا ہو۔ در مختار میں ہو وقضوا

روزہ کی قضا میں تاخیر کرے گنہگار نہ ہوگا

لزوما ماقدر واہلا ولاء لانہ علے التراخی ولذا جاز التطوع قبلہ
بخلاف قضاء الصلاۃ فانہ علے الفور رد المحتار یعنی روزوں
کی قضا لازم ہے جب اسپر قادر ہوں بلا پے درپے رکھنے کے کہ انکی
قضا میں مہلت ہے اس لیے اس سے پہلے نفل روزہ رکھنا جائز ہے
بخلاف نماز کے کہ اسکی قضا فوراً واجب ہے۔ ملتقے الابحر میں ہے وقضاء
رمضان ان شاء فرقہ وان شاء تابعہ فان اخرہ حتے
جاء رمضان اخر قدم الاداء علے القضاء ثم قضی لانہ
وجوبہ علی التراخی ولذا جاز التطوع قبلہ کذا فی درر المنتقے
ومجمع الانھر یعنی رمضان کے روزے چاہے متفرق قضا کرے چاہے
پے درپے رکھے پس اگر ان کی قضا میں دیر کی یہانتک کہ دوسرا رمضان
آگیا تو اداکو قضا پر مقدم کرے پھر قضا کرے کہ وجوب قضا مہلت پر ہے
اسی لیے اس سے پہلے نفل روزہ رکھنا جائز ہے۔ درالمنتقے اور مجمع الانھر
میں بھی ایسا ہی ہے پس تھانوی صاحب کا روزے کو مثل نماز ٹھہرا کر
یہ حکم دینا کہ "جہانتک ہوسکے جلد قضا رکھے دیر لگانا گناہ ہے" محض غلط ہے
مسئلہ بے شوہر کی اجازت کے نفل روزہ رکھنا درست نہیں۔
(صفحہ ۸ سطر ۳ نفل روزہ کا بیان) **اصلاح** عورت کو بے اجازت شوہر
کے نفل روزہ رکھنا اسوقت منع ہے جبکہ مرد کو اس کے روزہ رکھنے سے
ضرر و تکلیف ہوتی ہو اور اگر مرد کا عورت کے روزہ رکھنے سے کوئی
حرج نہ ہو ضرر و تکلیف نہ ہو مثلاً مرد مریض ہو یا روزہ دار یا مسافر ہو یا
حج وعمرہ کا احرام باندھے ہو تو عورت کو بے اجازت اسکی روزہ رکھنا جائز
ہے اگرچہ مرد مانع ہو بلکہ مرد کو ایسی حالت میں منع کرنا اور روزہ رکھنے سے
اسے روکنا جائز نہیں فتاوے عالمگیری و جوہرہ نیرہ میں ہے ویکرہ
ان تصوم المرأۃ تطوعا بغیر اذن زوجہا الا ان یکون مریضا

بے اجازت خاوند نفلی روزہ درست نہیں

اوصائما او محرما بحج او عمرة واما اذا كان الزوج مريضا او صائما
او محرما لم يكن له منع الزوجة من ذلك ولها ان تصوم وان نهاها
لانه انما يمنعها لاستيفاء حقه من الوطی ولا حق له فی هذه الا
حوال عورت کو بے اجازت اپنے میاں کی نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے مگر
یہ کہ ہو شوہر اُس کا مریض یا روزہ دار یا حج یا عمرہ کا احرام باندھے
تو اُسے ان حالتوں میں بے اجازت شوہر بھی روزہ رکھنا جائز ہے اور
شوہر کو اُسے منع کرنے کا حق نہیں ہے کہ شوہر کو اپنے حق وطی کی وجہ سے
اُسے منع کرنے کا حق تھا اور ان حالتوں میں اُس کا کوئی حق نہیں ہے درمختار
میں ہے ولا تصوم المرأة نفلا الا باذن الزوج الا عند عدم الضرر
به قال فی رد المحتار تحته ای یکره لها ذلك وقال تحت قوله
الا عند عدم الضرر به بان كان مريضا او مسافرا
او صائما او محرما بحج وعمرة فليس له منعها من صوم التطوع
ولها ان تصوم وان نهاها لانه انما يمنعها لاستيفاء حقه
من الوطء واما فی هذه الحالة فصومها لا يضره فلا معنى
للمنع سراج یعنی عورت نفل روزہ نہ رکھے مگر باجازت خاوند کے لیکن جبکہ
خاوند کو عورت کی ضرورت نہ ہو بایں طور کہ وہ بیمار یا مسافر یا روزہ دار یا
حج و عمرہ کا احرام باندھے ہو تو شوہر کو اُسے نفلی روزہ سے روکنے کا حق
نہیں ہے اور عورت کو اُس وقت روزہ رکھنا جائز ہے اگرچہ شوہر اُسے
منع کرے کہ شوہر اپنے حق وطی کی وجہ سے منع کرتا تھا اور اس حالت
میں اُسکا روزہ اُسے ضرر نہ دیگا پس منع کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔
مسئلہ کسی کے گھر مہمان گئی یا کسی نے دعوت کر دی اور کھانا نہ کھانے
سے اُس کا جی بُرا ہوگا دل شکنی ہوگی تو اس کی خاطر سے نفل روزہ توڑنا
درست ہے اور مہمان کی خاطر گھر والی کو بھی توڑنا درست ہے (صفحہ ۸ سطر ۴)

مہمان یا میزبان کی خاطر نفلی روزہ توڑنے کا حکم

بیان نفلی روزہ کا) **اصلاح** مہمان کو میزبان کی خاطر اور میزبان کو مہمان کی
دلداری کے لیے نفلی روزہ توڑنا جب درست ہے کہ روزہ توڑنیوالا اپنے
نفس پر اُسے قضا کرنے اُس کے بدلے روزہ رکھنے کا وثوق واعتماد
رکھتا ہو اور قبل زوال روزہ توڑنے کا اتفاق ہوا اور ماں باپ کی خاطر عصر
تک نہ بعد اس کے اور جو اُس کے بدلے روزہ رکھنے کا اعتماد نہ ہو یا بعد
زوال روزہ توڑنے کا اتفاق ہو تو روزہ توڑنا جائز نہیں ۔ دُرِّ مختار میں ہے وفی النھر
عن الذخیرۃ وغیرھا ھذا کلہ اذا کان قبل الزوال واما بعدہ
فلا الا لاحد ابویہ الی العصر لا بعدہ یعنی نہر الفائق میں ذخیرہ وغیرہ
سے ہے کہ روزہ افطار کرنا جائز جب ہے کہ قبل زوال ہو اور بعد زوال ہو تو جائز
نہیں مگر اپنے ماں باپ کے لیے عصر تک جائز ہے نہ بعد عصر ۔ رد المحتار میں ہے
وقیل ھی ای الضیافۃ عذر قبل الزوال لا بعدہ وقیل عذر ان
وثق من نفسہ بالقضاء دفعا للاذی عن اخیہ المسلم والا فلا
قال شمس الائمۃ الحلوائی وھو احسن ما قیل فی ھذا الباب بحر
قلت یتعین تقیید القول الصحیح بھذا الاخیر اذ لا شک انہ
اذا لم یثق من نفسہ بالقضاء یکون منع نفسہ عن الوقوع
فی الاثم اولی من مراعاۃ جانب صاحبہ یعنی کہا گیا ہے کہ ضیافت
عذر ہے قبل زوال نہ بعد زوال اور کہا گیا ہے وہ عذر ہے اگر اپنے نفس پر قضا کرنے کا
بھروسہ ہو اپنے مسلمان بھائی کی ایذا دفع کرنے کے لیے ورنہ عذر نہیں شمس الائمہ
حلوائی نے فرمایا ہے کہ یہ قید زیادہ اچھی اس سے ہے جو اس باب میں کہا گیا ہے
میں کہتا ہوں کہ اس قید آخر کے ساتھ قول صحیح کو مقید کرنا معین ہے کہ اُسمیں شک
نہیں کہ جو شخص قضا کرنے کا اپنے نفس پر بھروسہ نہ رکھے اُسے اپنے نفس
کو گناہ میں واقع ہونے سے بچانا اولے ہے اپنے صاحب کی رعایۃ کرنے سے
جوہرہ نیرہ میں ہے والضیافۃ عذر قبل الزوال وکذا بعدہ فی حق

الوالدین الی العصر وما لغیر الوالدین فلیست الضیافة بعد
الزوال عذرا قال الحلوانی احسن ما قیل فی ھذا انہ ان کان
یثق من نفسہ بالقضاء یفطر والا فلا وھذا کلہ اذا کان قبل
الزوال اما بعدہ فلا یفطر الا اذا کان فی ترک الافطار
عقوق الوالدین او احدھما (ملتقطا) وھکذا فی العلمگیریة
عن المحیط یعنی ضیافت قبل زوال عذر ہے اور بعد زوال عصر تک ماں باپ
کے حق کے لیے عذر ہے غیر کے لیے بعد زوال عذر نہیں امام حلوانی نے فرمایا
ہے کہ زیادہ اچھا ہے وہ جو اس میں کہا گیا ہے کہ اگر اپنے نفس پر قضا
کرنے کا بھروسہ ہو تو افطار کرے ورنہ نہ افطار کرے اور یہ سب قبل زوال
ہے اور بعد زوال افطار نہ کرے مگر جبکہ ترک افطار میں والدین کی
یا ایک کی نافرمانی ہوتی ہو اسی طرح فتاویٰ علمگیری میں محیط سے ہے

مسئلہ پان کھا کر خوب کلی غرغرہ کر لیا لیکن تھوک کی سرخی نہیں گئی
تو اس کا کچھ حرج نہیں روزہ ہو گیا (صفحہ ۹ سطر ۹ بیان روزہ توڑنے والی
چیزوں کا) **اصلاح** پان کھا کر کلی غرغرہ کرنے کے بعد اگر قدر خفیف
سرخی باقی رہے کہ جس میں پان کا مزہ نہ ہو تو وہ معاف ہے روزہ ہو جائیگا
اور جو اسقدر باقی رہے کہ پان کا مزہ اسمیں موجود اور حلق میں محسوس
ہو جیسا کہ بکثرت پان کھانے والوں کے مونھ میں خوب کلی غرغرہ کرنے
کے بعد بھی دیر تک بہت سی سرخی یا مزہ باقی رہتی ان کے جرم زبان
اور دانتوں کی جڑوں اور مسوڑھوں سے نکلتی ہے اور جب تھوکتے ہیں
تو تھوک بالکل سرخ ہوتا ہے - اس صورت میں روزہ نہ ہوگا - اور اسے
نگلنے سے روزہ ٹوٹ جائیگا کہ ہر شے قلیل میں شرعاً مزے کا اعتبار ہے
اگر نگلتے وقت حلق میں اس کا مزہ محسوس نہ ہو تو روزہ ہوگا اور جو
مزہ معلوم ہو تو روزہ نہ ہوگا - قال فی الدر المختار فی مسئلة الدم

روزے میں پان کی سرخی موتھ میں باقی رہنے کا حکم

اذا وجد طعمه بزازیة واستحسنه المصنف وهو ما علیه الاکثر (وفیه فی مسئلة السمسمة) الا ان یجد الطعم فی حلقه کما مر واستحسنه الکمال قائلا وهو الاصل فی کل قلیل (وفی المجمع والدر المنتقی وغیره الا ان یجد الطعم فی حلقه کما فی الکافی وغیره قال فی الفتح هذا احسن جدا - یعنی درمختار مجمع الانہر دور المنتقی میں ہے کہ دانتوں میں خون نکلا ہوا یا تل چبایا ہوا حلق میں گیا تو اس کا مزہ حلق میں معلوم ہونے سے روزہ جائیگا ورنہ نہیں جیسا کہ کافی وغیرہ میں ہے اور مصنف کے نزدیک وہ اچھا ہے اور اکثر اسی پر ہیں اور امام کمال الدین نے اسے مستحسن جانکر کہا کہ یہ ہر قلیل شے میں اصل و قاعدہ ہے

مسئلہ اگر کان میں پانی ڈالا تو روزہ نہیں گیا (صفحہ ا سطر آخر بیان روزہ توڑنے والی چیزوں کا) **اصلاح** اگرچہ اس مسئلہ میں اختلاف تصحیح ہی مگر ظاہر یہی ہے کہ کان میں پانی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائیگا جس طرح تیل ڈالنے سے ٹوٹ جاتا ہی اور خود کان میں پانی داخل ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹیگا - رد المحتار میں خانیہ سے ہے ان دخل لا یفسد وان ادخله یفسد فی الصحیح لانه وصل الی الجوف بفعله ولا یعتبر صلاح البدن ومثله فی البزازیة واستظهره فی الفتح والبرهان شرنبلالیه ملخصا یعنی اگر کان میں پانی خود چلا گیا تو روزہ نہ ٹوٹے گا اور داخل کیا تو صحیح یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائیگا کہ وہ اس کے فعل سے پیٹ میں پہنچ گیا اور اصلاح بدن کا اعتبار نہ کیا جائے گا - اسی کی مثل بزازیہ میں ہے اور فتح القدیر اور برہان میں اسے ظاہر کہا ہے۔

[margin note] مسئلہ کان میں پانی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

مسئلہ ایک ہی فقیر کو اتنا مال دینا جتنے مال کے ہونے سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مکروہ ہے (صفحہ ۲۵ سطر ۳ بیان زکوٰۃ ادا کرنے کا) **اصلاح** مال زکوٰۃ بقدر نصاب یا اس سے زائد ایسے فقیر کو دینا مکروہ ہے جو قرضدار

[margin note] مسئلہ ایک فقیر کو بقدر نصاب زکوٰۃ دینا مکروہ ہے

یا عیالدار نہ ہو اور اگر وہ قرضدار یا عیالدار ہو کر مالِ زکوٰۃ قرض میں دینے یا عیال
پر پھیلانے کے بعد بقدر نصاب اس کے پاس نہ بچے تو ایسے فقیر کو دینا مکروہ
نہیں جائز ہے مجمع الانہر و در المنتقی شرح ملتقی و درر اور اس کے حاشیہ
شرنبلالی اور درمختار میں فتح القدیر سے منقول ہے والعبارۃ للدر
المختار وکرہ اعطاء فقیر نصابا او اکثر الا اذا کان المدفوع
الیہ مدیونا او صاحب عیال بحیث لو فرقہ علیہم لا یخص کلا
او لا یفضل بعد دینہ نصاب فلا یکرہ یعنی ایک فقیر کو بقدر نصاب یا
اس سے زیادہ مال زکوٰۃ دینا مکروہ ہے مگر جبکہ وہ قرضدار یا عیالدار ہو کہ اگر
وہ اس مال کو اُن پر بانٹے یا قرضخواہ کو دے تو اس کے پاس بقدر نصاب
نہ بچے گا تو اُسے دینا مکروہ نہیں ہے۔

مسئلہ اگر کسی عورت کا مہر ہزار روپے ہے اور اس کا شوہر امیر ہے اور
یہ امید ہے کہ جب مانگوں گی تو وہ ادا کر دیگا کچھ تامل نہ کرے گا تو ایسی عورت
کو زکوٰۃ کا پیسہ درست نہیں ملخصا (صفحہ ۹۴ سطر ۸ بیان مصرف زکوٰۃ) **اصلاح**
مہر دو قسم کا ہوتا ہے ایک معجل جسے جلد ادا کرنے کا وعدہ ہوتا ہے۔ وقت
طلب ادا کیا جاتا ہے۔ دوسرے موجل جس کو جلد ادا کرنے کا وعدہ
نہیں ہوتا تاخیر اور دیر سے ادا ہوتا ہے حتی کہ آجکل تو اُس کے ادا
کرنے کا قصد ہی نہیں ہوتا۔ بعد مرنے شوہر کے اُس کے مال جائداد
سے بوقت وصول ہوتا ہے وہ بھی اگر مال و جائداد ہو اور نالش کیجائے
تو وصول ہوتا ہے ورنہ وصول ہی نہیں ہوتا پس اگر مہر معجل اور شوہر
امیر ہو اور عند الطلب ملنے کی امید ہو تو اُس عورت کو زکوٰۃ لینا
صحیح نہیں ہے اور اگر مہر معجل اور شوہر غریب ہو مہر ادا نہ کر سکتا ہو یا
شوہر امیر ہو مگر اُس سے ملنے کی امید نہ ہو تو اُسے زکوٰۃ لینا صحیح ہے
اور اگر مہر موجل ہو تو خواہ شوہر امیر ہو یا غریب ملنے کی امید ہو یا نہ ہو

نصاب سے زیادہ مہر والی عورت کو زکوٰۃ لینے دینے کا حکم

ہر صورت میں اُسے زکوٰۃ دینا صحیح ہے کہ دَین موجل مانع اخذ زکوٰۃ نہیں بلکہ
سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو مطلقاً زکوٰۃ دینا جائز ہے خواہ
مہر معجل ہو یا غیر معجل شوہر امیر ہو یا غریب رَدّ المحتار میں فتح سے ہے
دفع الی فقیرۃ لہا مہر دین علی زوجہا یبلغ نصابا وھو موسر
بحیث لو طلبت اعطاہا لا یجوز وان کان لا یعطی لو طلبت جاز
قال فی البحر المراد من المہر ما تعورف تعجیلہ والا فہو دین موجل
لا یمنع لکن فی البزازیۃ ان موسرا والمعجل قدر النصاب
لا یجوز عندھما وبہ یفتی احتیاطا وعند الامام یجوز مطلقا اھ
یعنی اس غریب عورت کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے جس کا مہر بقدر نصاب
اُس کے شوہر پر قرض ہو اور شوہر مالدار ہو کہ وقتِ طلب ادا کرے اور
جو مانگنے پر ادا نہ کرے تو جائز ہے اور مراد اس مہر سے مہر معجل ہے ورنہ وہ
دَین موجل ہے اخذ زکوٰۃ کو منع نہ کرے گا لیکن بزازیہ میں ہے کہ اگر شوہر تونگر اور
مہر معجل بقدر نصاب ہو تو صاحبین کے نزدیک جائز اور اسی پر احتیاطاً
فتویٰ ہے اور امام صاحب کے نزدیک مطلقاً زکوٰۃ لینا جائز خواہ مہر معجل
ہو یا موجل شوہر امیر ہو یا فقیر اسی کی کتاب الاضحیہ میں ہے والمراۃ موسرۃ
بالمعجل لو الزوج ملیا وبالموجل لا عورت مہر معجل سے امیر ہوگی اگر
شوہر مالدار ہو اور مہر موجل سے امیر شمار نہ ہوگی۔ جوہرہ نیرہ میں ہے وان
کان موجلا حل لہ الاخذ الی ان یحل الدین یعنی اگر قرض موجل ہو
تو اُسے زکوٰۃ لینا جائز ہے یہاں تک کہ قرض ملے پس تھانوی صاحب کا مہر
معجل وغیر معجل میں فرق نہ کرنا دونوں کو ایک ہی حکم میں داخل کرنا صحیح نہیں
مسئلہ جو جانور اندھا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ
جاتی رہی ہو یا ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا یا تہائی دُم
یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی تو اُس جانور کی قربانی درست نہیں (صفحہ ۵۳

سطرہ بیان قربانی) اصلاح تھانوی صاحب کا تہائی دُم یا کان کٹے یا تہائی آنکھ کے اندھے جانور کی قربانی درست نہ بتانا نہ ظاہر الروایۃ کے موافق ہے نہ قول مرجوع الیہ کے بلکہ دونوں کے خلاف ہے کہ عامہ متون وشروح میں جواز وعدم جواز دائر بین القلیل والکثیر ہے یعنی اگر کم کٹا ہو تو جائز اور زیادہ کٹا ہو تو ناجائز اور اُس کی تفصیل میں سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے چار روایتیں منقول اوّل یہ کہ ثلث سے زیادہ کٹا ہو تو قربانی ناجائز اور ثلث تک جائز دوسری یہ کہ ثلث کٹا ہو تو ناجائز اور ثلث سے کم کٹا ہو تو جائز تیسری یہ کہ ربع کٹا ہو تو ناجائز اور ربع سے کم کٹا ہو تو جائز چوتھی یہ کہ کٹا ہوا باقیماندہ سے کم ہو یا برابر تو جائز اور زیادہ ہو تو ناجائز۔ روایت اول کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصل اور جامع الصغیر میں امام صاحب سے نقل فرمایا اور ائمہ کرام نے اسے ظاہر الروایۃ بتایا اور امام فقیہ النفس قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح اور مفتی بہ کہا لہذا بعض متون وشروح میں اسے اختیار کیا گیا اور چوتھی کو جو قول امام محمد وامام ابی یوسف کا بھی ہے بعض ائمہ کرام نے مرجوع الیہ ومفتی بہ کہا لہذا عامہ متون وشروح میں وہی اختیار کی گئی در مختار میں ہے لا بالعمیاء ومقطوع اکثر الاذن او الذنب او العین التی ذھب اکثر نورعینھا وعلیہ الفتوی یعنی اندھے اور زیادہ کان یا دُم کٹے یا آنکھ کی زیادہ روشنی گئے ہوئے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ رد المحتار میں بدائع سے ہے لو ذھب بعض الاذن او الالیۃ والذنب والعین ذکر فی جامع الصغیر ان کان کثیرا یمنع وان یسیرا لا یمنع واختلف اصحابنا فی الفاصل بین القلیل والکثیر فعن ابی حنیفۃ رح اربع روایات روی محمد فی الاصل والجامع الصغیر ان المانع ذھاب اکثر من الثلث وعنہ انہ الثلث وعنہ انہ الربع وعنہ ان یکون الذاھب اقل من الباقی او مثلہ اھ والاولی ھی ظاھر الروایۃ

وصححها في الخانية حيث قال والصحيح انه الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى اه ومشى عليها في مختصر الوقاية والاصلاح والرابعة هي قولهما وفي غاية البيان ووجه الرواية الرابعة وهي قولهما واليه رجع الامام ان الكثير من كل شي اكثره وبه ظهر ان ما في المتن كالهداية والكنز والملتقى هو الرابعة وعليها الفتوى وكانهم اختاروها لان المتبادر من قول الامام هو الرجوع عما هو ظاهر الرواية عنه الى قولهما ملخصاً یعنی اگر جانور کا بعض کان یا چکتی یا دُم یا آنکھ چلی گئی تو جامع الصغیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر زیادہ ہو تو اُس کی قربانی منع ہوگی اور جو تھوڑا سا ہو تو منع نہ ہوگی اور ہمارے اصحاب نے قلیل وکثیر کی تفصیل میں اختلاف کیا ہے پس امام صاحب سے اس میں چار روایتیں ہیں محمدؒ نے اصل میں اور جامع صغیر میں روایت کی ہے کہ مانع قربانی تہائی سے زائد کا جاتا ہے اور انھیں سے ایک تہائی اور ایک چہارم کی روایت ہے اور انھیں سے ہے کہ گیا ہوا باقی سے کم یا اس کی مثل ہو اول ظاہر الروایۃ ہے اور خانیہ میں اس کی تصحیح کی ہے اور کہا ہے کہ تہائی اور تہائی سے کم قلیل ہے اور تہائی سے زائد کثیر ہے اور اسپر فتویٰ ہے اور اصلاح و مختصر وقایہ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور چوتھی روایت ہی قول صاحبین ہے۔ غایۃ البیان میں ہے کہ وجہ چوتھی روایت کی اور وہ قول صاحبین ہی اور اسکی طرف امام صاحب نے رجوع کیا ہے یہ ہے کہ کثیر ہر شے کا اکثر اس کا ہوتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ جو متن میں ہے مثل ہدایہ اور کنز اور ملتقی کے وہ چوتھی روایت ہے اور اسپر فتویٰ ہے اور انھوں نے اس لیے اختیار کیا ہے کہ متبادر قول امام سے ظاہر الروایۃ سے قول صاحبین کی طرف رجوع ہے۔ درر وغیرہ میں ہے کہ لا مقطوع

یدھا او رجلھا وما ذھب الاکثر من ثلث اذنھا او ذنبھا او عینھا او الیتھا وقیل الربع وعندھما ان بقی اکثر من النصف اجزاہ قال الشرنبلالی تحت قولہ وما ذھب الاکثر من الثلث ، وایتہ الجامع الصغیر والاصل وھو ظاھر الروایۃ وقال قاضیخان الصحیح ان الثلث وما دونہ قلیل وما زاد علیہ کثیر وعلیہ الفتوی یعنی ہاتھ پاؤں کٹا ہوا اور تہائی سے زیادہ کان دم آنکھ چکتی کٹے ہوئے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے اور کہا گیا ہے چہارم کٹے ہوئے کی اور صاحبین کے نزدیک نصف سے زیادہ باقی ہو تو کافی ہے علامہ شرنبلالی نے کہا کہ یہ روایت جامع الصغیر اور اصل کی ہے اور امام فقیہ النفس قاضیخاں نے فرمایا ہے کہ تہائی اور تہائی سے کم قلیل ہے اور تہائی سے زائد کثیر ہے اور اسی پر فتوے ہے ۔ پس تھانوی صاحب کا قول صحیح مفتے بہ ظاہر الروایۃ کو و نیز قول صحیح مرجوع الیہ کو چھوڑ کر دوسری روایت پر عمل کرنا اس کے موافق حکم دینا مسئلہ تحریر کرنا شان علم سے نہایت بعید ہے۔

مسئلہ یہ جو دستور ہے کہ جس وقت لڑکے کے سر پر استرہ رکھا جائے اور نائی مونڈنا شروع کرے فوراً اسی وقت بکری ذبح ہو یہ محض مہمل رسم ہے شریعت سے سب جائز ہے چاہے سر مونڈنے کے بعد ذبح کرے یا ذبح کر کے سر مونڈے بے وجہ ایسی باتیں تراش لینا برا ہے (صفحہ ۲۷ سطر ۶ بیان عقیقہ) اصلاح بے دیکھے بھالے بے تحقیق کیے کسی امر کو مہمل کہہ دینا کسی بات کو برا بتا دینا خود برا اور مہمل بننا ہے بلکہ شرع مطہر پر افترا ہے کہ شرعاً حلق کے قریب سر مونڈتے وقت بکری ذبح کرنے کا حکم ہے دیکھو ردالمحتار میں غرر الافکار سے منقول ہے ثم یعق عند الحلق عقیقۃ یعنی قریب سر مونڈنے کے جانور ذبح کر لے مگر شاید تھانوی صاحب کے نزدیک عند کے معنی قبل یا بعد کے ہیں قریب و نزدیک کے نہیں۔

جب تو سر مونڈتے وقت بکری ذبح کرنے کو مہمل بتایا اور قبل یا بعد کا حکم لگایا۔

مسئلہ منت مانی کر دس کلام مجید ختم کرونگی یا ایک پارہ پڑھوں گی تو منت ہوگئی (صفحہ ۳۴ سطرہ منت کا بیان) **اصلاح** اگر کوئی قرآن عظیم پڑھنے کی نذر منت مانے تو اُس پر اُس نذر کا پورا کرنا قرآن عظیم پڑھنا واجب نہیں قال فی رد المحتار تحت قول الشارح ولو نذر التسبیحات دبر الصلاۃ لم یلزمہ وکذا لو نذر قرأۃ القرآن وعلل القہستانی فی باب الاعتکاف بانہا للصلاۃ وفی الخانیۃ ولو قال علی ان اقرأ القرآن ان فعلت کذا لا یلزمہ شئ اھ یعنی اگر نماز کے بعد تسبیح پڑھنے کی نذر مانی تو لازم نہیں ہے اور ایسے ہی اگر قرآن پڑھنے کی نذر کی تو لازم نہیں علامہ قہستانی نے اسکی علت نماز کے لیے ہونا ٹھرایا ہے اور خانیہ میں ہے اگر کسی نے نذر کی کہ مجھپر قرآن پڑھنا واجب ہے اگر ایسا کروں تو لازم نہیں۔ مجمع الانہر میں ہے وانما قید النذر بہ لانہ لم یلزم النذر ما لیس من جنسہ فرض کقرأۃ القرآن وصلوۃ الجنازۃ لانہ لیس لہا اصل فی الفروض المقصودۃ کما فی کثیر من الکتب یعنی نذر میں جنس فرض سے ہونے کی اس لیے قید لگائی ہے کہ اگر اس شے کی نذر مانی جو جنس فرض سے نہیں ہے تو لازم نہیں ہے جیسے قرأۃ قرآن اور نماز جنازہ کہ فرض مقصودہ میں اُن کی اصل نہیں ہے جیسا کہ بہت سی کتابوں میں ہے۔

مسئلہ یہ منت مانی کہ فلانا کام ہوجائے تو مولود پڑھواؤنگی یا فلان مزار پر چادر چڑھاؤنگی یا شاہ عبدالحق صاحب کا توشہ یا سہ منی یا سید احمد کبیر کی گائے مانی یا مسجد میں گلگلے چڑھانے طاق بھرنے کی نذر مانی تو یہ منت صحیح نہیں ہوئی نہ اُس کا پورا کرنا واجب ہے ملخصا (صفحہ ۳۴ سطر ۶

منّت کا بیان) **اصلاح** مولود پڑھوانے کسی ولی اللہ کے مزار پر چادر چڑھانے مسجد کا طاق بھرنے توشہ کرنے سہ منی پکانے سید احمد کبیر کی گائے کرنے کی نذر منت اگرچہ نذر شرعی نہیں مگر نذر عرفی تو ہے لہٰذا اسے ضرور پورا کرنا اور وعدہ سے سبکدوش ہونا چاہیئے ہم اس کا جائز و روا ہونا اقوال علمائے کرام بلکہ خود امام الطائفہ کے کلام سے ثابت کر آئے۔

مسئلہ مشکل کشا کا روزہ ماننا شرک ہے (صفحہ ۴۳ سطر ۱۰ بیان منّت) **اصلاح** حصۂ اول میں اسپر بھی کلام کیا گیا کہ وہاں تھانوی صاحب نے گمنام سمجھا تھا کہ کسی کے نام کا روزہ رکھنا شرک ہے۔"

مسئلہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی منّت ماننا مثلاً یوں کہنا کہ اے بڑے پیر اگر میرا کام ہو جائے تو میں تمھاری یہ بات کرونگی۔ حرام و شرک ہے بلکہ اس منّت کی چیز کا کھانا بھی حرام ہے (صفحہ ۴۳ سطر ۱۵ بیان منّت) **اصلاح** اس پر بھی حصۂ اول میں کلام کیا گیا کہ وہاں تھانوی صاحب نے یوں لکھا تھا کسی کے نام کی منت ماننا شرک ہے ہاں یہ لفظ وہاں نہ تھا کہ اُس منت کی چیز کھانا بھی حرام ہے مگر ضمن کلام مین اُسکی تصریح بھی آگئی کہ نیاز نذر کی چیز حلال ہے اُس کا کھانا روا ہے لہٰذا حصۂ اول صفحہ ۳۲ تا ۳۶ اور صفحہ ۱۰ تا ۲۰ دیکھنا چاہیئے۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور کسی کی قسم کھانا شرک کی بات ہے اس سے بہت بچنا چاہئے (صفحہ ۴۴ سطر ۹ بیان قسم) **اصلاح** اس مسئلہ کی تحقیق بھی حصۂ اول صفحہ ۴۳ میں گزری۔

مسئلہ اگر کسی غریب عورت کو کپڑا دیا تو اتنا بڑا کپڑا ہونا چاہیئے کہ سارا بدن ڈھک جائے اور اُس سے نماز پڑھ سکے اس سے کم ہوگا تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔ (صفحہ ۴۶ سطر ۱۰ بیان کفارہ قسم) **اصلاح** کفارے میں اتنا کپڑا دینے کا حکم ہے جس سے اکثر بدن ڈھک جائے اور عرف میں ایسے

[illegible] ایسا کپڑا دینا کافی [illegible]

پہننے والا ننگا نہ کہلائے خواہ اُسے پہنکر نماز پڑھنا صحیح ہو یا نہ ہو یہی ظاہر الروایۃ ہے یہی صحیح ہے یہی عامہ متون و شروح میں اختیار کی گئی ہے نہ یہ کہ اتنا بڑا کپڑا ہو جس سے سارا بدن ڈھک جائے اور نماز پڑھنا صحیح ہو جیسا کہ تھانوی صاحب لکھ رہے ہیں پس اگر کسی نے مرد کو صرف لانبا کرتا اور عورت کو لانبا کرتا اور سر ڈھکنے کے قابل کپڑا دیا تو بھی جائز ہے البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتنا بڑا کپڑا دینا چاہیئے کہ جسے پہنکر نماز پڑھنا صحیح ہو لہذا اُن کے نزدیک مرد کو صرف پاجامہ ہی دینے سے کفارہ ادا ہو جائیگا۔ مگر تھانوی صاحب اُس کے بھی قائل نہیں کہ اس سے پہلے مسئلہ میں صاف لکھ رہے ہیں کہ اگر ہر فقیر کو ایک ایک لنگی یا ایک ایک پاجامہ دیا تو کفارہ ادا نہیں ہوا تنویر میں ہے او کسوتھم بما یستر عامۃ البدن یعنی یا اتنا کپڑا دے کہ اکثر بدن کو ڈھک لے حاشیہ شرنبلالیہ علی الدرر اور ردالمحتار میں ہے وظاهر الجواب ما يثبت به اسم المكتسى وينتفى عنه اسم العريان لا صحة الصلوٰة وعدمها والمرأة اذا كانت لابسة قميصا سابلا وخمارا غطى رأسها واذنيها دون عنقها لا شك فى ثبوت اسم انها مكتسية لا عريانة ومع هذا لا تصح صلاتها اھ ملخصا عن الفتح وحاصله انه لابد مع الثوب من الخمار لكن لا يشترط ان يكون الخمار ما تصح الصلوٰة یعنی کفارے میں اتنے کپڑے کا اعتبار ہے جس پر کپڑا پہنے ہوئے کا نام صادق ہو اور ننگے ہونے کا نام نہ ہو صحت و عدم صحت نماز کا اعتبار نہیں ہے اور عورت جبکہ نیچا کرتا اور اوڑھنی جس سے سر اور کان ڈھک جائیں پہنے ہوئے ہو تو بے شک اُسے کپڑا پہنے کہا جائے گا ننگا نہ کہا جائیگا اور باوجود اس کے نماز اسقدر کپڑے سے صحیح نہ ہو گی یہ خلاصہ فتح القدیر ہے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ کپڑے کے ساتھ اوڑھنی بھی ضرور ہو مگر یہ شرط نہیں ہے کہ اس سے نماز بھی صحیح ہو مجمع الانہر

اور درر و غرر میں ہے اد کسوتہم لکل ثوب یستر عامۃ بدنہ فلم یجز السراویل لان لابسہ یسمی عریانا فی العرف ہو الصحیح المروی عن ابی حنیفۃ وابی یوسف لامار وی عن محمد ان ادناہا ما تجوز فیہ الصلوٰۃ یعنی یا ساٹھ مسکینوں کو کپڑا دے ہر ایک کو ایک کپڑا کہ اکثر بدن اس کا ڈھک لے پس صرف پاجامہ دینا جائز نہیں ہے کہ اس کا پہننے والا عرف میں ننگا بولا جاتا ہے یہی صحیح ہے اور امام اعظم و امام ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ نہ وہ کہ محمدؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ اتنا دے جس سے نماز صحیح ہو۔

مسئلہ کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہ جاؤنگی پھر جب وہ گھر گر بالکل کھنڈر ہو گیا تب اس میں گئی تو بھی قسم ٹوٹ گئی۔ اور اگر بالکل میدان ہو گیا زمین برابر ہو گئی اور گھر کا نشان بالکل مٹ گیا یا اس کا کھیت بن گیا یا مسجد بنائی گئی یا باغ بنا یا گیا تب اس میں گئی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (صفحہ ۴۷ سطر ۲ بیان گھر میں جانے کی قسم کا) **اصلاح** مسئلہ مذکورہ میں اگر اس گھر سے مراد دار ہے تو یہ کہنا (اور اگر بالکل میدان ہو گیا زمین برابر ہو گئی اور گھر کا نشان بالکل مٹ گیا تو قسم نہیں ٹوٹی) غلط ہے کہ دار معین مشار الیہ میں بعد میدان ہو جانے نام و نشان مٹ جانے کے بھی داخل ہونے سے حانث ہو جائیگا قسم ٹوٹ جائیگی۔ درر و غرر و مجمع الانہر و در مختار و جوہرہ نیرہ وغیرہ عامہ کتب میں ہے والعبارۃ لمجمع الانہر ولو قال واللہ لا ادخل ہذہ الدار فدخلہا خربۃ صحراً حنث لان البناء وصف والوصف فی الحاضر المعین لغو الخ یعنی اگر کسی نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اس گھر میں نہیں داخل ہونگا پھر خراب جنگل میدان ہونے کے بعد اس میں داخل ہوا تو حانث ہوگا کہ بنا وصف ہے اور وصف حاضر معین میں لغو ہوتا ہے۔ اور اگر گھر سے مراد بیت ہے تو یہ کہنا (پھر جب وہ گھر گر کر

بالکل کھنڈر ہو گیا تب اُس میں گئی تو بھی قسم ٹوٹ گئی اور پھر سے بنوایا گیا تب اُس میں گئی تو قسم ٹوٹ گئی) محض غلط ہو کہ بیت میں گر کر کھنڈر ہو جانے یا دوبارہ بنا لینے کے بعد داخل ہونے سے حانث نہیں ہوتا۔ درمختار وقدوری ودرر وغرر وملتقی الابحر اور اُس کی شرح مجمع الانہر میں ہے واللفظ للاٰخر وفی لایدخل ھذا البیت فدخل بعد ما انھدم وصار صحراء او بعد ما بنی بیتا آخر لا یحنث لزوال اسم البیت بعد الانھدام فانہ لا یبات فیہ یعنی اگر قسم کھائی کہ اس مکان میں داخل نہیں ہوگا پھر بعد گرنے اور میدان ہونے کے یا بعد دوبارہ مکان بنا لینے کے اُس مین داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کہ اسم مکان بعد گرنے کے زائل ہو گیا کہ اُس میں شب باشی نہیں کیجائیگی۔

گھر مین نہ داخل ہونیکی قسم کھاکر باہر سے چھت پر چڑھنے کا حکم

مسئلہ کسی نے قسم کھائی کہ تیرے گھر نہ جاؤنگی پھر کوٹھا پھاند کر آئی اور چھت پر کھڑی ہو گئی تو قسم ٹوٹ گئی اگرچہ نیچے نہ اُتری (صفحہ ۴۳ سطر ۱ بیان گھر مین جانے کی قسم کا) اصلاح اگر کوئی کسی کے گھر میں نہ آنیکی قسم کھا کر اُس کے گھر کی خالی چھت پر اور کسی طرف سے آکر کھڑا ہو جائیگا تو وہ حانث نہ ہوگا اسکی قسم ٹوٹیگی کہ ہمارے عرف میں اسے داخل گھر نہ کہا جائیگا یہی مذہب مختار رہا اور اسی پر فتویٰ ہے درمختار میں ہے والواقف علی السطح داخل عند المتقدمین خلافا للمتاخرین ووفق الکمال بحمل الحنث علی سطح لہ ساتر وعدمہ علی مقابلہ وقال ابن الکمال ان کان الحالف من بلاد العجم لا یحنث قال مسکین وعلیہ الفتویٰ وفی البحر وافادانہ ارتقی شجرۃ او حائطا حنث وعلی قول المتاخرین لا والظاھر قول المتاخرین فی الکل لانہ لا یسمی داخلا عرفا یعنی متقدمین کے نزدیک گھر کی چھت پر کھڑا ہوا گھر میں داخل ہے نہ متاخرین کے نزدیک اور امام کمال الدین نے دونوں کے قول کو یوں موافق کیا ہے کہ عمارت دار چھت میں کھڑا ہوا داخل گھر ہے اور خالی چھت پر کھڑا ہوا داخل گھر نہیں اور بحر میں ہو کہ اگر درخت یا

دیوار پر چڑھ گیا تو حانث ہوگا اور متاخرین کے نزدیک اس میں بھی حانث نہ ہوگا اور قولِ متاخرین سب میں ظاہر ہے کہ عرف میں اسے داخل گھر نہ کہا جائیگا اور ابن کمال نے کہا ہے کہ اگر قسم کھانے والا عجمی ہو تو حانث نہ ہوگا ملا مسکین نے کہا ہے کہ اسپر فتویٰ ہے ردالمحتار میں یہ ہے والحق ان السطح لاشك انه من الدار لانه من اجزائها حسا لکن لایلزم من القیام علیه ان یقال انه فی العرف داخل فی الدار مالم یدخل جوفها اذ لایتعلق لفظ دخل الا بجوف حتی صح ان یقال لم یدخل الدار ولکن صعد السطح من خارج افاده فی الفتح یعنی حق یہ ہے کہ بیشک چھت گھر سے ہی کہ حسا اس کے اجزا سے ہے لیکن اسپر کھڑے ہونے سے یہ لازم نہیں ہے کہ کھڑے ہونے والے کو عرف میں داخل گھر کہا جائے جبتک کہ وہ درمیان گھر کے داخل نہ ہو کہ لفظِ دخل تعلق نہیں رکھتا ہی مگر جوف کے ساتھ حتی کہ یہ کہنا صحیح ہی کہ وہ گھر میں نہیں داخل ہوا ہے باہر سے چھت پر چڑھا ہی فتح میں اسکا افادہ فرمایا ہی مجمع الانہر میں ہی وکذا یحنث لو وقف علی سطحها وقیل لا یحنث به فی عرفنا وهو قول المتاخرین وهو المختار لان هذا لایعد دخولا فی العجم وفی الکافی والمختار ان لایحنث ان کان الحالف من بلاد العجم وعلیه الفتوی مدرالمنتقی میں ہی وهو المختار للفتوی لان الصاعد علیها لایسمی داخلا فی عرف العجم مسئلہ چھوٹے لڑکوں کو ریشمی کپڑا یا مخمل پہننا ناجائز نہیں (صفحہ ۵۰ سطر اول بیان لباس) اصلاح مخمل دو قسم کی ہوتی ہے ایک ریشمی دوسری سوتی دُسری اول یعنی ریشمی مردوں کو خود پہننا اور اپنے لڑکوں کو پہنانا ضرور ناجائز ہے اور دوم یعنی سوتی دُسری کا پہننا پہنانا بلاشبہہ جائز ہے ہرگز ہرگز ناجائز نہیں اور وہی آجکل بازار میں زیادہ بکتی ہے اور بہ نسبت ریشمی کے ارزان ہونے کے سبب عام طور سے ٹوپیوں وغیرہ میں استعمال کی جاتی ہے مگر خریدتے وقت تمیز کرنا اور جانچ لینا ضروری ہے۔

اصلاح مسائل بہشتی زیور

حصہ چہارم

مسئلہ اگر اپنے میل میں نہیں کیا اپنے کم ذات والے سے نکاح کر لیا اور ولی ناخوش ہے تو نکاح تو ہو گیا لیکن اس کا ولی اس نکاح کو تڑوا سکتا ہے (صفحہ ۱۰ سطر ۲ بیان ولی) **اصلاح** مذہب مفتی بہ میں اگر عورت بغیر رضا و خوشی اپنے ولی کے اپنا نکاح غیر کفو میں کرے گی تو وہ نکاح اصلاً ہو گا ہی نہیں حتی کہ اگر صرف حلالہ کے لیے بلا رضا ولی کے غیر کفو میں نکاح کرے گی تو حلالہ بھی نہ ہو گا۔ اسی قول پر فتویٰ ہے اور یہی اصح اور احوط ہے اور اسی کو اکثر مشائخ کرام نے اختیار فرمایا ہے نہ وہ کہ تھانوی صاحب نے تحریر کیا ہے درمختار میں ہے ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلاثا نکحت غیر کفوء بلا رضا ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ یعنی غیر کفو میں نکاح کرنے کی بابت بالکل ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے اور فساد زمانہ کے باعث یہی فتویٰ کے لیے اختیار کیا گیا ہے پس تین طلاق والی عورت بے رضامندی ولی کے غیر کفو میں جا کر نکاح کرنے سے شوہر اول کے لیے حلال نہ ہو گی اسے یاد رکھنا چاہیے۔ مجمع الانہر و در المنتقی میں ہے وروی الحسن عن الامام وھو روایۃ ابی یوسف عدم جوازہ اصلاً ای عدم جواز نکاحہا اذا زوجت نفسہا بلا ولی فی غیر الکفوء وبہ اخذ کثیر من مشائخنا وعلیہ الفتوی قاضی خان وھذا اصح واحوط والمختار للفتوی فی زماننا وفی الفتح وغیرہ لو زوجت

المطلقۃ ثلاثا نفسہا بغیر کفوء و دخل بہا لا تحل للاول قالوا ینبغی
ان یحفظ ہذا (یعنی امام حسنؒ نے امام صاحب سے بالکل نکاح نا جائز ہونا
روایت کیا ہے اور یہی امام ابی یوسفؒ کی روایت ہے یعنی اگر کسی عورت نے
بلا رضا ولی کے غیر کفو میں نکاح کیا تو نا جائز ہے اور اسی کو ہمارے بہت سے
مشائخ نے اخذ کیا ہے اور اسپر امام فقیہ النفس قاضی خان کا فتوی ہے اور
یہی صحیح تر ہے اور زیادہ احتیاط کا ہے اور ہمارے زمانہ میں فتوی کے لیے اختیار
کیا گیا ہے اور فتح وغیرہ میں ہے کہ اگر مطلقہ ثلثہ نے غیر کفو میں نکاح کیا اور
مرد نے اس سے وطی کی تو شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی ۔ فقہائے کرام
نے فرمایا ہے کہ اسے حفظ کرلینا یا درکھنا چاہیئے ہدایہ میں ہے وعن ابی
حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ انہ لا یجوز فی غیر الکفوء لانہ کم
من واقع لا یرفع قال فی الکفایۃ تحتہ وروی الحسن عن ابی حنیفۃؒ
ان النکاح لا ینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا وقال شمس الائمۃ
السرخسی رحمہ اللہ ہذا اقرب الی الاحتیاط وقال القاضی الامام
فخر الدین رحمہ اللہ تعالی الفتوی علی قول الحسن فی زماننا یعنی امام
ابی حنیفہؒ و امام ابی یوسفؒ سے روایت ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز نہیں ہے
کفایہ میں اس کے تحت ہے کہ حسنؒ نے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ نکاح
ہوگا ہی نہیں اور اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ نے اخذ کیا ہے اور شمس الائمہ
سرخسیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ احتیاط کے قریب تر ہے اور قاضی امام فخر الدینؒ
نے فرمایا ہے کہ ہمارے زمانہ میں فتوی قول حسنؒ پر ہے ۔

مسئلہ جوان کنواری لڑکی سے ولی نے آکر کہا کہ میں تمہارا نکاح فلانے
کے ساتھ کیے دیتا ہوں یا کر دیا ہے اسپر وہ چپ ہو رہی یا مسکرا دی یا رو دینے
لگی ۔ تو بس یہی اجازت ہے ۔ اب وہ ولی نکاح کردے تو صحیح ہو جاویگا یا کر چکا
تھا تو صحیح ہو گیا (صفحہ ۱۰ سطر ۱ بیان ولی) اصلاح اگر باکرہ بالغہ عورت اجازت

اجازت نکاح کے وقت زبان سے کچھ

نکاح چاہتے وقت یا خبر نکاح سنکر بلا آواز روئی تو اجازت سمجھی جائیگی اور ولی کا نکاح کر دینا صحیح ہوگا اور جو آواز سے روئی تو اجازت نہ ہوگی اور نہ ولی کا نکاح کرنا صحیح ہوگا۔ یہی قول اصح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے لو بکت مع السکوت یکون رضا ومع الصیاح لا یعنی اگر آہستہ چپکے سے روئی تو رضا ہوگی چلا کر رونے سے رضا نہ ہوگی۔ در مختار میں ہے او بکت بلا صوت فلو بصوت لم یکن اذنا قال فی رد المحتار وھو المختار للفتویٰ یعنی بلا آواز روئی تو اجازت ہوگی اور جو آواز سے روئی تو اجازت نہ ہوگی یہی فتوے کے لیے مختار ہے۔ مجمع الانہر میں ہے فان استاذن الولی البکر البالغۃ فسکتت او ضحکت او بکت بلا صوت فھو اذن ومع الصوت رد وعلیہ الفتوی کما فی اکثر الکتب وکذا لو زوجھا فبلغھا الخبر یعنی اگر ولی نے باکرہ بالغہ سے اجازت نکاح لی پس وہ چپ رہی یا ہنسی یا بلا آواز روئی تو وہ اجازت ہوگی اور آواز سے رونا رد کرنا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ اکثر کتب میں ہے اور یہی حکم نکاح کے بعد خبر پہنچنے کا ہے در المنتقی میں ہے او بکت بلا صوت فھو اذن ومع الصوت رد لانہ دلیل السخط فلم یکن اذنا بے آواز روئی تو اجازت ہوگی اور با آواز رد ہوگا کہ وہ دلیل غصہ کی ہے پس اجازت نہ ہوگی۔

مسئلہ نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح اگر باپ یا دادے نے کیا ہو تو جوان ہونے کے بعد بھی اس نکاح کو رد نہیں کر سکتے چاہے اپنے میل میں کیا ہو یا بے میل کم ذات والے سے کر دیا ہو اور چاہے مہر مثل پر نکاح کیا ہو یا اس سے بہت کم پر نکاح کر دیا ہو ہر طرح نکاح صحیح ہے اور جوان ہونے کے بعد بھی وہ کچھ نہیں کر سکتے (صفحہ ۱۲ سطر ۱۴ بیان ولی) **اصلاح** اگر باپ دادا معروف بسوء اختیار اور حالت نشہ میں نہ ہوں تو نابالغ اور نابالغہ کا غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر انکا نکاح کیا ہوا لازم اور صحیح غیر قابل فسخ ہوگا اور

جو وہ سوءِ اختیار میں مشہور و معروف فاسق بے پرواہ مدہوش ہوں یا کسی لالچ
یا طمع نفسی کے لیے صغیرہ کا نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے بہت کم پر یا صغیر کا مہر
مثل سے زیادہ پر کردیں تو وہ نکاح ہرگز لازم اور بالاجماع صحیح نہ ہوگا
بلکہ امام ابی یوسف و محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک تو غیر کفو میں یا بغبن
فاحش نکاح کیا ہوا مطلقاً جائز نہیں خواہ وہ معروف بسوءِ اختیار ہوں
یا نہ ہوں در مختار میں ہے ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او زوجہا
بغیر کفوان کان الولی المزوج ابا وجدا لم یعرف منہما سوء الاختیار
مجانة وفسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان
سکران فزوجہا من فاسق او شریر او فقیر او ذی حرفة دنیة
لظہور سوء اختیارہ یعنی اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہو اور ان
فسق ولاپرواہی ظاہر نہ ہو تو اُن کا نکاح کیا ہوا لازم ہوگا اگرچہ بہت کم
مہر پر یا غیر کفو میں کیا ہو اور جو وہ فسق ولاپرواہی میں معروف و بداختیار
ہوں تو غیر کفو میں یا بہت کم مہر پر ان کا نکاح کیا ہوا بالاتفاق صحیح نہ ہوگا
یوں ہی اگر وہ نشہ میں ہوں اور کسی فاسق یا شریر یا فقیر یا رذیل پیشہ ور سے
نکاح کردیں تو بوجہ ظہور بداختیاری نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے حتی
لو عرف من اب سوء الاختیار لسفہہ او لطمعہ لا یجوز عقدہ
اجماعا وکذا لو زوجہا بغبن فاحش فی المہر لا یجوز اجماعا و
کذا السکران لو زوج من غیر الکفو کما فی الخانیة وبہ علم ان
المراد بالاب من لیس بسکران ولا عرف بسوء الاختیار یعنی
اگر باپ کم عقلی یا لالچ کے باعث معروف بسوءِ اختیار ہو تو بالاجماع نکاح جائز
نہیں اور یوں ہی اگر بہت کم مہر پر نکاح کردیا تو بالاجماع جائز نہیں اور یوں ہی
اگر نشے میں غیر کفو سے کردیا تو صحیح نہیں جیسا کہ خانیہ میں ہے اور اس سے
معلوم ہوا کہ باپ نشہ باز اور معروف بسوءِ اختیار نہ ہو۔ در منتقی میں ہے

فان کان المزوج ابا او جدا لزم الا ان یکون الاب سکرانا او معروفا
بسوء الاختیار مجانة وفسقا فالعقد باطل عنده هو الصحیح یعنی
اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہو تو لازم ہوگا مگر یہ کہ باپ نشے میں یا
ازروئے فسق ولاپرواہی کے معروف بسوء اختیار ہو تو اس کا نکاح
کیا ہوا امام صاحب کے نزدیک باطل ہوگا یہی صحیح ہے درر وغرر میں
ہے وللولی انکاح الصغیر والصغیرة بغبن فاحش او بغیر کفوٴ
ان کان ابا وجدا خلافا لهما قالوا الخلاف فیما اذا کان الاب
صالحا ولو کان سکران لا یصح اتفاقا وکذا لو عرف منه سوء
الاختیار لطمعه او سفهه لا یصح اتفاقا قال الشرنبلالی تحته
ای لا یصح النکاح هو الصحیح حتی لو زوج بنته من فقیر او
محترف حرفة دنیة ولم یکن کفوا فالعقد باطل کذا فی البحر یعنی
اگر ولی باپ یا دادا ہو تو انہیں صغیر وصغیرہ کا نکاح بہت کم مہر پر یا غیر کفو
میں کر دینا جائز ہے صاحبین کا اس میں خلاف ہے فقہا نے فرمایا ہے کہ
خلاف جب ہے کہ باپ نیک صالح ہو اور جو وہ نشہ باز ہو تو بالاتفاق نکاح
صحیح نہیں ہے یونہی اگر باپ طمع نفسی یا سفاہت کی وجہ سے معروف بسوء
اختیار ہو تو بھی نکاح صحیح نہ ہوگا یہی صحیح ہے حتی کہ اگر اس نے اپنی
لڑکی کسی فقیر یا رذیل پیشہ والے کے ساتھ جو اس کا کفو نہ تھا کر دی تو نکاح
باطل ہے ایسا ہی بحر میں ہے جوہرہ نیرہ میں ہے والخلاف فیما اذا لم یعرف
سوء اختیار الاب مجانة وفسقا اما اذا عرف فالنکاح باطل
اجماعا وهکذا فی فتاوی خیر الدین رملی رحمة الله علیه حیث
سئل به فاجاب بما حررناه مستدلا بعبارة شرح المجمع والدرر و
الغرر والبحر والفتح وغیره یعنی اختلاف جب ہے کہ باپ معروف بسوء
اختیار ازروئے فسق ولاپرواہی کے نہ ہو اور جو معروف بسوء اختیار ہو تو

نکاح اجماعاً باطل ہے اور اسی طرح فتاویٰ خیریہ میں ہے۔
مسئلہ دینداری میں برابری کا یہ مطلب ہے کہ ایسا شخص جو دین کا پابند نہیں۔ لچا۔ شہدا۔ شرابی۔ بدکار آدمی ہے۔ نیک بخت۔ پارسا۔ دیندار عورت کے برابر کا نہ سمجھا جاوے گا (صفحہ ۱۵ سطر ۱۶ بیان برابر اور مثل کا)
اصلاح اس کا مفہوم یہ ہے کہ نیک پارسا عورت کا نیک پارسا مرد کفو ہے نہ فاسق بدکار اور فاسقہ بدکارہ عورت کا فاسق بدکار ہی کفو ہے نہ نیک پارسا خواہ عورت کے باپ دادا نیک صالح ہوں یا فاسق بدکار اُن کی صلاح وفسق کا کچھ اعتبار نہیں ہے صرف عورت کے صلاح وعدم صلاح کا اعتبار ہے۔ تو اگر کسی نیک پارسا شخص کی فاسقہ لڑکی نے بلا رضا اپنے باپ کے کسی فاسق سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح لازم وصحیح ہو گیا اب وہ کسی کے چھڑائے سے نہیں چھوٹ سکتا باپ دادا وغیرہ اولیا کو حق اعتراض اور نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہے کہ نکاح کفو میں ہوا پھر انھیں اعتراض کا کیا حق اور نکاح فسخ کرنے کا کیا اختیار حالانکہ انھیں ایسے نکاح میں معترض ہونے اور اسے فسخ کرانے کا شرعاً حق حاصل ہے کہ کفاءت ان کا حق ہے نہ عورت کا اور یہ نکاح ان کے کفو میں نہیں ہوا ہے انھیں اس نکاح سے ننگ وعار لاحق ہو گی درمختار وغیرہ میں ہے والکفاءۃ حق الولی لا حقھا یعنی کفاءت حق ولی ہے نہ حق عورت اسی میں نہر سے ہے وتعتبر دیانۃ ھی تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان او لا علی الظاھر یعنی کفاءت دیانت یعنی تقوی میں بھی اعتبار کی جائیگی پس فاسق نیک صالحہ یا فاسقہ بنت صالح کا کفو نہیں خواہ وہ فاسق معلن ہو یا نہ ہو ظاہر مذہب میں۔ ملتقی الابحر میں ہے وتعتبر دیانۃ فلیس فاسق کفوا لبنت صالح وان لم یعلن فی اختیار الفضلی وھو

الصحیح یعنی دیانت میں کفائت معتبر ہے پس فاسق بنت صالح کا کفو نہیں اگرچہ
ظاہر نہ ہو امام فضلی کے اختیار میں اور یہی صحیح ہے غرر میں ہی وتعتبر
دیانۃ فلیس فاسق کفؤ الصالحۃ او بنت صالح یعنی کفائت دیانت کیا
معتبر ہے پس فاسق نیک صالحہ یا بنت صالح کا کفو نہیں خزانۃ الروایات
میں کافی سے ہے امرأۃ من بنات الصالحین لو نکحت فاسقا کان
للاولیاء حق الرد الخ نیکوں کی لڑکی نے اگر فاسق سے نکاح کر لیا تو اولیا
کو حق رد و فسخ نکاح ہے تنبیہ سنیوں کے بدعتی گمراہ جیسے وہابی غیر مقلد
وغیرہ لوگ کفو نہیں ہیں بلکہ اگر انکے عقائد و اقوال کفریہ ہوں جیسے آجکل
بہت سے ایسے ہی ہیں تو ان سے نکاح ہی صحیح نہ ہو گا لہذا آجکل نہایت
احتیاط اور تفتیش اور دیکھ بھال کے نکاح کرنا چاہیئے کہ بہت سے ایسے
وقت رافضیوں کی طرح تقیہ کر لیتے ہیں اور اپنے کو سُنی حنفی ظاہر کرتے
ہیں در المنتقی میں ہے وتعتبر دیانۃ وھی التقوی فالمبتدع لیس
کفؤ للسنیۃ یعنی کفائت دیانت و تقوی میں معتبر ہے پس بدعتی (وہابی
خارجی رافضی غیر مقلد وغیرہ) سُنی عورت کے کفو نہیں۔

مسئلہ جوڑے میں فقط ایک ہی جوڑی کپڑے مرد پر واجب ہیں
ایک کرتا ایک سربند ایک پاجامہ یا ساڑی جس چیز کا دستور ہو ایک چادر
جس میں سر سے پیر تک لپٹ سکے اس کے سوا اور کوئی کپڑا واجب نہیں
(صفحہ ۱ سطر ۱۵ بیان ۱۳) **اصلاح** جس عورت سے بلا مہر نکاح کیا ہو اور قبل
وطی یا خلوت صحیح طلاق دیدی ہو تو اسے شرعاً متعہ یعنی ایک جوڑی کپڑے
دینا واجب ہیں مگر کپڑوں کی تعداد اور توصیف مقررہ معتبر نہیں کہ جوڑے
میں فلاں کپڑے ہوں اور چار ہوں چار سے زیادہ یا کم نہ ہوں بلکہ انھیں
ہر شہر کے رسم و رواج پر چھوڑ اگیا ہے یعنی جس شہر میں جو کپڑے عموماً عورتیں
پہنتی ہوں اور انھیں پہنکر باہر جاتی ہوں وہ متعہ کے جوڑے میں

حاشیہ: یعنی وہابی، غیر مقلد، نیچری، رافضی وغیرہ سنیوں کے کفو نہیں
صفحہ ۱۳ سطر ۱۲

دیے جائیں خواہ وہ تین ہوں یا چار پانچ - پس تھانوی صاحب کا ایک
جوڑی کپڑے واجب بتا کر اسے چار کپڑوں میں منحصر کرنا اور یہ کہنا کہ اُسکے
سوا اور کوئی کپڑا واجب نہیں اور اُن چار میں ایک سربند اور ایک اتنی
بڑی چادر جس میں سر سے پاؤں تک عورت لپٹ جائے گننا ہندوستان
کے رواج سے بالکل خلاف اور شرعاً غیر معتبر کہ ہندوستان کے کسی شہر
میں سربند اور اتنی بڑی چادر کا رواج نہیں اگر ہے تو دوپٹہ اور چادر
کا جو زیادہ سے زیادہ طول میں تین گز اور عرض میں ڈیڑھ گز ہوتی ہے
نہ اتنی بڑی کہ سر سے پاؤں تک اس میں لپٹ جائے - البتہ مردہ عورت
کو ضرور سربند اور اتنی بڑی چادر دیتے ہیں کہ جس میں سر سے پاؤں تک
لپٹ جائے - یا اگر کوئی عرب سے آئی ہوئی عورت ہندوستان میں
اپنی عادت کے موافق سربند اور اتنی بڑی چادر استعمال کرے تو وہ رواج
ہندوستان نہ ہوگا رواج عرب ہوگا اور اس کے موافق یہاں حکم نہ کیا جائیگا
یوں تو متعہ کے جوڑے کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس وام المومنین
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صرف تین کپڑے درع وخمار
وملحفہ آئے ہیں اور وہی عامہ متون میں ذکر کیے گئے ہیں تو پھر چوتھا
کپڑا یعنی پاجامہ یا ساری کیوں زیادہ کیا اور کہاں سے بڑھایا اس زیادتی
کی یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے دیار اور رسم ورواج کے موافق ہیں
نہ ہمارے دیار و رسم ورواج کے موافق جس کی تصریح کلام فقہا میں
موجود اور کتب فقہ میں مذکور کما سیاتی پس ہندوستان کے بعض شہروں
میں تو عورتیں عموماً انگیا کرتی یا انگیا کرتا اور پاجامہ دوپٹہ پہنتی ہیں اور
انھیں کو پہنکر ایسین آتی جاتی ہیں - لہذا وہاں جوڑے میں یہی کپڑے دیے
جائیں گے اور جس جگہ گھروں میں تو یہی کپڑے پہنتی ہیں اور جب کہیں
جاتی ہیں تو اوپر سے معمولی دولائی یا چادر اوڑھتی ہیں بے چادر

اوڑھے جانا معیوب سمجھتی ہیں تو ایسی جگہ جوڑے میں چادر بھی دیجائیگی
وعلیٰ ہذا القیاس جس شہر میں جو کپڑے عورتیں عموماً پہنتی ہوں اور انھیں
پہنکر آپس میں جاتی آتی ہوں وہ متعہ کے جوڑے میں دیے جائیں خواہ
کئی ہوں اور ادنےٰ درجہ اُن کا تین ہے۔ کرتا۔ پاجامہ۔ دوپٹہ اس سے
کم نہ ہوں مجمع الانہر و در المنتقیٰ میں ہے وھی درع وخمار
وملحفة قالوا هذا فی دیارهم واما فی دیارنا فتلبس اکثر
من ذالك فيزاد على هذا ازار ومكعب كما فی الفتح عن فخر الاسلام
وكذا فی الشرنبلالية عن البحر وقال فی رد المحتار قال فخر الاسلام
هذا فی دیارهم اما فی دیارنا فیزاد علی هذا ازار ومکعب کذا
فی الدراية قلت ومقتضاه ان يعتبر عرف كل بلدة لاهلها فيما
تكتسي به المرأة عند الخروج تامل ثم رأيت بعض المحشين
قال وفی البرجندی قالوا هذا فی دیارهم اما فی دیارنا فینبغی
ان يجب اكثر من ذلك لان النساء فی دیارنا تلبس اكثر من
ثلاثة اثواب فيزاد على ذلك ازار ومكعب یعنی متعہ کے کپڑے
کرتا دوپٹہ چادر ہے فقہا نے فرمایا ہے کہ یہ کپڑے عرب کے موافق
ہیں اور ہمارے یہاں ان سے زائد پہنے جاتے ہیں تو اُنپر ازار ومکعب
زیادہ کیے جائیں گے جیسا کہ فتح میں امام فخر الاسلام سے ہے اور
ایسا ہی شرنبلالیہ میں بحر سے ہے اور رد المحتار میں ہے کہ امام فخر الاسلام
نے فرمایا ہے کہ یہ تین کپڑے اُن کے دیار میں ہیں اور ہمارے یہاں
اُنپر ازار ومکعب زیادہ کیے جائیں گے ایسا ہی درایہ میں ہے۔ میں
کہتا ہوں کہ مقتضے اسکا یہ ہے کہ ہر شہر والوں کے عرف میں عورتیں
جو کپڑے پہنکر نکلتی ہوں وہ متعہ کے جوڑے میں اعتبار کیے جائینگے
پھر میں نے بعض حاشیہ والوں کو دیکھا کہ کہا ہے برجندی میں ہے

کہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ یہ تین کپڑے عرب کے موافق ہیں اور ہمارے
یہاں لائق یہ ہے کہ تین سے زیادہ واجب ہوں کہ ہمارے یہاں کی
عورتیں تین کپڑوں سے زیادہ پہنتی ہیں پس ان تین کپڑوں پر ازار اور مکعب
زیادہ کی جائیگی۔ کفایہ میں ہے وھی درع وخمار وملحفۃ وھذا التقدیر
ماثور عن عائشۃ وابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما وقالوا
ھذا فی دیارھم فاما فی دیارنا فینبغی ان یجب اکثر من ذلک
لان متعتہا انیکون ثیاب بدنہا عادۃ والنساء فی دیارنا یلبس اکثر
من ثلثۃ اثواب فیزاد علی ذلک ازار ومکعب یعنی متعہ کے کپڑے
کرتا اوڑھنی اور چادر ہے اور یہ تقدیر عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ
تعالی عنہما سے مروی ہے اور فقہا نے فرمایا ہے کہ یہ کپڑے عرب میں ہیں
ہمارے یہاں لائق یہ ہے کہ ان سے زیادہ واجب ہوں کہ عورت کا متعہ
عادۃً اس کے پہننے کے کپڑے ہوتے ہیں اور ہمارے یہاں کی عورتیں
تین کپڑوں سے زیادہ پہنتی ہیں پس انپر ازار اور مکعب زیادہ
کی جائیگی۔

عورت کا دودھ پانی یا دوا مین ملا کر بچے کو پلانیکا حکم

مسئلہ اگر عورت کا دودھ پانی یا کسی دوا میں ملا کر بچے کو پلا دیا
تو دیکھو کہ دودھ زیادہ ہے یا پانی یا دونوں برابر اگر دودھ زیادہ ہو یا
دونوں برابر ہوں تو جس عورت کا دودھ ہے وہ ماں ہوگئی اور سب رشتے
حرام ہوگئے اور اگر پانی یا دوا زیادہ ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں وہ عورت
ماں نہیں بنی (صفحہ ۴۴ سطر اول دودھ پلانے کا بیان) **اصلاح**
اگر عورت کا دودھ اور کسی دودھ میں ملا کر بچے کو پلایا جائے تو غلبۂ اجزاء
کا اعتبار ہے یعنی اگر عورت کا دودھ دوسرے دودھ سے زیادہ یا برابر
ہو تو حرمت رضاع ثابت ہوگی ورنہ نہیں جیسا کہ اس مسئلہ کے بعد مسئلہ
میں مذکور ہے اور جو کسی دوا یا پانی میں ملا کر پلایا جائے تو غلبۂ اجزاء یعنی

زیادتی کمی کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس وقت رنگ و مزہ بدلنے نہ بدلنے کا
اعتبار ہے یعنی اگر دودھ میں دوا وغیرہ ملانے سے دودھ کا رنگ و مزہ
نہ بدلے تو حرمتِ رضاع ثابت ہوگی اور جس عورت کا دودھ ہوگا وہ
بچے کی ماں ہو جائیگی اور اگر دودھ کا رنگ و مزہ دوا وغیرہ ملنے سے بدل
گیا تو حرمتِ رضاع ثابت نہ ہوگی کما هو مروی عن ابی یوسف رحمۃ اللہ
علیہ یا دودھ کا نام باقی رہنے نہ رہنے کا اعتبار ہے یعنی اگر دوا وغیرہ دودھ
میں ملانے سے دودھ کا نام باقی رہے اور اُسے دیکھنے والے دودھ
کہیں تو اُسے بچے کو پلانے سے حرمتِ رضاع ثابت ہوگی اور اگر دوا
وغیرہ پلانے سے دودھ کا نام باقی نہ رہے اُسے دیکھنے والے دودھ
نہ کہیں تو حرمتِ رضاع ثابت نہ ہوگی کما هو مفسر عن محمد رحمۃ اللہ علیہ
اور ظاہر کہ بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں جو دودھ میں ذرا سی ملانے سے
دودھ کے رنگ و مزے کو بدل دیتی ہیں دودھ کے نام کو باقی نہیں رکھتی
ہیں دیکھنے والا اُسے دودھ نہیں کہہ سکتا ہے تو ایسی صورت میں بچے کو
اُسے پلانے سے کیسے حرمت کا حکم کیا جا سکتا ہے۔ پس تھانوی صاحب
کا عام طور سے ہر دوا دودھ ملی ہوئی میں غلبہ اجزاء کو اعتبار کرنا اور باعتبار
زیادتی کمی کم حرمت کرنا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے قال فی رد المحتار تحت
قوله اذا غلب لبن المرأة وفسرها محمد فی الدواء بان یغیره عن
کونه لبنا وقال الثانی ان غیر الطعم واللون لا ان غیر احدهما
اھ ونحوه فی البحر ووفق فی الدر المنتقى فقال یعتبر الغلبة بالاجزاء
فی الجنس وفی غیره بتغییر طعم ولون او ریح کما روی عن ابی یوسف
یعنی امام محمد نے دوا میں غلبہ کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ دودھ کو متغیر کر دے اور
امام ابی یوسف نے فرمایا ہے کہ رنگ اور مزے کو بدل دے نہ کہ ایک
وصف کو کھو دینے تہر اور اسکی مثل بحر میں ہے اور در المنتقی میں دونوں کے

قول کو یوں موافق کیا ہے کہ دودھ اپنی جنس میں ملیگا تو غلبہ اجزا کا اعتبار کیا جائیگا اور غیر جنس میں رنگ یا بُو یا مزہ کا اعتبار ہوگا جیسا کہ امام ابی یوسفؒ سے مروی ہے مجمع الانہر میں ہے ویعتبر الغلبة لوخلط بماء او دواء اولبن شاة والغلبة فی جنس الاجزاء وفی غیرہ ان لم یغیر الدواء اللبن تثبت الحرمة عند محمد وان غیرلا وقال ابو یوسف رح ان غیر طعم اللبن ولونه لا یکون رضاعا وان غیر احدھما دون الآخر یکون رضاعا کما فی الکفایة یعنی اگر عورت کا دودھ پانی یا دوا یا بکری کے دودھ میں ملا یا گیا ہو تو غلبہ کا اعتبار ہوگا اور غلبہ جنس میں اجزا کے ساتھ ہوگا اور غیر جنس میں اگر دوا دودھ کو متغیر نہ کرے تو امام محمدؒ کے نزدیک حرمت ثابت ہوگی اور جو متغیر کردے تو نہ ہوگی اور امام ابی یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر دوا دودھ کے رنگ و مزے کو بدل دے تو رضاع ثابت نہ ہوگی اور جو اُن میں سے ایک کو بدل دے تو رضا ثابت ہوگی درر میں ہے ویعتبر الغالب لوخلط بماء او دواء او لبن شاة اتفاقا ثم یعتبر الغلبة بالاجزاء فی الجنس وفی غیرہ بتغیر طعما ولون او رایحة کما روی عن ابی یوسف ذکرہ فی المحیط یعنی اگر عورت کا دودھ پانی یا دوا یا بکری کے دودھ میں ملا یا گیا تو بالاتفاق غالب کا اعتبار رہے پھر جنس میں ملنے سے غلبہ اجزا کا اعتبار کیا جائیگا اور غیر جنس میں رنگ یا بُو یا مزہ کے بدلنے کا جیسا کہ ابی یوسفؒ سے مروی ہے اسکو محیط میں ذکر کیا ہے

کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے اذا اختلط اللبن بالماء واللبن ھو الغالب تعلق به التحریم وکذا لوخلط بالدواء فالعبرة للغالب وفسر الغلبة محمد رحمة الله تعالیٰ فقال ان لم یغیر الدواء اللبن تثبت الحرمة وان غیرلا تثبت وقال ابو یوسف رح ان غیر طعم اللبن ولونه لا یکون رضاعا وان غیر احدھما دون الآخر یکون رضاعا

وقیل علی قول ابی حنیفۃ رح اذا جعل اللبن فی دواء او خلط
بالماء لا تثبت بہ الحرمۃ بکل حال کذا فی فتاوے قاضی خان رح
یعنی جب عورت کا دودھ کسی دودھ یا پانی میں ملا اور وہ غالب ہے تو
حرمت ثابت ہوگی اور یوہیں اگر دوا میں ملا تو غالب کا اعتبار ہوگا امام محمد نے غلبہ
کی تفسیر یہ کی ہے کہ اگر دوا دودھ کو متغیر نہ کرے تو حرمت ثابت اور
جو متغیر کردے تو ثابت نہیں اور امام ابی یوسف رح نے کہا ہے کہ اگر مزہ و رنگ
دودھ کو بدل دے تو رضاع نہیں اور جو ایک کو بدلا تو رضاع ہوگا اور
کہا گیا ہے کہ امام صاحب کے قول پر جب دودھ دوا میں ڈالا یا پانی
میں ملایا تو اس سے ہر حال میں حرمت ثابت نہ ہوگی ایسا ہی فتاوی
قاضی خاں میں ہے۔

مسئلہ عورت کا دودھ کسی دوا میں ڈالنا جائز نہیں۔ اور اگر ڈال دیا تو
اب اسکا کھانا اور لگانا ناجائز اور حرام ہے اسی طرح دوا کے لیے آنکھ
میں یا کان میں دودھ ڈالنا بھی جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ آدمی کے دودھ
سے کسی طرح کا نفع اٹھانا اور اس کو اپنے کام میں لانا درست نہیں
(صفحہ ۵ سطر ۲۰ دودھ پلانے کا بیان) **اصلاح** بیشک عورت کا
دودھ حرام ہے اور حرام چیز کا استعمال میں لانا اس سے کسی طرح کا نفع
اٹھانا ظاہر مذہب میں جائز نہیں کما فی البحر وغیرہ مگر وقت ضرورت
اور حالت اضطرار حرام چیزوں میں بھی تصرف کرنا جائز اور اسے کام میں لانا
مباح ہو جاتا ہے جیسے بھوک کے لیے میتہ مردار اور پیاس کے
لیے شراب حالت اضطرار اور وقت نہ ملنے دوسری شے کے بالاتفاق جائز
خصوصاً جبکہ اکلاً و شرباً استعمال نہ ہو خارجاً کام میں لایا جائے کہ شرع کا
قاعدہ مشہور ہے الضرورات تبیح المحظورات ضرورتیں ممنوع و
ناجائز چیزوں کو مباح اور جائز الاستعمال کر دیتی ہیں بلکہ عورت کا دودھ

عورت کا دودھ دوا میں استعمال کرنا

بعد مدت رضاع مباح نہ ہونے کی علت میں بھی عدم ضرورت کی قید جس
سے ظاہر کہ بضرورت بعد مدت رضاع بھی مباح درمختار میں ہے ولم
یبح الارضاع بعد مدته لانه جزء آدمی والانتفاع به بغیر
ضرورة حرام یعنی بعد مدتِ رضاع دودھ پلانا مباح نہیں کہ جزء آدمی ہے
اس سے بلا ضرورت نفع اٹھانا حرام ہے۔ بلکہ امام ابی یوسفؒ کا مذہب ہی
یہ ہے کہ حرام چیز کا دواءً استعمال جائز تو اگر کوئی طبیب حاذق کسی بیمار
کو کسی لیپ میں یا آنکھ کان کی دوا میں عورت کا دودھ ملا کر استعمال
کرنے کو کہے یا عورت کے دودھ میں کپڑا بھگو کر سر پر رکھنے یا آنکھ
کان میں ڈالنے کو بتائے اور اس کے علم اور اس کے تجربہ میں وہ
اس شخص کی بیماری کو مفید ہو اور اس کے سوا اور کوئی دوا اسکے مرض
کو مفید نہ ہو تو اس شخص کو عورت کا دودھ دواءً استعمال کرنا جائز ہوگا
اور اسی پر فتوی ہے ہاں بغیر ضرورتِ شدید محض مفید خیال کرکے اسے استعمال
کرنا جائز نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ اختلف فی التداوی بالمحرم وظاہر
المذھب المنع کما فی رضاع البحر لکن نقل المصنف ثمه وھنا
عن الحاوی وقیل یرخص اذا علم فیه الشفاء ولم یعلم دواء
آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیه الفتوی یعنی حرام چیز سے دوا
کرنے میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب میں ممانعت ہے جیسا کہ رضاع
بحر میں ہے لیکن مصنف نے اس جگہ اور اس جگہ حاوی سے نقل
کیا ہے کہ اس کی رخصت دی جائیگی جبکہ اس میں شفا معلوم ہو اور
کوئی اور دوا نہ ملے جیسا کہ پیاسے کو شراب کی رخصت دی گئی ہے
اور اسی پر فتوی ہے ردالمحتار میں اس کے تحت ہے ففی النہایة عن الذخیرة
یجوز ان علم فیه شفاء ولم یعلم دواء آخر وفی الخانیة ان ما
فیه شفاء لا باس به کما یحل الخمر للعطشان فی الضرورة

وکذا اختارہ صاحب الہدایۃ فی التجنیس وافاد سیدی عبد الغنی
انہ لا یظہر الاختلاف فی کلامہم لاتفاقہم علی الجواز للضرورۃ
یعنی نہایہ میں ذخیرہ سے ہے کہ حرام شئے سے دوا کرنا جائز ہے جبکہ اسمیں شفا
معلوم ہو اور اس کے سوا دوسری دوا نہ معلوم ہو اور خانیہ میں ہے کہ
جس میں شفا معلوم ہو اس کے استعمال میں حرج نہیں جیساکہ شراب
پیاسے کے لیے ضرورت کے وقت حلال ہوتی ہے اسی کو صاحب ہدایہ نے
تجنیس میں اختیار کیا ہے اور سیدی عبد الغنی رح نے افادہ فرمایا ہے کہ
کلام ائمہ میں اختلاف ظاہر نہیں ہے کہ وہ سب ضرورت میں جواز پر متفق
ہیں۔ اسی میں ہے وقال فی الفتح واہل الطب یثبتون للبن
البنت ای الذی نزل بسبب مرضعۃ نفعا لوجع العین واختلف
المشائخ فیہ قیل لا یجوز وقیل یجوز اذا علم انہ یزول بہ
الرمد یعنی فتح القدیر میں ہے کہ طبیب لڑکی والی عورت کے دودھ
کو درد چشم کے لیے مفید بتاتے ہیں اور مشائخ اس میں مختلف ہیں بعض
کہتے ہیں کہ جائز نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے جبکہ آنکھ کا اچھا ہونا
اس سے معلوم ہو خزانۃ الروایات میں ہے وصبہ فی عین رمدۃ
عند اصحابنا لا یجوز وقیل یجوز اذا علم انہ یزول بہ الرمد
لتحقق الحاجۃ ولاباس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء
یعنی آنکھ دکھنے میں عورت کا دودھ ڈالنا ہمارے اصحاب کے نزدیک
جائز نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے جبکہ اس سے آنکھ کا اچھا ہونا
معلوم ہو کہ اسوقت ضرورت متحقق ہوئی اور عورت کے دودھ کو دوا پینے
اور ناک میں ڈالنے سے حرج نہیں ہے اقول اور اسی قیل وقال بعض پر فتوی
ہے جیساکہ درمختار میں گزرا تو لاجرم قول مفتی بہ میں بضرورت عورتوں کا دودھ
دوا میں استعمال کرنا جائز جبکہ اس سے شفا معلوم ہو الخ کما مر۔

مسئلہ جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اُسے مناسب ہے کہ خوب بناؤ سنگار کرکے رہا کرے کہ شاید مرد کا جی اُس کی طرف جھک پڑے اور رجعت کرے (صفحہ ۷۳ سطر ۵ بیان رجعت) اصلاح مطلقہ رجعیہ کو بناؤ سنگار کرنا اُسوقت مشروع ہے جبکہ شوہر حاضر ہو اور اُس سے امید رجعت ہو اور اگر شوہر حاضر نہ ہو غائب ہو یا بوجہ بغض و کراہت رجعت کی امید نہ ہو تو بناؤ سنگار کرنا بے فائدہ و غیر مشروع ہے درمختار میں ہے والمطلقۃ الرجعیۃ تتزین لزوجھا الحاضر لا الغائب لفقد العلۃ اذا کانت الرجعۃ مرجوۃ والا فلا ذکرہ مسکین قال فی رد المحتار واقرہ فی البحر وغیرہ یعنی مطلقہ رجعیہ اپنے شوہر حاضر کے لیے زینت کرے نہ غائب کے لیے جبکہ رجوع کی امید ہو ورنہ نہ کرے۔ ملا مسکین نے اسے ذکر کیا ہے اور بحر وغیرہ میں اس کا اقرار کیا ہے مجمع الانہر میں ہے والمطلقۃ الرجعیۃ تتشوف و تتزین ھذا اذا کانت الرجعۃ مرجوۃ فان کانت لا ترجوھا لشدۃ بغضہ لھا فانھا لا تفعل کما فی الکافی وغیرہ یعنی مطلقہ رجعیہ زینت کرے جبکہ رجعت کی امید ہو اور جو شدت بغض کے باعث رجعت کی امید نہ ہو تو نہ کرے جیسا کہ کافی وغیرہ میں ہے

مسئلہ اگر ابھی رجعت نہ کی ہو تو اُس عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لیجانا جائز نہیں (صفحہ ۷۳ سطر ۲ بیان رجعت) اصلاح مطلقہ رجعیہ کو اپنے ساتھ سفر میں لیجانا جب ممنوع ہے کہ زوج نے صراحۃً رجوع سے انکار کیا ہو اور جو شوہر نے صراحۃً رجعت سے انکار نہ کیا ہو اور اپنے ساتھ سفر کو لیجائے تو ناجائز نہیں کہ اس کا عورت کو سفر میں اپنے ساتھ لیجانا ہی رجعت ہو گا مجمع الانہر میں ہے ولیس لہ ان یسافر بھا ھذا اذا کان یصرح بعدم رجعتھا اما اذا لم یصرح کانت رجعۃ دلالۃ اذا کان السفر الشرعی والا لا تکون رجعۃ دلالۃ۔ یعنی شوہر

مطلقہ رجعیہ کو بناؤ سنگار کرنے کا حکم

مطلقہ رجعیہ کو سفر میں لیجانے کا حکم

کو مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے جبکہ صراحۃً رجعت سے انکار کیا ہو اور
جو انکار نکیا ہو تو سفر دلالتً رجعت ہوگا اگر سفر شرعی ہو ورنہ نہیں ہوگا در مختار
میں ہے ولا یخرجہا من بیتہا وھذا اذا کان صرح بعدم رجعتہا فلو لم یصرح
کان السفر رجعۃ دلالۃ فتح قال فی رد المحتار رجحہ فی البحر ان المراد ان
کان یصرح بعدم رجعتہا واما اذا سکت کانت المسافرۃ رجعۃ دالۃ
کما اشار الیہ فی الفتح وشرح جامع الصغیر للقاضی وفتاویہ والبدائع
وغایۃ البیان معللین بان السفر دلالۃ الرجعۃ فانتفی بہ ما ذکرہ
الزیلعی من ان السفر لیس دلالۃ الرجعۃ اھ یعنی شوہر مطلقہ رجعیہ کو گھر سے
باہر نہ لیجائے جبکہ صراحۃً رجعت کا انکار کیا ہو اور جو انکار نکیا ہو تو سفر دلالت رجعت ہوگا
بحر میں ہے کہ ممانعت تصریح عدم رجعت میں ہے اور جبکہ تصریح نہ کی چپ رہا
تو سفر دلالت رجعت ہوگا جیسا کہ فتح وشرح جامع صغیر اور فتاوی قاضی خان
اور بدائع اور غایۃ البیان نے اسطرف اشارہ کیا ہے کہ سفر دلالت رجعت ہے
پس زیلعی نے جو سفر کو دلالت رجعت نہیں ٹھہرایا ہے وہ منتفی ہوا۔
مسئلہ اور اگر یوں کہا کہ اگر تجھسے صحبت کروں تو میرے ذمہ ایک حج ہی
یا ایک روزہ ہی یا ایک روپیہ کی خیرات ہے یا ایک قربانی ہے تو ان سب صورتوں
میں بھی ایلا ہو گیا اگر صحبت کریگا تو جو بات کہی ہے وہ کرنی پڑیگی اور کفارہ دینا
پڑیگا (صفحہ ۴۰ سطر پہلی بیان ایلا) **اصلاح** عورت سے وطی نہ کرنے پر اللہ کی
قسم کھانا یا ترک وطی زوجہ کو ایسی چیز پر معلق کرنا جو فی نفسہ دشوار و ناگوار اور
لازم ہو شرعاً ایلا ہے اور ظاہر کہ ایک روپیہ خیرات کرنا فی نفسہ دشوار و ناگوار
نہیں اور جب دشوار و ناگوار نہیں تو ایلا نہیں پس اگر کوئی یوں کہے کہ اگر میں
تجھسے صحبت کروں تو مجھ پر ایک روپیہ کی خیرات ہے یا مثل اسکے اور کوئی ادنی
چیز ہے جیسا کہ تھانوی صاحب فرماتے ہیں تو ایلا نہ ہوگا جس کی نظیر دو رکعت
نماز تلاوت قرآن صلاۃ جنازہ بلا وضو غسل وغیرہ پر ترک وطی کو معلق کرنا ہے

کہ ان چیزوں پر معلق کرنے سے بوجہ لازم اور دشوار و ناگوار نہ ہونے کے ایلا نہ ہوگا متون میں جو صدقے کا لفظ ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ادنیٰ چیز کے صدقہ کرنے کو نفس پر لازم کر لینے سے ایلا ہو جائیگا۔ یوں تو ایک روٹی ایک پیسہ وغیرہ کا صدقہ لازم کر لینے سے بھی ایلا ہونا چاہیے تو پھر ایک روپیہ ہی کی کیا تخصیص اسی لیے شارح نے صدقے وغیرہ کی آگے تصریح فرمادی کہ وہ اسقدر ہونا چاہیے جس کا دینا نفس پر ناگوار اور دشوار ہو۔ در المنتقی میں ہے ولو قال ان قربتك فعلی حج او عمرة او صوم او صدقة او عتق فداء ایشق علیه اخرا جه یعنی اگر کسی نے کہا اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر حج یا عمرہ یا صدقہ ہے اور اتنی مقدار اسکی معین کی جسکا دینا اسپر دشوار ہو تو ایلا ہوگا در مختار میں ہے او ان قربتك فعلی حج او نحوه مما یشق بخلاف فعلی صلاة رکعتین فلیس بمول لعدم مشقتها قال فی رد المحتار ولما تقدم من ان المولی هو الذی لا یمکنه قربان زوجته الا بشیء مشق یلزمه فلا بد من کونه لازما وکونه مشقا ولا یصح القسم بقراءة القران وصلاة الجنازة وتکفین الموتی کما فی الایمان القهستانی فاذا لم یصح النذر امکنه قربانها بلا شیء یلزمه اصلا کما لو قال ان قربتك فعلی الف وضوء فلا یکون مولیا فافهم یعنی اگر یہ کہا کہ اگر میں تجھسے قربت کروں تو مجھ پر حج یا مثل اس کے کوئی اور چیز جو اسپر دشوار ہو بخلاف اس کے کہ مجھ پر دو رکعت نماز ہے کہ اس سے ایلا نہ ہوگا کہ ان میں کوئی مشقت نہیں ہے کہ پہلے گزرا کہ مولے وہ ہے جس کو اپنی زوجہ سے وطی کرنا ممکن نہ ہو مگر دشوار گزار شئے کے ساتھ میں جسے اس نے لازم کیا ہے پس ایلا کے لیے شئے کا لازم اور دشوار گزار ہونا ضروری ہے اور قرآن پڑھنے اور نماز جنازہ اور تکفین موتٰی کی قسم صحیح نہیں جیسا کہ ایمان قہستانی میں ہے پس جبکہ نذر صحیح نہ ہوئی تو شوہر کو بلا لزوم کسی شئے کے عورت سے وطی جائز ہو گی جیسا کہ کہا کہ اگر میں تجھ سے قربت کروں

تو مجبور ہزار وضو میں لیں اس سے مولے نہ ہوگا۔
مسئلہ عورت اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لیے ہفتہ میں ایک دفعہ جا سکتی ہے (صفحہ ۴۰ سطر ۱۲ بیان رہنے کو گھر ملنے کا) **اصلاح** اگر ماں باپ عورت تک آنے کے قابل نہ ہوں تو عورت کو ہفتہ میں ایک بار اُن کے دیکھنے کے لیے جانا جائز ہے اور شوہر کو اُسے جانے سے روکنا منع ہے اور جہاں باپ عورت تک آنے کے قابل ہوں مثلاً صحیح سالم چلتے پھرتے غیر مقید ہوں تو نہ عورت کو ان کے دیکھنے کے لیے جانا جائز نہ شوہر کو جانے سے روکنا منع درمختار میں ہے ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختاره فی الاختیار وقال فی رد المحتار تحته ناقلا عن الفتح وعن ابی یوسفؒ فی النوادر تقیید خروجها بان لا یقدرا علی اتیانها فان قدرا لا تذهب وهو حسن وقد اختار بعض المشایخ منعها من الخروج الیهما واشار الی نقله فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف اذا کان الابوان بالصفة التی ذکرت والا ینبغی ان یاذن لها فی زیارتهما یعنی شوہر عورت کو ماں باپ کے یہاں ہر جمعہ جانے سے منع نہ کرے اگر وہ اس کے پاس آنے پر قادر نہ ہوں اختیار میں اسے اختیار کیا ہے اور ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے کہ امام ابی یوسفؒ سے نوادر میں عورت کا جانا ماں باپ کے نہ آسکنے کے ساتھ مقید ہے پس اگر ماں باپ آنے کے قابل ہوں تو نہ جائے اور یہی اچھا ہے اور بعض مشایخ نے عورت کو ماں باپ کے یہاں جانے کی ممانعت فرمائی ہے اور اس کی نقل کی طرف شرح اختیار میں اشارہ کیا ہے اور قول امام ابی یوسف کو اخذ کرنا حق ہے جبکہ ماں باپ صفت بصفت مذکورہ ہوں ورنہ شوہر کو ماں باپ کی زیارت کے لیے جانے کی اجازت دینا لائق ہے۔

مسئلہ کسی کا شوہر مر گیا تو مرنے کے وقت سے اگر دو برس کے اندر لڑکا پیدا ہوا تو وہ حرامی نہیں بلکہ وہ شوہر کا ہے (صفحہ ۷۵ سطر ۱۳ بیان بچہ حلالی ہونے کا)

اصلاح ، حکم کبیرہ بالغہ عورت کا ہے نہ ہر ایک کا جیسا کہ مسئلہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ صغیرہ مراہقہ سے اگر شوہر مرنے کے بعد دس ماہ دس روز کے اندر بچہ پیدا ہو اور اُس نے انقضاء عدت یا حمل کا اقرار نہ کیا ہو تو ثابت النسب ہوگا اور اُسکے شوہر کی طرف نسبت کیا جائیگا ورنہ نہیں اگرچہ دو برس کے اندر ہو یہی ہمارے امام اعظم و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے اور عامہ متون میں اختیار کیا ہے پس تھانوی صاحب کا مطلقاً حکم تحریر کرنا کبیرہ و صغیرہ میں فرق نہ کرنا کیسے معتبر ہو سکتا ہے ملتقے الابحر میں ہے وان کانت مراهقة فلاقل من عشرة اشهر وعشرة ایام والا فلا یعنی عورت اگر مراہقہ ہو تو دس ماہ دس روز سے کم میں بچہ پیدا ہو نیسے ثابت النسب ہوگا ورنہ نہیں در مختار میں ہے اما الصغیرة فان ولدت لاقل من عشرة اشهر وعشرة ایام ثبت والا لا ولو اقرت بمضیها بعد اربعة اشهر وعشرة وولدته لستة اشهر لم یثبت یعنی اگر صغیرہ کے دس ماہ و دس روز سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو ثابت النسب ہوگا ورنہ نہیں اور جو اُس نے چار ماہ دس روز بعد عدت گزرنے کا اقرار کیا اور چھ ماہ میں بچہ جنا تو ثابت النسب ہوگا۔ مسئلہ میاں بی بی میں جدائی ہوگئی اور طلاق مل گئی اور گود میں بچہ ہے تو اُس کی پرورش کا حق ماں کو ہے باپ اُس کو نہیں چھین سکتا۔

مسئلہ اگر ماں نہ ہو تو پرورش کا حق نانی اور پرنانی کو ہے ان کے بعد دادی اور پردادی کو یہ بھی نہ ہوں تو سگی بہنوں کو حق ہے۔ سگی بہنیں نہ ہوں تو سوتیلی بہنیں ایک ماں کی پھر ایک باپ کی پھر خالہ پھر پھوپی کو حق ہے (مختصراً صفحہ ٥٠ سطر و بیان پرورش اولاد) اصلاح اگر ماں فاجرہ بدکار غیر مامون بے عقل بے رحم لاپرواہ ہو بچے کی تربیت اور پالنے پر قادر نہ ہو اور بچہ کی حفاظت اور غور پرداخت نہ کر سکتی ہو اس کے پاس رہنے سے بچے کے ضائع اور برباد خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ حقدار پرورش نہیں اسیطرح

اگرماں نے دوسرا نکاح کرلیا ہو یا بچے کی پرورش کی باپ سے اجرت مانگے بے اجرت پرورش نہ کرے اور باپ غریب مفلس ہے اور دوسرا حقدار بلا اجرت پرورش کرنے کو تیار ہو تو ماں سے جدا کرکے اس دوسرے کو دیا جائیگا در مختار میں ہے تثبت للام الا تکون فاجرة فجورا تضیع الولد به اوغیر مامونة او ابت ان تربیه مجانا والاب معسر والعمة تقبل ذلك علی المذهب یعنی حق بچہ پالنے کا ماں کو ہے مگر جبکہ فاجرہ ہو کر اس کی وجہ سے بچہ ضائع ہو یا غیر مامون ہو یا ماں مفت پالنے سے انکار کرے اور باپ غریب ہے اور پھوپی مفت پالنے کو تیار ہے تو اسے حق پرورش نہیں ۔ ردالمحتار میں ہے قال الرملی ویشترط فی الحضانة ان تکون حرة بالغة عاقلة امینة قادرة ولم تمتنع عن تربیته مجانا عند اعسار الاب یعنی علامہ رملی نے کہا ہے کہ حضانت میں شرط ہے کہ وہ آزاد و بالغہ عاقلہ امینہ پرورش پر قادر ہو اور باپ کے فقیر ہونے کی حالت میں مفت پالنے سے باز نہ رہے ۔

مجمع الانہر میں ہے الام احق بحضانة ولدها ان کانت اهلا والحضانة للمرتدة والا للفاسقة کما فی الفتح ماں اپنا بچہ پالنے کی حقدار ہے جبکہ وہ اہل پرورش ہو اور مرتدہ اور فاسقہ کو حق پرورش نہیں ہے جیسا کہ فتح میں ہے ۔ درر میں ہے هی للام مالم تتزوج الا ان تکون مرتدة او فاجرة کذا فی الکافی حق پرورش ماں کو ہے جبتک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرے مگر یہ کہ مرتدہ یا بدکارہ ہو تو نہیں ہے ایسا ہی کافی میں ہے پھر بالاتفاق روایت سوتیلی بہنوں کے بعد سگی بہن کی بیٹی ۔ پھر سوتیلی بہن کی بیٹی پھر بھائی کی بیٹیاں بچے کی پرورش کے لیے احق دادنے ہیں ۔ اور تھانوی صاحب سوتیلی بہنوں کے بعد حق حضانت خالہ پھر پھوپی کو بتارہے ہیں ۔ گویا گھر کی عطا ہے جسے چاہیں دیں جسے چاہیں نہ دیں ۔ مگر جب سگی یا سوتیلی بہن کی بیٹی بمقابلہ خالہ یا پھوپی کے دعوی کرے گی تو کیا کریں گے ۔ در مختار و درر و مجمع الانہر میں ہے واللفظ للدر ثم بنت الاخت

لابوین ثم لام ثم الخالات ثم العمات قال فی رد المحتار تحتہ کونہما احق من الخالۃ باتفاق الروایات یعنی تینوں قسم کی بہنوں کے بعد حق پرورش سگی بہن کی بیٹی پھر سوتیلی بہن کی بیٹی کو پھر خالہ کو پھر پھوپی کو ہے اور سگی و سوتیلی بہن کی بیٹی خالہ سے زیادہ باتفاق روایات حقدار ہے۔ جوہرہ میں ہے۔ والاولاد الاخوات للاب والام او للام اولی من الخالات والعمات فی الروایات کلہا وبنات الاخ اولی من العمات والخالات وبنات الاخت اولی من بنات الاخ یعنی سگی اور سوتیلی بہن کی اولاد خالہ اور پھوپی سے تمام روایات میں اولی ہیں اور بھتیجیاں خالہ اور پھوپی سے اور بھانجیاں بھتیجیوں سے اولے ہیں شرنبلالیہ میں سراجیہ سے ہے وبنات الاخ اولی من العمات والخالات یعنی بھتیجیاں خالہ اور پھوپی سے اولی ہیں۔

مسئلہ دعوت قبول کرے (صفحہ ۳، بیان حقوق مسلمانان)

اصلاح مسلمانوں کو مسلمان کی دعوت قبول کرنا ضرور مسنون ہے مگر جو مسلمان علانیہ طور سے فسق و فجور کرتا ہو یا جس کی حرام کی کمائی حرام کا مال ہو (تا وقتیکہ وہ مال حلال ہونیکی خبر نہ کرے) یا جس کے یہاں لہو و لعب گانا بجانا وغیرہ ممنوعات شرعیہ ہوں تو ایسی جگہ ایسے شخص کے یہاں دعوت میں جانا یا اپنے اہل و عیال کو وہاں بھیجنا ممنوع و ناجائز ہے اسیطرح وہابی۔ خارجی نیچری وغیرہ گمراہ بددین مبتدعین کی (جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں) دعوت قبول کرنا ان کے یہاں جانا جائز نہیں کہ وہ فاسق فاجر سے بھی بدتر ہیں حدیث میں ہے نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اجابۃ طعام الفاسقین رواہ الطبرانی عن عمران بن حصین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے کو منع فرمایا ہے درمختار میں ہے دعی الی ولیمۃ وثمۃ لعب او غناء قعد واکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد ویخرج معرضا لقولہ تعالی فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین وان علم اولا لا یحضر اصلا

جو شخص دعوت ولیمہ میں بلایا گیا اور اس جگہ لہو ولعب گانا بجانا ہو تو بیٹھکر کھالے اگر وہ بری باتیں گھر میں ہوں اور جو کھانے کی جگہ ہوں تو اسے بیٹھنا لائق نہیں ہے بلکہ اعراض کرے اور [illegible] ہے واسطے قول اللہ تعالیٰ کے پس نہ بیٹھ تو یاد کرنے بعد قوم ظالمین کے پاس اور جو پہلے سے ان باتوں کا دعوت میں ہونا معلوم ہو تو ہرگز نجائے ہندیہ میں ہے ولا یجیب دعوۃ الفاسق المعلن لیعلم انہ غیر راض بفسقہ [illegible] دعوۃ من کان غالب مالہ من حرام مالم یخبر انہ من حلال

مسئلہ ملاقات کے وقت اسکو سلام کرے (صفحہ ۳۰، عام مسلمانوں کے حقوق) **اصلاح** مسلمان کو مسلمان پر ملاقات کے وقت سلام کرنا ضرور مسنون اور موجب اتحاد و داد ہے مگر ظالم وجابر فاسق وفاجر بدعتی گمراہ کو سلام کرنا جائز نہیں اگر ان کا ظلم وجور فسق وفجور بدعت وگمراہی ظاہر ہو جیسے زانی خمر ابی داڑھی منڈانے کتروانے والا نماز روزہ عمداً ترک کرنے والا وغیرہ اور وہابی رافضی خارجی نیچری غیر مقلد وغیرہ کو سلام نہ کرو جبتک کہ وہ اپنے افعال واقوال سے علانیہ توبہ نہ کریں درمختار ورد المحتار میں ہے ویکرہ السلام علی الفاسق لو معلناً والا لا۔ تفسیر خازن میں ہے ویکرہ ان یبدأ المبتدع بالتسلیم علیہ وکذلک المعلن بفسق وکذلک الظلمۃ ونحوھم فلا یسلم علی ھولاء۔

تمت بالخیر